طبعة منقحة جيدة

اَلنَّحْوُ وَسِيْلَةُ الْمُسْتَعْرِبِ وَمَدْخَلُ الْعُلُوْمِ الْاِسْلَامِيَّةِ

تصحیح وترقیم، تحقیق وتعلیق سے آراستہ طبع جدید

کتاب النحو

تالیف: حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب امرتسریؒ

تحشیة وتحقیق
محمد اشرف تاجپوری
مدرس جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل، سملک



ادارۃ الصدیق، ڈابھیل گجرات

وما تفعلوا من خير فان الله به عليم

مَرَّ عُمَرُ رضی اللہ عنہ بِقَوْمٍ قَدْ رَمَوْا وَشْقاً فَأَخْطَئُوْا. فَقَالَ: مَا أَسْوَأَ رَمْيَكُمْ!.

قَالُوْا: نَحْنُ مُتَعَلِّمِيْنَ. (والصواب: مَتَعَلِّمُوْنَ)

قَالَ:لَحْنُكُمْ أَشَدُّ عَلَيَّ مِنْ سُوْءِ رَمْيِكُمْ. سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً أَصْلَحَ مِنْ لِسَانِهٖ.

اَلنَّحْوُ أَفْضَلُ مَا يُبْغٰى وَ يُقْتَبَسُ
لِأَنَّهٗ لِكِتَابِ اللّٰهِ مُلْتَمِسُ

إِذَا الْفَتٰى عَرَفَ الإِعْرَابَ كَانَ لَهٗ
مَهَابَةٌ فِيْ أُنَاسٍ حَوْلَهٗ جَلَسُوْا

لَا يَنْطِقُوْنَ حَذَاراً أَنْ يُلَحِّنَهُمْ
كَأَنَّمَا لَهُمْ مِنْ خَوْفِهٖ خَرَسُ

[تدريب الطلاب في قواعد الاعراب]



امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر میں "نحو" کی اہمیت

خلیفۂ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک گروہ پر گذر ہوا جو تیروں سے نشانہ بازی کرتا تھا پس وہ لوگ اس میں خطا کرتے تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: افسوس! تمہاری تیر اندازی بہت برا کام ہے۔ انہوں نے کہا: ہم تیراندازی سکھ رہے ہیں۔

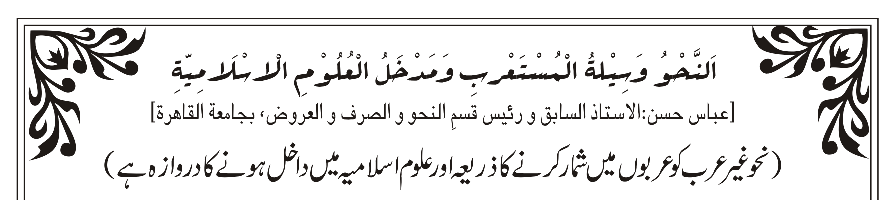
نوٹ: " نَحْنُ مُتَعَلِّمِيْنَ " **قواعد نحوی کے اعتبار سے غلط ہے، صحیح جواب** " نَحْنُ مُتَعَلِّمُوْنَ " ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارا بولنے میں غلطی کرنا تیر اندازی میں خطا کرنے سے زیادہ برا کام ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: اللہ تعالی خیر و عافیت فرمائے اس پر جو اپنی زبان درست کرلے۔

☆ قابل حصول علوم آلیہ میں سب سے بہتر علم نحو ہے کیوں کہ وہ قرآن مجید کے سمجھنے میں مدومعاون ہے۔

☆ جب طالب علم وجوہِ اعراب (نحو) جانتا ہے تو اپنے پاس رہنے والوں میں اس کا خاص مقام و مرتبہ ہوا کرتا ہے۔

☆ مارے خوف کے وہ خاموش رہتے ہیں کہ کہیں وہ ان کے کلام میں نشان دہی کرے گا، گویا اس کی نحوی معلومات کے ڈر سے ان کی زبان گونگ ہوجاتی ہے۔



اَلنَّحْوُ وَسِیلَۃُ الْمُسْتَعْرِبِ وَمَدْخَلُ الْعُلُوْمِ الْاِسْلَامِیَّۃِ

[عباس حسن:الاستاذ السابق و رئیس قسمِ النحو و الصرف و العروض، بجامعة القاهرة]

(نحو غیر عرب کو عربوں میں شمار کرنے کا ذریعہ اور علوم اسلامیہ میں داخل ہونے کا دروازہ ہے)

طبعة منقحة جيدة

تصحیح وترقیم، تحقیق وتعلیق سے آراستہ طبع جدید



تالیف:

حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب امرتسریؒ

تحشیہ وتحقیق

محمد اشرف تاجپوری

مدرس جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل-سملک





ناشر

ادارۃ الصدیق، ڈابھیل، گجرات

-: تفصیلات :-

نام کتاب:..کتاب النحو

مؤلف:..............................حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب امرتسریؒ

تصحیح وتعلیق:......................................محمد اشرف تاجپوری عفی عنہ

کمپیوٹر کتابت & تزیین:.. My self

بہ اہتمام:...........................حضرت مفتی ابوبکر پٹنی زید مجدہ، محمد اشرف تاجپوری

طبعِ نہم:..................................شوال ١٤٤٥ھ =، مئی ٢٠٢٤ء

رابطہ:.. +91 9904069047

حامداً مصلّیاً وَ مسلّماً

مدارس اسلامیہ عربیہ کا مقصود اصلی قرآن وحدیث کی تعلیم وتعلم ہے، ان کو بحسن وخوبی سمجھنا نحو وصرف کے بغیر تقریباً ناممکن ہے، اس لیے ان کا حصول بھی ناگزیر ٹھہرا، اس کے لیے عموماً ہدایۃ النحو اور کافیہ درس نظامی میں داخل ہیں، اور ان سے پہلے بطور تمہید وتسہیل اردو زبان میں مختلف رسائل داخل ہیں اور داخل ہورہے ہیں، لیکن جو ربط کتاب النحو کا مسائل کی ترتیب وتعداد کے لحاظ سے ان دونوں کتابوں سے ہے وہ دیگر رسائل کو کم ہیں، بنابریں ان دونوں کے لیے یہ ممدّ ومعاون ہے، لیکن اس کی فقرہ بندی وتصحیح کی ضرورت تھی، اس کے لیے ادارۃ الصدیق نے جامعہ اسلامیہ، ڈابھیل کے صرف ونحو سے خصوصی تعلق رکھنے والے استاذ مولانا اشرف صاحب تاجپوری زید مجدہ وعلمہ کو اس کی طرف متوجہ کیا، موصوف نے بتوفیق الٰہی اس کام کو باحسن وجوہ اور بڑی عرق ریزی سے مکمل کیا، جزاہ اللہ تعالی۔

اس کام میں امکان ہے کہ کوئی فروگذاشت اور کمی رہ گئی ہو، اگر ایسا ہے تو ادارہ کو ضرور مطلع کریں تاکہ آئندہ اصلاح کرکے کتاب کو مزید نافع بنایا جاسکے۔

حضرات اساتذہ اور طلبا سے توقع ہے کہ اس کاوش کو نظر استحسان سے دیکھیں گے اور مزید بہتر بنانے کے لیے اپنی آراء اور تعاون سے نوازیں گے۔ **ادارۃ الصدیق**

فہرست عناوین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

جناب حضرت مفتی ابوبکر صاحب دامت برکاتہم

(استاذِ حدیث وتفسیر، جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل)

عربی زبان سیکھنے کی دو حیثیتیں ہیں: (۱) دنیاوی ضرورت؛ تاکہ اہل عرب کے ساتھ معاملات ومعاشرت میں گفتگو اور افہام وتفہیم آسان ہوجائے، اس کے لیے نحو وصرف (grammar) کی کتابیں پڑھنے کی حاجت نہیں ہے، عربی کتابیں (reader books) پڑھنے اور اس کے مطابق لکھنے بولنے سے یا ماحول میں آپسی گفتگو (conversation) سے سیکھ سکتے ہیں، (۲) دینی ضرورت؛ تاکہ قرآن وحدیث کو صحیح طور پر سمجھ سکے، اس کے لیے فنِ نحو وصرف کا سیکھنا لازم اور ضروری ہے، کیوں کہ اس کے ساتھ معانی ومفہوم کا گہرا ربط وتعلق پایا جاتا ہے، اس کو پڑھے سمجھے بغیر قرآن وحدیث کا سمجھنا باعثِ گمراہی ہوگا، اسلامی جامعات میں عربی زبان کو اصالۃً بہ حیثیتِ دوم پڑھایا جاتا ہے۔

کتاب النحو علمِ نحو سیکھنے سکھانے کے واسطے ابتدائی کتاب شمار کی جاتی ہے، یہ دیگر ابتدائی کتابوں کی بہ نسبت طویل ہے لیکن ہدایۃ النحو اور کافیہ کے طرز پر ہے اور کافی حد تک فن کے مسائل اس کتاب میں موجود ہیں، یہ تقریباً سوا سو سال پہلے کی تالیف ہے، کتاب فی نفسہ مفید ہے مگر قدیم طرز اردو کے ساتھ ناموزوں طباعت اور تصحیح وترقیم کے حوالے سے ناشرین کی بے اعتنائی کی وجہ سے خاطر خواہ افادہ واستفادہ کے قابل نہیں رہی تھی، مولانا محمد اشرف تاجپوری زید مجدہم نے نحو کی متداول درسی کتابوں کے ساتھ کتاب النحو کو بھی کئی سال پڑھایا ہے، اس دوران اس کی تصحیح وترقیم کے متعلق ہمارا آپس میں مذاکرہ ہوتا رہا اور مولانا نے اپنے طویل تجربہ کی روشنی میں اس کتاب پر تصحیح وترقیم کے ساتھ تحقیق وتعلیق کی بھی خدمت انجام دی ہے جو علم نحو سمجھنے میں معین ومددگار ہے۔

اب اعتماد کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس کتاب کی افادیت واستفادیت بڑھ گئی ہے اور قارئین وشائقین کے بہ کثرت مطالبہ کی بنا پر یہ ساتواں ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے، چھٹے اور ساتوے ایڈیشن میں مولانا نے مزید تنقیح سے کام لیتے ہوئے حواشی میں جزوی ترمیم اور چند جگہوں میں مفید اضافہ کیا ہے جو قابلِ تحسین ہے۔ فجزاهم الله تعالى أحسن الجزاء

العبد ابوبکر پٹنی ۱۰ مئی ۲۰۲۳ء مطابق ۱۹ شوال المکرم ۱۴۴۴ھ

تقریظ

از: فخرِ گجرات حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی، رحمۃ اللہ علیہ۔

[رئیس الجامعہ دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر، سورت، گجرات]

الحمد لولیہ و الصلوة لأھلھا، أما بعد.

دنیا کے ہر خطے کی زبان مختلف ہے، اور ہر علاقے کے لوگوں نے اپنی اپنی زبان کے لیے قواعد مقرر کیے ہیں، عربی زبان بھی خلیج سے محیط تک کے وسیع رقبہ میں بولی جاتی ہے اور اس کا شمار دنیا کے ترقی یافتہ زبانوں میں ہوتا ہے۔ قرآن کریم کا نزول عربی زبان میں ہوا ہے جو مسلمانوں کی مقدس کتاب ہے اس لیے دنیا کے ہر خطہ میں اس کی تعلیم لازمی ہوگئی۔ جب اسلام جزیرۂ عرب سے نکل کر دور دراز علاقوں میں پہنچا تو عجمی مسلمانوں کے لیے عربی سیکھنے کی ضرورت پیش آئی تا کہ وہ کلام اللہ اور احادیث شریفہ کو صحیح طریقہ پر پڑھ سکیں، چناں چہ اس کے قواعد اور ضوابط بنائے گئے، جن کو **علم نحو** سے تعبیر کیا گیا۔

علم نحو سے کلمہ کے تینوں اقسام: اسم، فعل اور حرف کے پہچاننے اور پھر اس کے اعراب کے قواعد بنائے گئے، ہندوستان میں بھی زمانۂ دراز سے عربی مدارس میں فن صرف ونحو کی تعلیم کے لیے مختصر اور مطول کتابیں لکھی گئیں اور حسب ضرورت اس کی تسہیل بھی ہوتی گئی۔

نحومیر، ہدایۃ النحو، کافیہ اور اجرومیہ وغیرہ کئی کتابیں ابتدائی درجات میں پڑھائی جاتی رہیں، پھر طلبا کی سہولت کے لیے اردو میں کتاب الصرف، کتاب النحو وغیرہ کتابیں وجود میں آئیں، ان کتابوں میں حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحبؒ کی تالیف: کتاب النحو بہت مقبول ہوئی، اور اکثر مدارس میں اس کو نصاب میں شامل کیا گیا۔

اسی کتاب پر مولانا محمد اشرف تاجپوری زید فضلہ نے فن کی دوسری کتابوں سے استفادہ کر کے مفید حواشی کے اضافے کیے ہیں، مولانا موصوف کو عرصہ سے اس فن کے پڑھانے کا تجربہ ہے اس لیے انہوں نے طلبا کے لیے بہت قیمتی مواد جمع فرمایا ہے، جو یقیناً عربی کے ابتدائی درجوں کے لیے ایک نعمت ہے۔

اللہ تعالی مولانا کی اس خدمت کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور مدارس کے طلبا اس سے مستفید ہوں۔

اس مسودہ پر فلاح دارین کے استاذ قاری ناظر حسین صاحب زید مجدہ نے مکمل نظر ثانی کی ہے، اور انہوں نے اس کو بہت مفید بتایا ہے، اس سے کتاب کی افادیت کا مزید ثبوت مل گیا ہے۔ اللہ تعالی مصنف کو بہترین بدلہ عطا فرمائے، آمین۔ فقط والسلام

(حضرت مولانا) عبداللہ (صاحب) غفرلہ، جمادی الاولی ۱۴۳۰ھ = مئی ۲۰۰۹ء

تقریظ

از: شیخ الحدیث حضرت مفتی عبداللہ صاحب مظاہری، رحمۃ اللہ علیہ۔

[بانی ورئیسِ جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ، بھروچ، گجرات]

حامدا ومصلیا امابعد

کتاب وسنت اور شریعت مطہرہ سے کما حقہ واقفیت کے لیے نحو کی حیثیت خشت اول اور کلید کی سی ہے، علامہ عجلی کے بہ قول مشہور صاحب فضل شاعر محدث اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قریبی ساتھی ظالم بن عمرو بن سفیان المعروف بہ ابو لاسود الدیلی یا الدؤلی متوفی ٦٩ ھ پہلے شخص ہیں جنہوں نے با ضابطہ پہلے پہل نحو کے حوالے سے گفتگو کی، بعض دوسرے تذکرہ نگاروں کے مطابق خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایماء اور ارشاد کو اس میں خاص دخل تھا، اس کے بعد ابو عمرو بصری، خلیل بن احمد، سیبویہ اور عیسی بن عمرو وغیرہ کی خصوصی دلچسپیوں سے نحو نے ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے باقاعدہ مرتب ومدون فن کی شکل اختیار کرلی، اور عملی سطح پر لازمی مضمون کی حیثیت سے پڑھنے اور پڑھانے کے علاوہ فن سے متعلق مطول ومختصر، منظوم ومنثور اور متون وشروح کی تصنیف کا ایک سلسلہ چل پڑا جو ہنوز جاری ہے۔

برصغیر کے موفق من اللہ علمائے کبار نے جب اپنا تعلیمی لائحۂ عمل وضع کیا تو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ابتدائی طلبہ کو نحو کی مبادیات اور ضروری اصول وقواعد سے واقف کرنے کے لیے مادری زبان میں کتابیں تحریر کی جائیں، تاکہ طلبہ پر بیک وقت فن کے نیا پن اور زبان کی غرابت کا بوجھ نہ پڑے، چناں چہ اس سلسلے میں جن بزرگوں نے نمایاں کوششیں فرمائیں ان میں ایک اہم نام حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب امرتسری رحمہ اللہ تعالی کا ہے، مولانا نے اولا کتاب الصرف اور پھر کتاب النحو تحریر فرمائی، کتاب النحو کو مصنف کے اخلاص، مسائل کی جامعیت اور اختصار کے اہتمام کے پیش نظر بے انتہاء قبولیت حاصل ہوئی، چنانچہ اس وقت بھی یہ کتاب درجنوں مدارس کے نصاب کا حصہ ہے۔

البتہ زبان چونکہ قدیم وضع کی اور طباعت غیر منقح تھی، اور بہت سی باتیں وضاحت کی بھی مقتضی تھیں، اس لیے ہمارے کرم فرما جناب مولانا اشرف صاحب تاجپوری، استاذ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل نے اصل کتاب کو علی حالہ باقی رکھتے ہوئے اس کی فقرہ سازی، قواعد کے تمیز اور علاماتِ ترقیم کے ذریعہ اس کو منقح کردیا ہے، اور وضاحت کے لیے جابہ جا فن کی امہات الکتب کے حوالے سے قیمتی حواشی بھی تحریر کردیے ہیں، مولانا کو چونکہ فن نحو سے کافی لگاؤ اور فن کی اہم کتابیں نیز کتاب النحو کی تدریس کا طویل عملی تجربہ اور طلبہ کی

مشکلات کا بہ خوبی علم ہے، اس لیے انہوں نے نہایت کامیابی کے ساتھ اس اہم علمی خدمت کو سرانجام دیا ہے، مجھے کتاب کا مسودہ دیکھ کر اندازہ ہوا کہ مولانا نے اس کو اپڈیٹ کرنے میں کس قدر تحقیق اور جانفشانی سے کام لیا ہے، جہاں "کتاب النحو" داخل درس ہے وہاں کے ارباب انتظام سے گزارش ہے کہ وہ اس محقق نسخے کو اپنالیں، ویسے بھی یہ ہر شائقِ علم نحو کے لیے ایک قیمتی علمی تحفہ ہے۔

میں اس اہم علمی خدت کی انجام دہی پر دل کی گہرائیوں سے مولانا کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ پاک اس محقق نسخے کو بھی قبولیت کے بام عروج پر پہنچائیں اور مولانا کو مزید علمی و دینی خدمات کی توفیق ارزانی کریں، آمین۔

والسلام مع الاحترام

(حضرت مفتی) عبداللہ (صاحب) مظاہری ۲۷- ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

۞۞۞۞۞

عربی تعلیم کا بنیادی مقصد قرآن وحدیث کے مفہوم ومعانی کے صحیح ادراک کی صلاحیت پیدا کرنا ہے، اس مقصد کے حصول کے لیے عربی زبان کے قواعد (نحو وصرف) کلیدی حیثیت کے حامل ہیں، عربی مدارس کے طلبہ گوناگوں وجوہات کی بناء پر اس فن کے تعلق سے تہی دامن نہیں تو کم مایہ ضرور ہوتے ہیں، ان کمزوریوں کے اسباب وعوامل کو سامنے رکھ کر محترم مولانا محمد اشرف صاحب مدظلہ نے کتاب النحو پر جو کام کیا ہے وہ قابل تحسین ہے، جس سے انشاء اللہ ابتدائی طلبہ کو قواعد ومصطلحات کی باہمی تمیز کے ساتھ یاد کرنے اور استحضار میں بھی سہولت ہوگی، طلبۂ متوسطہ اور علیا کے لیے اس کے حواشی ممد ومعاون ثابت ہوں گے اور اساتذہ کے لیے بھی اس کے مطالعہ سے مزید توضیح وتحقیق کی راہیں فراہم ہوسکیں گی، اور تعلیم میں چلی آرہی کمزوریاں دور ہوں گی (انشاء اللہ)۔ اللہ تعالی موصوف کی اس سعی کو مفید تر اور مشکور ومقبول فرمائے۔ (آمین)

والسلام

(حضرت مولانا) محمد علی صاحب بجنوری، استاذ دارالعلوم، دیوبند ۲۷/ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

۞۞۞۞۞

تأثرات

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے آپ بخیر ہو، آپ کا اور مولانا مفتی محمد فاروق صاحب کا مشکور ہوں کہ آپ لوگوں نے کتاب النحو کا اصلاح کردہ مطبوعہ نسخہ بھیجا۔ مولانا مفتی محمد فاروق صاحب نے جامعہ رحمانی، مونگیر میں پڑھا ہوگا اور اسی نسبت سے آپ کو مشورہ دیا کہ "کتاب مجھے بھیجی جائے"۔

آپ نے محنت سے کتاب کی اصلاح کی ہے اور بے توجہ ناشرین کی غلطیوں کو دور کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے، میں نے متعلق ذمداروں سے کہہ دیا ہے کہ اپنی درسگاہوں میں اسی نسخہ کو عام کیا جائے تاکہ دوسرے ادارے والے بھی قبول کریں، اللہ پاک آپ کی مخلصانہ کاوش کو قبول فرمائے اور مزید کاوشوں کا موقع دے۔(آمین)

اگر النحو الواضح اور البلاغۃ الواضحہ کے طرز پر قرآن پاک، احادیث شریفہ اور آسان اشعار کے ذریعہ مثالوں کا اضافہ بطور مشق، کتاب میں بھی کردیا جائے تو افادیت بڑھ جائیگی۔

بحمداللہ بخیر ہوں اور برابر آپ حضرات کی عافیت کا خواہاں ہوں۔ والسلام

(سجّادہ نشیں حضرت مولانا) محمد ولی رحمانی (دامت برکاتہم)

۵؍محرم الحرام ۱۴۳۱ھ خانقاہ مونگیر، بہار

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة و السلام على رسوله محمد و اله أجمين، أمّا بعد.

حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب امرتسریؒ کی تالیف کردہ **کتاب النحو** کو تقریباً ۱۱۴؍سال کا عرصہ ہورہا ہے اپنے زمانۂ تالیف سے مدارس اسلامیہ میں برابر داخل درس چلی آرہی ہے، یہ اس کی مقبولیت کی واضح دلیل ہے۔ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء.

ہمارے دیار میں چونکہ عربی نحو سکھانے کا زیادہ تر مدار دو کتابوں: ہدایۃ النحو اور کافیہ پر ہے، الحمدللہ یہ دونوں بہت مقبول و مروج بھی ہیں، اس لیے ضروت تھی کہ اردو زبان میں کوئی ایسی کتاب ہو جو مسائل فن کے جامع ہونے کے ساتھ ساتھ مذکورہ کتابوں کے منوال پر ترتیب دی گئی ہو تاکہ اس کے پڑھنے کے بعد ہدایۃ النحو سے انسیت و مناسبت ہوجائے، چنانچہ اس ضرورت کو "کتاب النحو" نے بڑی حد تک پورا کردیا ہے، جس کی کئی جگہوں میں ان کا بعینہ اقتباس بھی پایا جاتا ہے، اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے آخر میں حروف کے بیان کا اضافہ ہے جو اردو رسائل میں نادر بلکہ نایاب ہے، یہ خصوصیتیں اس کتاب کے ماسوا میں نظر نہیں آتیں۔

مگر مذکورہ خصوصیتوں کے باوصف یہ کتاب اتنی ہی ستم خوردہ بھی ہے کہ اس کے طابعین و ناشرین کی طرف سے اس کی تنقیح وتوضیح کے حوالے سے بے اعتنائی کی بناپر اور نقل در نقل ہوتے رہنے سے اس میں بہت ساری غلطیاں درآئیں تھیں اور طالبینِ نحو کے لیے خصوصاً ابتدائی طلبا کے لیے ان کی تصحیح کرکے پڑھنا اور یاد کرنا دشوار ہوگیا تھا، طباعت بھی کچھ ایسی گڈمڈ اور غیر واضح تھی کہ: قواعد و مصطلحات کا باہمی امتیاز اور تشریحی عبارتوں کی تمیز بھی مشکل ہوگئی تھی۔

ادھر چند سالوں سے یہ کتاب راقم الحروف کے زیرِ تدریس ہونے کی وجہ سے اس کا احساس خود اس ہیچ مداں کو بھی تھا اور میرے کچھ دوستوں کو بھی، اس لیے توفیقِ ربِ العالمین کی برکت، میری ذاتی رائے، اپنے بڑوں اور دوستوں کی حوصلہ افزائی سے اپنی نااہلی کے اعتراف واستحضار کے باوجود اس کے قدیم نسخوں [۱] کا تقابل کر کے توکلاً علی اللہ اس ناگزیر کام کو شروع کیا گیا، جو ربِ علیم وخبیر ہی کی توفیق، نصرت اور بے پایاں مہربانیوں اور محسن اساتذہ کی دعاؤں سے پایۂ تکمیل کو پہنچا جسے آپ بہیئت موجودہ دیکھ رہے ہیں۔ فله الحمد على ذٰلك، و بنعمته تتم الصالحات، و ما توفيقي إلّا بالله.

کام کی نوعیت حسبِ ذیل ہے:

۱۔ کتاب کی اصل عبارت میں ترمیم کرنے سے حتی الامکان پرہیز کیا گیا ہے، کہیں جزوی ترمیم کی ضرورت پڑی بھی ہے تو وہاں بطورِ علامت کے اس فقرہ کے ابتدا میں " ت]...... " سے نشاندہی کر دی گئی ہے، مگر اس کی نوبت کم ہی پیش آئی ہے، البتہ حروف کے بیان میں بحیثیتِ فن چند جگہوں میں ایسی ترمیم ناگزیر ہوگئی ہے۔

۲۔ عبارت کی فقرہ بندی کر کے قواعد کے پہلے " **ق** " لکھ دیا گیا ہے، اضافہ کردہ عنوان کو ڈزائن والے دو قوس ﴿...﴾ کے درمیان رکھا گیا ہے، اور ضرورت کے پیشِ نظر کہیں مسئلۂ نحویہ کی تکمیل یا رفع تشنگی کے لیے بہت تحقیق و تدقیق کے بعد کچھ کلمات بڑھائے گئے ہیں جس کے نیچے خط کھینچ دیا گیا ہے تا کہ اصل کتاب سے امتیاز باقی رہے۔

۳۔ عبارت میں علاماتِ ترقیم کا اہتمام کیا گیا ہے تا کہ کہاں بات ختم ہوتی ہے اس کا پتہ چل سکے۔

۴۔ جہاں مصنفؒ نے کتاب الصرف کا حوالہ دیا تھا ان کو شامل کر لیا گیا ہے، نیز قدیم نسخوں کے دیباچوں کو بھی شامل کر لیا گیا ہے جس سے کتاب کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

۵۔ چند جگہوں میں عبارت اردو کے قدیم طرز کے مطابق تھی، مثلاً: " لٰكِنَّ: **واسطے استدراک کے یعنی دور کرنے وہم مضمونِ جملۂ سابق کے آتا ہے** " سہولت کے خاطر وہاں کلمات کی ترتیب کو ٹھیک کر دیا گیا ہے، مثلاً:

---

[۱] الحمد للہ جامعہ تعلیم الدین، ڈابھیل کے کتب خانہ میں چوتھے ایڈیشن کا اور اٹھارھویں ایڈیشن کا نسخہ دست یاب ہوا، اٹھارھوے ایڈیشن کا نسخہ موجودہ نسخوں کے مطابق ہے، صرف مأۃ عامل منظوم اس میں نہیں ہے، البتہ طبع چہارم کا نسخہ موجودہ نسخوں سے کچھ مختلف ہے، مثلاً: اُس میں جملہ اسمیہ کا بیان مختصر ہے، جملہ فعلیہ اور منصوبات کی ترتیب جداگانہ اور غیر منصرف کے اسلوب میں تھوڑا سا فرق ہے۔

دورانِ تلاش ہمیں بزبان اردو فنِ نحو وصرف میں ایک قدیم تصنیف ہاتھ لگی جو مسمّیٰ "**حسینیه**" ۲۵ ربیع الاول ۱۲۷۰ھ = ۱۸۵۳ء میں مطبع مصطفیٰ، کانپور سے شائع شدہ ہے، یہ کتاب بزبانِ اردو نحو وصرف دونوں کی جامع ہے، جس میں "**مأۃ عامل منظوم**" کے ساتھ دیگر اکتالیس عوامل کا نظم میں اضافہ کر کے تشریح کی گئی ہے اور فنِ صرف کی تصریفات، تعلیلات اور خاصیات ابواب کو بھی شامل ہے، مگر اس کی اردو بہت قدیم اور غیر مروج ہے اور کتاب النحو کے مقابلہ میں طویل ہے۔ نیز بزبان فارسی ایک ایسی کتاب ہاتھ لگی جس میں قواعد و مصطلحات نحویہ کے ساتھ ساتھ ہجائی ترتیب پر حروف کا بیان ہے، جو مسمّیٰ " **اصل الاصول فی ابواب النحو و الفصول** " ۱۲۸۰ھ = ۱۸۵۳ء میں مطبع نظامی، کانپور سے شائع شدہ ہے۔ یہ دونوں کتابیں مصنفؒ کے زمانہ کے پہلے کی ہیں، ممکن ہے مصنفؒ نے وقت کی ضروت کا لحاظ کرتے ہوئے ان دونوں کو پیشِ نظر رکھ کر کتاب الصرف اور کتاب النحو کو تصنیف کیا ہو۔ واللہ اعلم

"لکِنَّ: استدراک [یعنی: مضمونِ جملۂ سابق کے وہم کو دور کرنے] کے واسطے آتا ہے"۔

٦۔ متعدد جگہوں میں توضیح وتشریح کے لیے حواشی لکھ دیے گئے ہیں، چند مقامات میں قراءتِ حفص کے علاوہ قرآنی مثالیں مذکور تھیں ان قراءتوں کی بھی تخریج کردی گئی ہے، یہ حواشی ہدایۃ النحو اور کافیہ وغیرہ کے طلبا کے لیے ان شاء اللہ مفید اور کارآمد ہوں گے، اور شائقین کے لیے بھی رہنما اور علمی دلچسپی کا باعث ہوں گے۔

٧۔ حواشی کے حوالہ جات بقیدِ صفحات وجلد دیے گئے ہیں تاکہ مراجعت میں دشواری نہ ہو، البتہ ان حواشی کے درمیان کہیں کہیں ہلالی قوس کے درمیان عبارت ہے وہ ذکر کیے ہوئے حوالہ سے نہیں ہے۔

٨۔ کچھ فقروں کے شروع میں علامت: "×××" لگا گئی ہے، نیز کہیں درمیان فقروں میں بھی عبارتوں کو کھڑی قوس: "[...]" کے درمیان لے لیا گیا ہے یہ توضیح وتشریح کے لیے ہیں، ناچیز کی رائے ہے کہ ہر ایک طالب علم کو ان کے زبانی کرنے کا مکلّف نہ بنایا جائے۔

اَلإنْسَانُ مُرَکَّبٌ مِنَ الْخطأِ وَالنِّسْیَان اور ﴿فَلَا تُزَکُّوْا أَنْفُسَکُمْ﴾ کے بموجب میری اس سعی میں لغزشوں اور غلطیوں کا، نیز تعبیرات میں فروگذاشت کا ہونا ممکن ہی نہیں بلکہ یقینی ہے جس کا مجھے بخوبی اعتراف ہے، فإن کان صواباً فمن اللہ، وإن کان خطأً فمن تلقاءِ نفسي۔

امیدوارم: **بقدرِ وسع در اصلاح کوشند ۞ اگر اصلاح نتوانند بپوشند۔** (جزاکم اللہ)

تشکر و امتنان

میں اپنے خیر خواہوں اور محسنوں کا ممنون ہوں جنھوں نے تقاریظ رقم فرما کر کتاب کو زینت بخشی، نیز اپنے بڑوں اور ان تمام ساتھیوں کا تہِ دل سے شکر گذار ہوں جنھوں نے اس کام میں میری ہمت وحوصلہ افزائی کی، رہنمائی فرمائی، مفید مشوروں سے نوازا اور تکمیل وتبییض میں تعاون کیا؛ خصوصاً اساتذۂ جامعہ، ڈابھیل: ١- حضرت مولانا رشید احمد صاحب سلوڈی زید مجدہ، بالخصوص ٢- برادرم جناب مفتی ابوبکر صاحب پٹنی، - جن کی مسودہ پر بالاستعاب نظرِ ثانی، مشورے اور دیگر رہنمائیاں میرے لیے کارآمد ہوئیں - اور ٣- برادرم جناب مفتی محمود صاحب بارڈولی اور برادرم جناب قاری ناظر حسین صاحب ہتھوڑوی (استاذ فلاح دارین، ترکیسر) کا۔ بڑی ناسپاسی ہوگی اگر محترم ومکرم حضرت مفتی عبد اللہ صاحب مظاہری دامت برکاتہم کو فراموش کروں جن کے علمی ذوق اور تعلیمی و تنظیمی بصیرت سے جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ کے زمانۂ تدریس کے دوران مجھے استفادہ کا موقع ملا اور تجربہ حاصل ہوا، موصوف مکرم کا مزید احسان یہ بھی ہوا کہ اپنی کثیر مصروفیات کے باوجود مسودہ کو دلچسپی سے دیکھا اتنا ہی نہیں بلکہ ایک وقیع تقریظ بھی تحریر فرمائی۔ اللہ تعالی ان تمام حضرات کو اپنی شایانِ شان بدلہ عطا فرمائے، اور میری اس محنت کو محض اپنے لطف وعنایت سے قبول فرمائے۔ آمین یا رب العالمین. وما توفیقي إلا باللہ و له الحمد أولًا و آخرًا، و صلّی اللہ تعالی علی خیر خلقه محمد و علی اٰله واصحابه أجمعین.

محمد اشرف بن اکبر تاجپوری عفی عنہ، جمادالاولی ١٤٣٠ھ = مئی ٢٠٠٩ء

دیباچہ [طبع اول]

نحو جاننے کی ضرورت: عربی زبان ملک عرب میں ایک مدت دراز سے بولی جاتی تھی، لیکن ساتویں صدی مسیحی میں جب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تائیدِ غیبی سے خدائے ذوالجلال کی وحدانیت کا اعلان کیا اور اس کی اشاعت کا ذریعہ قرآن مجید قرار پایا تو عربوں کے علاوہ دیگر اقوام کو بھی اس کا سیکھنا ضروری ہو گیا۔ عربی چونکہ عربوں کی مادری زبان تھی اس لیے اکثر اشخاص اور خاص کر سمجھ دار آدمیوں کو فہم قرآن میں کوئی دقت نہ تھی، وہ اس زبان کو کسی قاعدہ و قانون سیکھے بغیر سمجھتے تھے اور لطف سخن کا مذاق حاصل کرتے تھے۔ مگر جب اسلام نے عرب کی سرزمین سے باہر قدم رکھا اور خصائص لسان کی اجنبیت غیر قوموں کے واسطے فہم قرآن میں سدِّ راہ ہوئی، بلکہ ان کے میل ملاپ سے بعض عام عربوں کی بول چال میں بھی کبھی کبھی لحن (اعرابی غلطی) واقع ہونا شروع ہوا تو علماء کو اس زبان کے قواعد جمع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، جو بعد میں صرف و نحو کے نام سے مشہور ہوئے۔

نحو کے ابتدائی قواعد: مؤرخین نے قواعد نحو کا جامع ابوالاسود دئلیؒ کو قرار دیا ہے، جن کو حضرت علی مرتضیٰؓ نے پہلی صدی ہجری میں چند قواعد بتلائے تھے۔ ان قواعد کی بنیاد قدرت کے موجودات اور ان کی حرکات پر قائم کی گئی ہے۔ چناں چہ مفردات کی نسبت آپ نے کہا: " اَلْكَلَامُ كُلُّهٗ ثَلَاثٌ: اِسْمٌ وَ فِعْلٌ وَ حَرْفٌ، فَالِاسْمُ: مَا أَنْبَأَ عَنِ الْمُسَمّٰى، وَ الْفِعْلُ: مَا أَنْبَأَ عَنْ حَرَكَةِ الْمُسَمّٰى، وَ الْحَرْفُ: مَا أَنْبَأَ عَنْ مَعْنًى لَيْسَ بِاسْمٍ وَلَا فِعْلٍ"۔ پھر مسمّیٰ اور اس کی حرکات سے جو کاروبار ظہور میں آتے ہیں ان کی شناخت کی طرف رہنمائی کی: كُلُّ فَاعِلٍ مَرْفُوْعٌ وَ كُلُّ مَفْعُوْلٍ مَنْصُوْبٌ وَ كُلُّ مُضَافٍ اِلَيْهِ مَجْرُوْرٌ۔

مؤرخین کا اعتماد تو اسی روایت پر ہے، مگر مغنی اللبیب کی ایک شرح " الشرح " جو حال ہی میں مصر سے چھپ کر آئی ہے؛ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قواعد نحویہ کے فراہم کرنے کی بنیاد حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ سے شروع ہو گئی تھی، اور اس کی اصلیت یوں بیان کی گئی ہے کہ لوگ ایک شخص کو حضرت عمر فاروقؓ کے پاس پکڑ کر لائے جو آیۂ کریمہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ رَسُوْلُهٗ﴾ میں رسول کے لام کو زیر (یعنی: وَ رَسُوْلِهٖ) پڑھتا تھا۔ جب اس سے وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا: " مجھے مدینہ کے ایک آدمی نے اسی طرح پڑھایا ہے"، اس پر ابوالاسود دئلیؒ کو بلا کر قواعد نحو کے جمع کرنے کا حکم دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ عربی زبان کی بول چال کچھ ایسے انداز کی واقع ہوئی ہے کہ کلمات کے آخر میں زبر کی جگہ پیش اور پیش کی جگہ زبر پڑھنے سے لفظ کے معنی اور سے اور ہو جاتے ہیں۔ عام لوگوں کا تو کیا ذکر ہے؟! ولید ابن عبدالملک جو عرب کی نسل سے پہلی صدی ہجری کے آخر میں ایک مشہور خلیفہ گذرا ہے اس کو اِعرابی غلطی

کے باعث بارہاندامت اٹھانی پڑی تھی۔

ایک اَعرابی کے ساتھ خلیفہ کی جو گفتگو عام مجمع میں ہوئی وہ پڑھنے کے لائق ہے، اَعرابی نے خلیفہ سے اپنے داماد کی شکایت کی۔

خلیفہ نے کہا: مَا شَانَكَ (تجھ میں کیا برائی ہے؟ کس چیز نے تجھ کو عیب دار بنایا؟)۔

اَعرابی نے کہا: أَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْنِ (میں برائی سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں)۔ یہ حال دیکھ کر ولید کے بھائی سلیمان نے (اَعرابی سے) کہا: خلیفہ صاحب کہتے ہیں: " مَا شَانُكَ "(تیرا کیا حال ہے؟)۔

اَعرابی نے کہا: ظَلَمَ عَلَيَّ خَتَنِيْ (میرے داماد نے مجھ پر زیادتی کی ہے)۔

ولید نے کہا: مَنْ خَتَنَكَ (تیری ختنہ کس نے کی؟)۔

اَعرابی نے کہا: کسی حجّام نے کی ہوگی۔ سلیمان نے پھر تصحیح کرکے کہا: مَنْ خَتَنُكَ (تیرا داماد کون ہے؟)۔

دیکھو!: ان جملوں میں پیش کی جگہ زبر پڑھنے سے مطلب کچھ کا کچھ ہوگیا۔ غرض ان خصوصیات کی بنا پر عجمیوں کو خاص کر؛ اور کم فہم عربوں کو عام طور پر قواعد نحو وصرف کا جاننا باعث بصیرت سمجھا گیا ہے۔

ان علوم کے ابتدائی قواعد تو اسی قدر تھے جو ابوالاسود دئلی سے منقول ہوئے، مگر دوسری صدی ہجری کے اندر اندر خلیل اور سیبویہ نے بصرہ میں، کسائی اور فرّ انے کوفہ میں عربی زبان کے محاورات کا تتبع کرکے قواعد زبان کو اس جامعیت ساتھ وسعت دی کہ صرف ونحو اور زبان دانی کے اندر بیسیوں کتابیں اِنھی دِنوں میں تصنیف ہوگئیں اور اِس وقت تو ان کی تعداد سینکڑوں سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔

عربی زبان کا مخزنِ علوم ہونا: اسلام کا ابتدائی زمانہ کچھ عربیت کی ترقی کے واسطے مختص نہ تھا؛ بلکہ عام طور پر عربی زبان علمی زندگی کے واسطے ابر رحمت کا ایک نمونہ تھا، خلفائے عبّاسیہ کی کوشش سے بغداد میں اور خلفائے بنی امیّہ کی سعی سے اندلس میں علوم حکمیہ اور فنون ادبیّہ نے وہ ترقی کی کہ یونان، مصر، فارس اور ہند تک کے دفینوں سے جو کچھ ان کے ہاتھ لگا ایک دفعہ سب کو عربی کا لباس پہنا دیا، اس کے سوا اپنے تجربہ اور مشاہدہ سے علوم میں اور ممالک بعیدہ کی سیر وسیاحت سے جغرافیہ وتاریخ میں معلوماتِ مفیدہ کا وہ اضافہ کیا کہ آج تک عربی زبان کے عالم اسلامی دنیا کے سوا فرانس، انگلینڈ اور جرمن میں بھی موجود ہیں، جو باوجود اختلاف مذہب اور اختلاف زبان کے عربی زبان اور اس کے علوم کو ایک خاص وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ پس یہ دوسرا رتبہ ہے جو عربی زبان کو روئے زمین کی نامور زبانوں کے مقابلہ میں حاصل ہے۔

عربی زبان کی وسعتِ الفاظ: عربی زبان کو مخزن علوم وفنون ہونے علاوہ ایک خصوصیت یہ حاصل ہے کہ اسمیں الفاظ کی وسعت بہت ہے۔ مختلف چیزوں کے نام، ان کے رنگوں، قسموں اور اوصافِ متعددہ کے

باعث سینکڑوں بلکہ ہزاروں تک پہنچ گئے ہیں۔ چنانچہ " شہر " کے واسطے اسّی نام ہیں، اور " اژدہے " کے دوسو، " شیر " کے پانچسو، " اونٹ وشراب " کے ہزار ہزار اور " تلوار " کے چار ہزار نام ہیں۔ اس وسعت لسانی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج علوم وفنون کے ترجمہ کے متعلق اردو میں جس قدر نئی اصطلاحات بہم پہنچائے جانے کی ضرورت پیش آتی ہے، عربی زبان کا دامن ان سب کے واسطے نہایت فراخ ہے۔ ریاضی، طبعی فلسفہ، قانون، طب، جغرافیہ اور تاریخ کے جس قدر الفاظ اردو میں مستعمل ہیں وہ سب عربی سے ماخوذ ہیں۔

ہندستانیوں کو عربی زبان جاننے کی ضرورت: اس وقت ہندستان میں عربی زبان کہیں بولی نہیں جاتی، نہ وہ خط وکتابت کا ذریعہ ہے، اور نہ حکام وقت کے دفاتر میں عام طور پر کچھ کام آسکتی ہے، مگر مسلمانوں کو اس زبان سے مذہبی لگاؤ ایسا لگا ہوا ہے کہ اس گئی گذری حالت میں بھی عربی کی سینکڑوں درسگاہیں انہوں نے اپنے ذاتی شوق سے جاری کر رکھی ہیں، ہزاروں عالم اس کے دقائق سمجھنے والے موجود ہیں، کوئی شہر ایسا کم ہوگا جس میں ہزار، بارہ سو شریف مسلمانوں کی بستی ہو اور وہاں کی خاکِ پاک سے ایک دو عالم ظہور پذیر نہ ہوئے ہوں۔

کتاب النحو لکھنے کی ضرورت: مسلمانوں کی مقدس کتاب کا عربی زبان میں ہونا، ہر قسم کے علوم وفنون کا اس میں پایا جانا اور اصطلاحات جدیدہ کی بہم رسانی میں اس سے مدد لینا، یہ سب ایسے امور ہیں جو مجھ کو عربی نحو لکھنے کا باعث ہوئے ہیں۔

عربی میں نحو کی مجمل اور مفصل کتابیں تو بیشمار موجود ہیں، لیکن اردوخوانوں کو ابتداءً ان کا پڑھنا دشوار ہے، اس واسطے اس کتاب میں یہ لحاظ رکھا گیا ہے کہ " ہدایۃ النحو " اور اس سے فروتر رسالوں کے اکثر مضامین، اور " کافیہ " و " صدیہ " کے خاص خاص مسئلے ایک مناسب ترتیب کے ساتھ اس میں آجائیں، اور طرز بیان ایسا سہل رکھا گیا ہے کہ ہر ایک اردوخواں اس کو پڑھ سکے۔ قواعد نحویہ کی مشق اور اعراب میں مہارت پیدا کرنے واسطے ایک سوالات کا سلسلۂ مشقی دیا ہے اور اس میں زیادہ قرآنِ مجید کی آیتیں لکھی گئی ہیں، کچھ فقرات کو بگاڑ کر لکھا گیا ہے تا کہ طلباء اپنے زورِ طبیعت سے ان کو درست کریں۔ غالبًا اس سے پہلے اس ترتیب اور سہولت اور جامعیت کی کوئی کتاب اردو میں نہیں لکھی گئی۔ خاتمۂ کتاب میں ایک ضمیمہ " محاوراتِ روزمرہ " کا سلسلہ وار درج ہے جو موجودہ عربی بول چال سیکھنے میں بہت کچھ راہ نمائی کا ذریعہ ہوگا۔

الراقم، خاکسار: عبدالرحمٰن ولدِ مولوی وحافظ عمرالدین صاحب، ہوشیارپوری۔

امرتسر، ہال بازار ۲۵ جنوری ۱۸۹۸ء مطابق (۱۳۱۶ھ)

دیباچہ [طبع چہارم]

خدا کا شکر ہے کہ اس کتاب کو وہ قبولیت عامہ حاصل ہوئی کہ تھوڑے عرصہ میں اس کی ہزاروں جلدیں طبع ہو کر شائقین کی قدر دانی سے ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئیں، سن ۱۸۹۸ء میں **انجمن حمایت الاسلام، لاہور** نے اس کو مفید سمجھ کر اپنے مدرسہ حمیدیہ میں داخل درس کیا، ہندوستان کے بعض دیگر مدارس اسلامیہ میں یہ کتاب مع اس کے پہلے حصے **"کتاب الصرف"** کے نصاب کا جزء قرار پائی۔ آنریبل (معزز) نواب عماد الملک بلگرامی (ڈائرکٹر مدارسِ حیدرآباد، دکن) اور شمس العلماء سید علی بلگرامی جیسے مشاہیرِ ہندوستان نے ان دونوں رسالوں کو درسی کتابوں کے واسطے منتخب فرمایا اور ٹکسٹ بک کمیٹی پنجاب نے ان کتابوں کا مڈل اور ہائی سکول کے کتب خانوں میں رکھنا منظور کیا۔

اس کتاب کے سابقہ اڈیشنوں میں جو ضمیمہ **" محاورات روزمرہ"** کا دیا گیا تھا اب مؤلف کا مستقل رسالہ **"عربی بول چال"** شائع ہونے سے وہ غیر ضروری متصور ہو کر اس کے عوض **"بحث حروف"** کو وسعت دی گئی، اور نحوی ترکیب کی مشق کے لیے چند جملوں کی ترکیب لکھی گئی۔ امید ہے کہ یہ چوتھا اڈیشن پہلے سے زیادہ مفید ہوگا۔

الراقم، خاکسار: عبد الرحمٰن۔

لاہور، کشمیری بازار۔ یکم اکتوبر ۱۹۰۳ء مطابق (۱۳۲۱ھ)

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

دیباچہ [طبع شانزدہم]

خدا کا شکر ہے کہ اس کتاب کو قبولیت عام حاصل ہوئی کہ تھوڑے عرصہ میں اس کی ہزاروں جلدیں طبع ہو کر شائقین کی قدر دانی سے ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئیں، سن: ۱۹۰۸ء مطابق (۱۳۲۶ھ) میں **انجمن حمایت اسلام، لاہور** نے اس کو مفید سمجھ کر اپنے مدرسہ حمیدیہ میں داخل کیا، ہندوستان کے بعض دیگر مدارس اسلامیہ میں یہ کتاب مع اس کے پہلے حصّے **"کتاب الصرف"** کے نصاب کا جزء قرار پائی۔ آنریبل نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی (سابق ڈائرکٹر مدارسِ حیدرآباد، دکن) اور شمس العلماء سید علی بلگرامی جیسے مشاہیرِ ہندوستان نے ان دونوں رسالوں کو درسی کتاب کے واسطے منتخب فرمایا، اور پنجاب یونیورسٹی نے ان کا انٹرنس (ابتدا) میں پڑھایا جانا داخل کورس منظور کیا ہے۔ اب یہ سولھواں اڈیشن ضروری تغیرات کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے۔

شیخ امام بخش گھڑی ساز۔

مینجر: ایجپیشن ایجنسی، انارکلی، لاہور۔

یکم اکتوبر ۱۹۳۰ء مطابق (۱۳۴۹ھ)

اَلنَّحْوُ: يَـعْصِمُ اللِّسانَ عَنِ الْـخَـطأِ فِي النُّطقِ وَ يَعْصِمُ الْقَلَمَ فِـي الْـكتَـابةِ وَ يُـعِيـنُ على فَهم التر كيبِ و مرادِه.

اَلنَّحْوُ: يُساعدُ الْمرْءَ علىٰ قِـرائةِ الـقـرآنِ الـكـريم ......، و يُعيـنُ عـلـى فَهـمِ أسـرارِ اللغة الـعـربيةِ ......، فـالأعرابُ فرعُ الـمـعـنـى، إذا فهـمـت الـمعنى فهـمـت الأعـراب و إذا فهمت الأعـراب فهـمـت المعنى. إذا نـظـرنـا إلـى قوله تعالىٰ " **إِنَّـمَا يَخْشَى اللّٰهَ مَنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ**" لم نستطيع فهم معنى الآية الكريمة إلَّا إذا فهـمـنـا المواقع الأعرابية لألـفاظها، فينصب لفظ الجلالة : " **اَلـلّٰــهَ** " لِـلْـمـفْـعولِيَّةِ و يرفع "**العلماءُ**" عـلى أنها فاعلٌ، مـن هنا نفهـم أن الخشيةَ وقعت من العلماءِ للّٰهِ تعالىٰ.

[تيسير النحو، بيروت]

مٹادے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل وگلزار ہوتا ہے

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام زمانہ کی امامت کا

قال ابو محمد عبد العزيز بن علي الحربي:

١ – كل علم غلّبت فيه جانب الحفظ على إعمال الذهن كان جانب الإمتاع الفكريّ فيه قليلا.

٢ – ما لم تفهمه اليوم ستفهمه غداً، فجاوز ما لاتستطيع فهمه إلى ما تستطيع فهمه. [الشرح الميسر]

اقسامِ اعراب تمام نحو کی جڑ ہے، اگر تم نے اس فصل کو سمجھ کر یاد کرلیا تو تم نحوی ہو جاؤگے، اس کی جانب خصوصیت سے توجہ کرنی چاہیے، یہ فصل علم نحو کی جان ہے۔

[اسعادالنحو شرح نحومیر]

معرب ومبنی، اقسام اعراب، عوامل اوراجزائے جملہ: مرفوعات، منصوبات، مجرورات خوب ذہن نشین کرلو، پھران کو مستحضر رکھتے ہوئے عربی عبارتوں میں کلمات کے اعراب اوروجہ اعراب پر غور و فکر کرنے کی عادت بناؤ، بوقت ضرورت اپنے استاذ یا ذی استعداد طالب علم سے مراجعت کرتے رہو، انشاء اللہ یقین ہے کہ نحو کی غرض وغایت حاصل ہوجائے گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سبق ۔ ۱

علم نحو کی تعریف: نحو وہ علم ہے جس سے اسم، فعل اور حرف کو باہم ترکیب دینے اور ان کے آخر کے حالات جاننے کی کیفیت معلوم ہو، **موضوع**: اس کا کلمہ اور کلام ہے

فائدہ (غرض وغایت): اس علم کا یہ ہے کہ انسان روزمرہ کی بول چال اور تحریری عبارات میں ہر ایک قسم کی خطائے ترکیبی سے محفوظ رہے۔

لفظ کی تعریف وتقسیم:

جو بول انسان کے منہ سے نکلے اس کو لفظ کہتے ہیں، پھر لفظ بامعنیٰ [۱] کی دو قسمیں ہیں: مفرد، مرکب۔

۱۔ **مفرد**: وہ اکیلا لفظ ہے جو اپنا معنی دے [۲]۔ اس کو کلمہ کہتے ہیں، اس کی تین قسمیں ہیں: اسم، فعل، حرف۔

۱......**اسم**: وہ کلمہ ہے جو تنہا اپنے معنی بتائے اور ماضی، مستقبل اور حال میں سے کوئی زمانہ اس میں نہ پایا جائے، جیسے: رَجُلٌ (مرد)، فَرَسٌ (گھوڑا)۔ [کتاب الصرف]

۲......**فعل**: وہ کلمہ ہے جو تنہا اپنے معنی بتائے، اور اس میں کوئی زمانہ بھی پایا جائے، جیسے: ضَرَبَ (اس نے مارا)، یَضْرِبُ (وہ مارتا ہے یا مارے گا)۔ [کتاب الصرف]

۳......**حرف**: وہ کلمہ ہے جس کے معنی دوسرے کلمہ کے ملائے بغیر نہ سمجھے جائیں،

---

[۱] لفظ کی دو قسمیں ہیں: موضوع (بامعنی) اور مہمل۔ **موضوع**: یعنی جس لفظ کا کوئی معنیٰ ومفہوم ہوں، جیسے: قلمٌ۔ **مہمل**: بے معنیٰ کو کہتے ہیں، جیسے قلم کے ساتھ "ولم" بول دینا، زید کا الٹا "دیز" کہہ دینا۔

[۲] یعنی ایک معنی پر دلالت کرے۔ ایک معنی کا مطلب یہ ہے کہ لفظ کے اجزاء معنی کے اجزاء پر دلالت نہ کریں، (لفظ کے ٹکڑے کرنے سے وہ معنی سمجھ میں نہ آئیں جو پہلے سمجھ میں آتے تھے۔ ہادیہ شرحِ کافیہ)، مثلاً: لفظِ "زَیدٌ" سے مراد "ذات زید" ہے، جو مختلف اعضاء پر مشتمل ہے؛ اس لفظِ "زَیْدٌ" کے تین اجزاء ہیں: "ز، ی، د"، ان میں سے "ز" جسمِ زید کے ایک جزء مثلاً "سر" پر دلالت نہیں کرتا، اسی طرح "ی" "پیٹ یا پیٹھ" پر، اور "د" "ہاتھ یا پاؤں" پر دلالت نہیں کرتا ہے۔ اسی طرح "ضَرَبَ" (اس نے مارا)، اس میں "ض" معنیٔ مصدری پر، "ر" زمانہ پر، اور "ب" فاعل پر دلالت نہیں کرتا ہے۔

جیسے: مِنْ (سے)، إِلٰی (تک)، عَلٰی (اوپر)۔[۱] [کتاب الصرف]

۲۔ **مرکب:** وہ لفظ ہے جو دو یا زیادہ کلموں سے مل کر بنے، اس کی دو قسمیں ہیں: مفید اور غیر مفید۔

۱......**مرکب مفید:** وہ ہے کہ جب متکلم بات کہہ کر چُپ ہو جائے تو سننے والے کو کسی واقعہ کی خبر یا کسی چیز کی طلب معلوم ہو، اس کو جملہ اور کلام[۲] بھی کہتے ہیں، جیسے: جَاءَ زَيْدٌ (زید آیا)، جِئْ بِالْمَاءِ (پانی لاؤ)، [پہلے جملہ سے سامع کو زید کے آنے کی اطلاع، اور دوسرے جملہ سے متکلم کے پانی مانگنے کی خواہش معلوم ہوتی ہے]۔[۳]

۲......**مرکب غیر مفید:** وہ ہے جس سے سننے والے کو خبر یا طلب کا فائدہ حاصل نہ ہو، بلکہ کسی اور چیز کے سننے کا انتظار باقی رہے، اس کو مرکب ناقص بھی کہتے ہیں، جیسے: غُلَامُ زَيْدٍ (زید کا غلام)، كِتَابٌ جَدِيْدٌ (نئی کتاب)۔

سبق۔ ۳،۲

کلام کی تعریف وتقسیم:

---

[۱] حرف کی تعریف میں معنی سے معنیٔ خاص مراد ہے، جس کا سمجھنا دوسرے کلمہ کے ملانے پر موقوف ہوتا ہے، مثلاً: "مِنْ" کے معنی "سے" ہیں، یہ ابتدائے خاص پر دلالت کرتا ہے، **ابتدائے خاص:** ایک حالت ہے، کام کہاں سے شروع ہوگا اس کو بتلاتی ہے، اس "مِـنْ" کے معنی (جو ابتدائے خاص پر دال ہے) اس وقت سمجھ میں آئے گا جبکہ "مِـنْ" کے ساتھ کوئی ایسے کلمہ: جس سے ابتدا کرنا مقصود ہو مثلاً: کوفہ، بصرہ وغیرہ کو ملایا جائے۔ اور ایک **ابتدائے مطلق** ہے جو مصدری معنی ہے، جس پر "مِنْ" دلالت نہیں کرتا ہے، بلکہ الابتداءُ مصدر دلالت کرتا ہے، اس کا سمجھنا دوسرے کلمہ کے ملانے پر موقوف نہیں ہے۔ [شرح جامی، التسہیل السامی] [۲] کلام اور جملہ میں بعض نحات نے فرق بیان کیا ہے۔ **کلام:** اس قول کو کہتے ہیں جو مسند اور مسند الیہ پر مشتمل ہو اور متکلم کو ان دونوں کی اسناد مقصود بالذات ہو، (لہٰذا اس پر متکلم کے سکوت کر لینے سے مخاطب کو مزید بات سننے کا انتظار نہ رہے گا)، جیسے: قَامَ زَيْدٌ (زید کھڑا ہوا)، زَيْدٌ عَالِمٌ (زید عالم ہے)۔ **جملہ:** اس قول کو کہتے ہیں جو مسند اور مسند الیہ پر مشتمل ہو مگر ان کی اسناد مقصود نہیں ہوتی بلکہ مقصود بالذات کے لیے مفید ہوتی ہے، جیسے: إِنْ جَاءَ زَيْدٌ فَأَكْرَمْتُهُ میں فقط شرط "إِنْ جَاءَ زَيْد" اور فقط جزاء "أَكْرَمْتُهُ" اور الَّذِيْنَ آمَنُوْا میں فقط صلہ "آمَنُوْا" ان تینوں کو جملہ کہا جائے گا، کیوں کہ ان کی اسناد مقصود نہیں ہے، ہاں شرط و جزاء دونوں جملے مل کر مقصود حاصل ہوتا ہے یہ کلام کیا جائے گا، اور "صلہ" بھی جملہ کیا جائے گا، کیوں کہ اسمِ موصول سے مل بھی مقصود حاصل نہیں ہوتا ہے۔ [شرح جامی، مغنی: ۳۷۴ج ۲]

[۳] پہلے کو جملہ خبریہ کہتے ہیں، اور دوسرے کو جملہ انشائیہ کہتے ہیں۔ [سبق: ۶۱ میں آئے گا]

کلام: ان دو مرکب کلموں کو کہتے ہیں جن میں اسناد یعنی فائدہ بخش نسبت پائی جائے۔

﴿**فائدہ**﴾: جس کلمہ کی طرف نسبت کریں اس کو **مسند الیہ** اور جس کی نسبت کریں اس کو **مسند** کہتے ہیں، یہ کلمے یا تو دونوں اسم ہوں گے، یا ایک اسم اور ایک فعل ہوگا۔

××× **دیکھو:** زَیْدٌ کَاتِبٌ (زید نویسندہ ہے) ایک کلام ہے، اس کے دونوں جزء اسم ہیں: پہلا مسند الیہ، اور دوسرا مسند ہے، اس کو جملہ اسمیہ کہتے ہیں[۱]۔ ایسا ہی قَامَ زَیْدٌ (زید کھڑا ہوا) یہ بھی کلام ہے، اس کا پہلا جزء فعل اور دوسرا اسم ہے، فعل "مسند" اور اسم "مسند الیہ" کہلاتا ہے، اس کو جملہ فعلیہ کہتے ہیں۔[۱]

ق: [یاد رکھنا چاہیے کہ] مسند الیہ ہمیشہ اسم ہوتا ہے، اور مسند کبھی اسم، کبھی فعل، اور حرف میں نہ مسند ہونے کی صلاحیت ہے اور نہ مسند الیہ ہونے کی۔

مرکب غیر مفید کی تقسیم:

مرکب غیر مفید یا ناقص کی کئی قسمیں ہیں۔[۲]

مرکب اضافی: جس میں پہلا اسم "مضاف" اور دوسرا "مضاف الیہ" ہو، جیسے: غُلَامُ زَیْدٍ (زید کا غلام)۔

مرکب توصیفی: جس میں پہلا اسم "موصوف" اور دوسرا "صفت" ہو، جیسے: رَجُلٌ فَاضِلٌ (فضیلت والا مرد)۔ [اس کے سوا کئی قسمیں مرکب غیر مفید کی ہیں، [۲] جن کا بیان آگے مذکور ہوگا]۔

کلمات ثلثہ کے خواص (علامتیں):

کوئی جملہ دو لفظوں سے کم نہیں ہوتا خواہ لفظاً ہو، جیسے: اوپر کی مثالوں میں مذکور

[۱،۱] جملہ اسمیہ، جملہ فعلیہ نام رکھنا تسمیۃ الکل باسم الجزء کے قبیل سے ہے، یعنی: ایک جزء کی رعایت کرتے ہوئے کل کو بھی اسی جزء کے نام سے پکارنا۔ [۲،۲] مثلاً: اضافی، توصیفی جو یہاں مذکور ہیں، اشاری، موصولی جو سبق: ۳۸ر میں اور بنائی، منع صرف، صوتی جو سبق: ۱۴ر میں آئے گی۔

ہوا، یا تقدیراً، جیسے: اِضْرِبْ، کہ "أَنْتَ" اس میں دوسرا کلمہ مستتر ہے، اور اس سے زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ پس جب جملہ میں دو سے زیادہ کلمات ہوں تو اسم، فعل اور حرف کو ایک دوسرے سے تمیز کرنا، ان کی حالتوں[۱] اور باہمی تعلقات[۲] کا جاننا ضروری ہے، تاکہ "مسند" اور "مسندالیہ" ہونے کی شناخت ہوسکے اور جملہ کا معنی صحیح ہو۔

حروفِ جارہ سترہ ہیں: با و تا و کاف و لام و واو و مُنْذُ، مُذْ، خَلَا ☆ رُبَّ، حَاشَا، مِنْ، عَدَا، فِيْ، عَنْ، عَلٰی، حَتّٰی، اِلٰی

اسم کے خواص: [۳]

۱۔ "ال" اس کے شروع میں ہو، جیسے: اَلرَّجُلُ (مرد)۔

۲۔ یا حرف جار اس کے شروع میں ہو، جیسے: فِيْ الْمَسْجِدِ (مسجد میں)۔

۳۔ یا تنوین اس کے آخر میں ہو، جیسے: زَيْدٌ۔

۴۔ یا مضاف ہو، جیسے: غُلَامُ زَيْدٍ (زید کا غلام)۔

۵۔ یا مسندالیہ ہو، جیسے: زَيْدٌ قَائِمٌ (زید کھڑا ہے)۔

۶۔ یا موصوف ہو، جیسے: رَجُلٌ عَاقِلٌ (عقلمند مرد)۔

۷۔ یا تثنیہ ہو،[۴] جیسے: رَجُلَانِ (دو مرد)۔

۸۔ یا جمع ہو، جیسے: رِجَالٌ (بہت سے مرد)۔

۹۔ یا منسوب ہو، جیسے: بَغْدَادِيٌّ، (بغداد کا باشندہ)، مَكِّيَّةٌ (مکہ کی باشندہ)۔[۵]

۱۰۔ یا مصغّر ہو، جیسے: قُرَيْشٌ (بڑی مچھلی)، كُتَيْبٌ (کتابچہ)۔[۵]

۱۱۔ یا تائے تانیث متحرک آخر میں آئے، جیسے: مُسْلِمَةٌ (مسلمان عورت)۔

فعل کے خواص:

۱۔ "قَدْ" اس کے شروع میں ہو، جیسے: قَدْ ضَرَبَ (اس نے مارا ہے)۔

۲۔ یا "س" اس کے شروع میں ہو، جیسے: سَيَكْتُبُ (ابھی لکھے گا)۔

---

[۱] یعنی مرفوع، منصوب، مجرور اور مجزوم ہونا۔ [۲] یعنی مبتدا-خبر، فعل-فاعل-مفاعل خمسہ، توابع، اسم اشارہ-مشارالیہ، موصول-صلہ وغیرہ [۳] اسم کی تقریباً تیس علامتیں ہیں۔ [الاشباہ والنظائر للسیوطی: ۹ ج ۲]

[۴] فَعَلَا، فَعَلُوْا، يَفْعَلَانِ، يَفْعَلُوْنَ: میں فعل تثنیہ وجمع نہیں ہے بلکہ ان کا فاعل تثنیہ وجمع ہے جو ضمائر ہیں، اور ضمائر تمام کی تمام اسماء میں شمار ہوتی ہیں۔ [۵] نسبت اور تصغیر کے قواعد کتاب الصرف میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

۳۔ یا "سَوْفَ" اس کے شروع میں ہو، جیسے: سَوْفَ یَکْتُبُ (تھوڑی دیر میں لکھے گا)۔

۴۔ یا اس کے آخر میں جزم ہو، جیسے: لَمْ یَضْرِبْ (اس نے نہیں مارا)۔

۵۔ یا مسند ہو، جیسے: قَامَ زَیْدٌ (زید کھڑا ہوا)۔

۶۔ یا ضمیر بارز مرفوع متصل اس سے ملی ہو، جیسے: ضَرَبْتُ۔

۷۔ یا "ت" تانیث ساکن لاحق ہو، جیسے: ضَرَبَتْ۔

حرف کا خاصہ: یہ ہے کہ اسم یا فعل کی کوئی علامت اس میں نہ ہو۔

﴿**فائدہ**﴾: حروف دو اسموں میں یا ایک اسم اور فعل میں ربط کا کام دیتے ہیں،[۱] جیسے: زَیْدٌ فِيْ الدَّارِ (زید گھر میں ہے)، کَتَبْتُ بِالْقَلَمِ (میں نے قلم سے لکھا)۔[۲]

سوالات

۱۔ سوالات کا جواب دیجیے۔

[۱] نحو کے جاننے سے کیا مراد ہے؟۔

[۲] ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ کے ساتھ ترکیب دینے سے جملہ کب بنتا ہے؟۔

[۳] جملہ اسمیہ اور فعلیہ میں کیا فرق ہے؟۔

[۴] "غُلاَمٌ عَاقِلٌ" اور "غُلاَمُ عَاقِلٍ" میں تمہارے نزدیک کچھ فرق ہے یا نہیں؟۔

[۵] اسم اور فعل کی خاصیتوں کا فرق مقابلے کے طور پر بیان کرو؟۔

[۶] حرف کیا کام دیتا ہے؟۔

۲۔ ذیل کے جملوں کو پڑھو، اور ان کے معنی پر غور کر کے کلماتِ ثلثہ کی علامتوں سے شناخت کرو۔ اَلإِنْصَافُ رَاحَةٌ. هِنْدٌ قَائِمَةٌ. ﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾. ﴿سَيَصْلٰى نَاراً﴾. اِنْصَرَفَ عَنْهُ أَصْحَابُهُ. ﴿لِلّٰهِ مَا فِيْ السَمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾.

---

[۱] اسی طرح دو فعلوں میں بھی ربط کا کام دیتے ہیں، جیسے: أُرِیْدُ أَنْ تَضْرِبَ، اور دو جملوں میں بھی ربط کا کام دیتے ہیں، جیسے: إِنْ جَاءَ زَیْدٌ أَکْرَمْتُهُ۔ [ہدایۃ النحو]

[۲] "زَیْدٌ" اور "دَارٌ" الگ الگ کلمے تھے، "فِيْ" نے دونوں میں ربط وتعلق پیدا کر دیا، اور زید کا گھر میں ہونا معلوم ہوا، اسی طرح کَتَبْتُ بِالْقَلَمِ میں "ب" نے ربط وتعلق پیدا کر دیا، اور قلم کا لکھنے کے لیے ذریعہ ہونا معلوم ہوا۔

سبق ۔ ٤

مُعرب ومبنی کا بیان:

آخر کی تبدیلی کے لحاظ سے کلمات کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ مُعرب: وہ کلمہ ہے جو عامل کے ساتھ آئے اور ماضی، امر حاضر یا حرف سے مشابہ نہ ہو، اس کے آخر میں ہمیشہ تغیر ہوتا رہتا ہے، [کسی حالت میں ضمہ، کسی حالت میں فتحہ اور کسی حالت میں کسرہ آتا رہتا ہے]، **جیسے**: جَاءَ زَيْدٌ، رَأَيْتُ زَيْداً، ذَهَبْتُ إِلٰى زَيْدٍ، [اِن مثالوں میں " زَيْد " مُعرب ہے، جس کے آخر میں تین حالتوں میں تین مختلف حرکتیں پیدا ہوئیں]۔

۲۔ مبنی: وہ کلمہ ہے جو عامل کے ساتھ نہ ہو یا ماضی، امر حاضر یا حرف سے مشابہ ہو، اور اس کے آخر میں تغیر نہیں ہوتا، [یعنی کسی حالت میں بجائے ضمہ کے فتحہ، یا بجائے فتحہ کے کسرہ نہیں آتا]، **جیسے**: جَاءَ هٰؤُلَاءِ، رَأَيْتُ هٰؤُلَاءِ، ذَهَبْتُ إِلٰى هٰؤُلَاءِ، [اِن مثالوں میں " هٰؤُلَاءِ " مبنی ہے، جس کا آخر تمام حالتوں میں یکساں ہے]۔

××× **شعر**: مبنی آں باشد کہ ماند برقرار ۞ مُعرب آں باشد کہ گردد بار بار

تنبیہ: اسماء بیشتر مُعرب اور تھوڑے مبنی ہیں۔ فعلوں میں صرف مضارع مُعرب ہے[۱]، ماضی اور امر حاضر مبنی ہیں۔ اور حروف سب مبنی ہیں۔

اِعراب کا بیان:

اِعراب: وہ شیٔ ہے جس سے مُعرب کا آخر مختلف ہو، جس چیز کی وجہ سے یہ اختلاف پیدا ہوا اس کو "**عامل**"[۲] کہتے ہیں۔

[۱] البتہ جمع مؤنث غائب ومخاطب اور نونِ تاکید کی گردان میں ضمیر مستتر کے ۵/صیغے مبنی ہیں۔ [شرح ابن عقیل]

[۲] س: "اعراب" اور "عامل" کی تعریف بظاہر ایک جیسی معلوم ہوتی ہے، حالاں کہ تعریفات کا الگ الگ ہونا ضروری ہے تاکہ ان کی تمیز اور پہچان ہو سکے۔ ج: اعراب کی تعریف میں " **وہ شیٔ** " سے مراد " حرکات اور حروف علت " ہیں جو اختلافِ معرب کے لیے سبب قریب ہے۔ اور عامل کی تعریف میں " **جس چیز** " سے مراد یا تو مخصوص کلمات ہیں، مثلاً: افعال، اسمائے عاملہ اور حروفِ جارہ، حروفِ مشبہ بالفعل وغیرہ جو شرح مأۃ عامل میں مذکور ہیں، یہ سبب بعید ہے، یا پھر معنیٔ مقتضی للاعراب یعنی معنیٔ فاعلیت، معنیٔ مفعولیت اور معنیٔ اضافت ہیں جو مأۃ عامل کے کلمات سے حاصل ہوتے ہیں، یہ سبب متوسط ہے۔ [درایۃ النحو]

﴿**فائدہ**﴾: اسم کے تین اِعراب ہیں: رفع ،نصب، جر[۱]۔جس اسم پر رفع ہو اس کو **مرفوع**، جس پر نصب ہواس کو **منصوب** اور جس پر جر ہواس کو **مجرور** کہتے ہیں

××× امثلۂ ذیل میں اسم کے عامل اوراعراب پر غور کرو۔

حالت	عامل و اعراب	اسم
حالت رفعی: جَاءَ زَيْدٌ	اس میں "جَاءَ" عامل ہے، "زید" کااعراب "رفع" ہے	زَيْدٌ: مرفوع کہاجائے گا
حالت نصبی: رَأَيْتُ رَجُلاً	اس میں "رَأَيْتُ" عامل ہے، "رجل" کااعراب "نصب" ہے	رَجُلاً: منصوب کہاجائے گا
حالت جری: ذَهَبْتُ إِلٰى زَيْدٍ	اس میں "إِلٰى" عامل ہے، "زید" کااعراب "جر" ہے	زَيْدٍ: مجرور کہاجائے گا
حالت رفعی: نَصَرَأَخُوْكَ	اس میں "نصر" عامل ہے، "أخ" کااعراب "واو" ہے	أَخُوْكَ: مرفوع کہاجائے گا
حالت جری: اِذْهَبُوْاإِلٰى أَبِيْكُمْ	اس میں "إِلٰى" عامل ہے، "أب" کااعراب "یاء" ہے	أَبِيْكُم: مجرور کہاجائے گا
حالت نصبی: رأيتُ أخاكِ	اس میں "رأيتُ" عامل ہے، "أخاكِ" کااعراب "الف" ہے	أخاكِ: منصوب کہاجائے گا

سبق ۔ ۵، ۶

اعراب کی قسمیں:

اسم مُعرب کا اعراب کبھی بالحرکت ہوتا ہے یعنی **زبر**، **زیر**، **پیش** سے، کبھی بالحرف یعنی **الف**، **واو**، **یاء** سے۔[۲]

﴿**فائدہ**﴾: اسم مُعرب کی باعتبارِ اعراب سولہ قسمیں ہیں[۳]، اوراُن کے اعراب کی نو (۹) قسمیں ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

---

[۱]معرب ومبنی کی آخری حالت ظاہر کرنے کا طریق عام طور پر ایک ہے: یعنی یوں کہا جاتا ہے: یہ حالت نصبی میں ہے، یا حالت رفعی میں ہے، یا حالت جری میں ہے، مگر القابِ حرکات میں فرق ہے۔نفس حرکات یعنی زبر، زیر، پیش کو "ضمة، فتحة، كسرة " کہا جاتا ہے خواہ معرب میں آئیں یا مبنی میں، اول، وسط میں آئیں یا آخر میں۔ اگر یہی حرکات باقتضائے عامل معرب کے آخر میں آئیں تو "رفع، نصب، جر" کہا جاتا ہے، اسی کو اعراب کہتے ہیں۔ اوراگر مبنی کے آخر میں آئیں تو" ضم، فتح، كسر " کہا جاتا ہے خواہ باقتضائے عامل ہو، جیسے: يَا زَيْدُ، لا رَيْبَ فِيْهِ، یا باعتبار اصل وضع کے ہو، جیسے: مُنْذُ ، أَمْسِ۔[درایۃ النحو، جامع الدروس مفهوماً]

[۲]یہ تقسیم باعتبار ذات کے ہے اور اسمائے معرب پر جاری یا ظہورنے کے اعتبار سے اعراب کی ۹ رقسمیں ہیں۔ مذکورہ سبق کو بغور پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ حالت رفعی، نصبی اور جری مختلف اعراب سے ظاہر ہوتی ہے، ان مختلف اعراب کو ان کی علامتیں بھی کہا جاتا ہے، چناں چہ رفع کی تین علامتیں ہیں: ضمّہ، واو، اور الف۔نصب کی چار ہیں: فتحہ، کسرہ، الف، اور یاء۔اور جر کی تین: کسرہ، فتحہ اور یاء۔

[۳]اور اسمائے مبنیہ (غیر ممتمکنہ) کی آٹھ قسمیں ہیں: مضمرات، اسمائے اشارہ، اسمائے موصولہ، اسمائے افعال، اصوات، مرکبات بنائیہ، اسمائے کنایات، اسمائے ظروف۔(ان کی تفصیل سبق: ۳۷ رمیں آئے گی)

(۱،۲،۳) ۱......اسم مفرد[۱] منصرف صحیح[۲]، جیسے: زَيْدٌ، جاری مجرائے صحیح[۳]، جیسے: دَلْــوٌ، ظَبْــيٌ اور جمع مکسر منصرف، جیسے: رِجَـــالٌ؛ ان کا رفع "پیش" سے، نصب "زبر" سے، اور جر "زیر" سے آتا ہے، جیسے:

اسم مفرد صحیح : هٰذَا زَيْدٌ، رَأَيْتُ زَيْداً، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ۔

جاری مجرٰی صحیح : هٰذَا دَلْوٌ، رَأَيْتُ دَلْواً، مَرَرْتُ بِدَلْوٍ۔

// // // : هٰذَا ظَبْيٌ، رَأَيْتُ ظَبْياً، مَرَرْتُ بِظَبْيٍ۔

جمع مکسر منصرف : هٰذِهِ رِجَالٌ، رَأَيْتُ رِجَالًا، مَرَرْتُ بِرِجَالٍ۔

(۴،۵،۶) ۲......تثنیہ، جیسے: رَجُلَانِ، مشابہ تثنیہ لفظاً، جیسے: اِثْنَانِ اور مشابہ تثنیہ معنًی، جیسے: كِلَا، كِـلْتَا؛ اِن کا رفع "الف" سے، نصب اور جر "یاء ماقبل مفتوح" سے آتا ہے، جیسے

: جَاءَ رَجُلَانِ، رَأَيْتُ رَجُلَيْنِ، مَرَرْتُ بِرَجُلَيْنِ۔

مشابہ تثنیہ لفظاً : جَاءَ اثْنَانِ، رَأَيْتُ اثْنَيْنِ، مَرَرْتُ بِاثْنَيْنِ ۔

مشابہ تثنیہ معناً : جَاءَ كِلَاهُمَا، رَأَيْتُ كِلَيْهِمَا، مَرَرْتُ بِكِلَيْهِمَا۔

تنبیہ: واضح ہو کہ اس اعراب میں "كِلَا، كِـلْتَا" ہمیشہ ضمیر کی طرف مضاف ہو کر مستعمل ہوتے ہیں۔[۴]

(۷،۸،۹) ۳......جمع مذکر سالم، جیسے: مُسْلِمُوْنَ، مشابہ جمع لفظاً، جیسے: عِشْرُوْنَ

---

[۱] فنِ نحو میں "مفرد" کا اطلاق مختلف مقامات پر مختلف چیزوں کے مقابلہ میں ہوتا ہے، مثلاً: ۱۔ تثنیہ و جمع کے مقابلہ میں، جیسا کہ یہاں اعراب کے بیان میں ہے۔ ۲۔ مضاف اور مشابہ مضاف کے مقابلہ میں، یہ لائے نفی جنس اور منادی میں ہوتا ہے۔ ۳۔ جملہ کے مقابلہ میں، یہ خبر میں، صفت میں، حال میں اور تمیز میں ہوتا ہے۔ ۴۔ مرکب کے مقابلہ میں۔

[۲] نحویوں کی اصطلاح میں صحیح اس کو کہتے ہیں جس کے آخر میں حرف علت نہ ہو، جیسے: زَيْدٌ، فَرَسٌ، كِتَابٌ، قَوْلٌ، يَوْمٌ وغیرہ۔[مؤلف]

[۳] جاری مجرائے صحیح وہ ہے جس کے آخر میں "واو" یا "یاء" ہو، اور ان کا ماقبل ساکن ہو، جیسے: دَلْوٌ (ڈول)، ظَبْيٌ (ہرن)، لَهْوٌ (کھیل، کود)، وَحْيٌ (کلام الٰہی) وغیرہ۔[مؤلف]

[۴] اگر "كِلَا" اسم ظاہر کی طرف مضاف ہو تو اسم مقصور کے مانند تینوں حالت میں تقدیراً اعراب ہوگا، جیسے: ﴿كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ﴾

اورمشابہ جمع معناً، جیسے: أُولُـــوْ؛ اِن کا رفع "**واو ماقبل مضموم**" سے،نصب اور جر "**یاء ماقبل مکسور**" سے آتا ہے، جیسے: جَاءَ مُسْلِمُوْنَ، رَأَیْتُ مُسْلِمِیْنَ، مَرَرْتُ بِمُسْلِمِیْنَ۔

مشابہ جمع لفظاً : جَاءَ عِشْرُوْنَ، رَأَیْتُ عِشْرِیْنَ، مَرَرْتُ بِعِشْرِیْنَ۔

مشابہ جمع معناً : جَاءَ أُولُوْا مَالٍ، رَأَیْتُ أُولِيْ مَالٍ، مَرَرْتُ بِأُولِيْ مَالٍ۔

(۱۰) ۴......**جمع مؤنث سالم**، **جیسے**: مُسْلِمَاتٌ؛ **اس کا رفع "پیش"** سے، **نصب اور جر "زیر"** سے آتا ہے، **جیسے**:

جَاءَ نِيْ مُسْلِمَاتٌ، رَأَیْتُ مُسْلِمَاتٍ، مَرَرْتُ بِمُسْلِمَاتٍ۔

(۱۱) ۵......**اسمائے ستہ مکبرہ یعنی**: أَبٌ (**باپ**)، أَخٌ (**بھائی**)، حَمٌ (**دیور**)، هَنٌ (**شرمگاہ**)، فَـــمٌ[۱] (**منھ**)، ذُوْ (**والا**)، جب "**یائے**" **متکلم** کے علاوہ کسی اور کلمہ کی طرف **مضاف** ہوں تو اُن کا رفع "**واو ما قبل مضموم**" سے، نصب "**الف**" سے اور جر "**یاء ما قبل مکسور**" سے آتا ہے، **جیسے**: هٰذَا أَبُوْكَ، رَأَیْتُ أَبَاكَ، مَرَرْتُ بِأَبِیْكَ۔

هٰذَا فُوْكَ، رَأَیْتُ فَاكَ، وَضَعْتُ فِيْ فِیْكَ۔

هٰذَاذُوْمَالٍ، رَأَیْتُ ذَامَالٍ، مَرَرْتُ بِذِيْ مَالٍ۔

(۱۲) ۶......**اسم غیر منصرف**، **جیسے**: أَحْمَدُ، عُمَرُ؛ **اِس کا رفع "پیش"** سے، **نصب اور جر "زبر"** سے آتا ہے، **جیسے**:

جَاءَ نِيْ أَحْمَدُ، رَأَیْتُ أَحْمَدَ، مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ۔

(۱۳) ۷......**اسم منقوص یعنی** وہ اسم جس کے آخر میں "**یاء لازم ماقبل مکسور**" ہو، **جیسے**: اَلْقَاضِيْ، اَلدَّاعِيْ ؛ **اُس کا رفع "ضمۂ تقدیری"** سے، جر "**کسرۂ تقدیری**"

---

[۱] فَمٌ اصل میں فَوْهٌ تھا، "ھاء" بسبب خفا حذف ہوگئی تو "فَوْ" ہوگیا، اور "واو" کو استعمالِ مفرد میں بغرض ضرورت "میـــم" سے بدل دیا۔ (وہ ضرورت یہ ہے کہ "واو" ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے "الف" سے بدل کر تنوین کے ساتھ اجتماع ساکنین سے گر جاتا ہے، اور اسم ایک حرفی – "فً / فَـــنْ" – رہ جاتا ہے، جو درست نہیں ہے)، اور استعمالِ مرکب میں یہ ضرورت پیش آتی نہیں ہے، اس لیے فُوْكَ "واو" کے ساتھ مستعمل ہے۔ [ہدایۃ النحو، حاشیہ: ص۴۶، غایۃ التحقیق]

سے اور نصب "فتحۂ لفظی" سے آتا ہے، جیسے:

جَاءَ نِيْ الْقَاضِيْ، رَأَيْتُ الْقَاضِيَ، مَرَرْتُ بِالْقَاضِيْ۔

﴿فائدہ﴾: تقدیری کے معنی یہ ہیں کہ اعراب کی علامت لفظوں میں ظاہر نہ ہو۔

(۱۵،۱۴) ۸......اسم مقصور یعنی وہ اسم جس کے آخر میں الف مقصورہ ہو، جیسے: مُوْسٰی، عِیْسٰی، اور وہ اسم جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہو، جیسے: غُلَامِيْ، کِتَابِيْ؛ اِن کا اعراب تینوں حالتوں میں " تقدیراً " ہوتا ہے، جیسے:

اسم مقصور : جَاءَ نِيْ مُوْسٰی، رَأَيْتُ مُوْسٰی، مَرَرْتُ بِمُوْسٰی۔

مضاف بیائے متکلم: جَاءَ نِيْ غُلَامِيْ، رَأَيْتُ غُلَامِيْ، مَرَرْتُ بِغُلَامِيْ۔

(۱۶) ۹......جمع مذکر سالم مضاف بیائے متکلم، جیسے: مُسْلِمِيَّ، اس کا رفع "تقدیراً واو" سے، نصب اور جر " لفظاً یاء " سے آتا ہے، جیسے:

جَاءَ نِيْ مُسْلِمِيَّ، رَأَيْتُ مُسْلِمِيَّ، مَرَرْتُ بِمُسْلِمِيَّ۔

سبق۔ ۷، ۸

منصرف وغیر منصرف کا بیان:

اسم مُعرب کی دو قسمیں ہیں:

ت]..... ایک۔ منصرف: جس میں اسباب منع صرف میں سے دو سبب یا ایک سبب جو دو سبب کے قائم مقام ہو؛ نہ پایا جائے، جیسے: زَيْدٌ، کِتَابٌ، مَسْجِدٌ وغیرہ۔

××× فائدہ: اس کے آخر میں حرکات ثلثہ اور تنوین آتی ہے۔

ت]..... دوسری۔ غیر منصرف: جس میں اسباب منع صرف میں سے دو سبب یا ایک سبب جو دو سبب کے قائم مقام ہو، پایا جائے، جیسے: زَيْنَبُ، مَكَّةُ وغیرہ۔

××× فائدہ: اس کے آخر میں کسرہ اور تنوین نہیں آتی، کسرہ کے مقام پر ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے، جیسے: جَاءَ عُمَرُ، رَأَيْتُ عُمَرَ، مَرَرْتُ بِعُمَرَ۔

اسباب منع صرف کا بیان:

یہ نو (۹) سبب ہیں: عدل، وصف، تانیث، معرفہ، عجمہ، جمع، ترکیب، الف نون (زائدتان) اور وزن فعل۔

❁ **۱۔ عدل:** وہ اسم ہے جو اصلی صیغہ سے بغیر کسی قاعدۂ صرفی کے نکالا گیا ہو۔

۱۔ کبھی تو عدد سے نکالا جاتا ہے، جیسے: ثُـلٰثُ ، مَثْـلَثُ ، [ہر ایک کا معنیٰ " تین، تین " ہیں، - قیاس یہ تھا کہ ان کے معنی صرف " تین " ہوتے - اس سے معلوم ہوا کہ اصل میں " ثَلَاثَةٌ، ثَلَاثَةٌ " تھے، کیوں کہ معنی کا تکرار لفظ کے تکرر پر دلالت کرتا ہے]، اس کو **عدل تحقیقی**[۱] کہتے ہیں، ان میں دوسرا سبب " صفت " ہے۔

۲۔ کبھی عدل کا وزن اسم سے [۱] نکالا جاتا ہے جیسے: عُـمَـرُ ، زُفَـرُ ، [یہ دونوں اسم کلامِ عرب میں غیر منصرف استعمال ہوتے ہیں، اور سوائے علمیت کے دوسرا کوئی سبب منع صرف کا ان میں نہیں، اہل عرب کا ان کو غیر منصرف پڑھنا مقتضِی ہے کہ ان میں کوئی دوسرا سبب ہو، اس واسطے ان کو "عَـامِرٌ و زَافِرٌ " سے معدول مان لیا، اس کو **عدل تقدیری**[۲] کہتے ہیں، ان میں دوسرا سبب " عدل " ہے]۔

❁ **۲۔ وصف**[۳]: جو اصل [۴] میں وصفی معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو، جیسے: أَحْـمَـرُ (سرخ رنگ)، أَسْوَدُ (سیاہ رنگ)، ان میں دوسرا سبب "وزن فعل" ہے۔

---

[۱] **عدل تحقیقی**: جس (میں عدل پایا جاتا ہے اس) کا معدول عنہ واقعی موجود ہو [علم النحو]۔ یا اس کے معدول ہونے پر اس کے غیر منصرف ہونے کے علاوہ کوئی اور دلیل ہو [رضی: ۹۹]۔ **عدل تقدیری**: جس کا معدول عنہ واقعی موجود نہ ہو [علم النحو]۔ یا جس کے معدول ہونے پر اس کے غیر منصرف ہونے کے علاوہ کوئی دلیل نہ ہو، صرف مان لیا گیا ہو۔ اصلی صیغہ (یعنی شکل، صورت اور وزن) کو "معدول عنہ" کہتے ہیں، جیسے: " عامرٌ "، اور جو نئی شکل اختیار کرلے اس کو "معدول " کہتے ہیں، جیسے: "عمرُ"۔ [۲] **نوٹ:- عدلِ تقدیری** "علَم" سے معدول ہوتا ہے۔ [النحو الوافی: ۲۲۲ ج ۴]۔

[۳] وصف: وہ اسم ہے جو ایسی مبہم (غیر متعین) ذات پر دلالت کرے جس میں اس اسم کا معنیٰ وصفی پایا جاتا ہو، مثلاً: "سَـكْـرَانُ" (مدہوش) ہر ایسے فرد کو کہا جائے گا جس میں مدہوشی پائی جاتی ہو، "عَـالِـمٌ" ہر اس فرد کو کہا جائے گا جس میں وصف علم پایا جاتا ہو۔ [ھدایۃ النحو]۔

[۴] وصف کی دو قسمیں ہیں: اصلی اور عارضی۔ **وصف اصلی**: جس کو وضع (بنایا) ہی کیا گیا ہو وصفی معنیٰ پر دلالت

۳۔ تانیث:

ہر وہ "علم"، جس کے آخر میں ❀ "ۃ" تانیث لفظاً ہو، جیسے: طَلْحَۃُ، مَکَّۃُ، ❀ یا اس میں تانیثِ معنوی ہو تو کلمہ تین حرف سے زائد یا ثلاثی متحرک الاوسط ہو، جیسے: زَیْنَبُ، سَقَرُ (نامِ دوزخ)، ❀ یا تانیث الف مقصورہ کے ساتھ ہو، جیسے: حُبْلٰی (زنِ حاملہ)، ❀ یا تانیث الف ممدودہ کے ساتھ ہو، جیسے: صَحْرَاءُ (جنگل)۔

﴿فائدہ﴾: ان میں سے تانیث بالالف دوسبب کے قائم مقام ہوتی ہے۔

٤۔ معرفہ:

اقسامِ معرفہ میں سے صرف وہ اسم مراد ہے جس میں "علمیت" پائی جائے، جیسے: زَیْنَبُ، اس میں دوسرا سبب "تانیث" ہے۔

۵۔ عجمہ: جو اسم عربی کے سوا دوسری زبان میں "علم" ہو، اور تین حرف سے زائد ہو، جیسے: إِبْرَاهِیْمُ، یا ثلاثی متحرک الاوسط ہو، جیسے: شَتَرُ (نامِ قلعۂ دیارِ بکر)۔

فائدہ: جو مؤنث ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی ہو اس کو منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھنا جائز ہے، جیسے: هِنْدٌ و هِنْدُ، اور اگر عجمہ ہو تو پھر ضرور غیر منصرف ہوگا، جیسے: "مَاہُ" و "جُوْرُ" (ملکِ عجم میں دو شہروں کے نام ہیں)۔

٦۔ جمع: [۱] جو منتہی الجموع کے وزن پر ہو، یعنی ایسی "جمع" جس کے پہلے دو حرف مفتوح ہوں اور تیسری جگہ الف ہو، [۲] جیسے: مَسَاجِدُ، مَصَابِیْحُ۔

کرنے کے لیے، جیسے: أَسْوَدُ، أَحْمَرُ وغیرہ۔ **وصف عارضی:** جس کو بنایا گیا ہو ذات پر دلالت کرنے کے لیے، البتہ استعمال میں وصفی معنیٰ مراد لے لیا جاتا ہو، جیسے: رَجُلٌ أَرْنَبٌ (ذلیل مرد)۔ "أَرْنَبٌ" خرگوش کو کہتے ہیں، مگر مثالِ مذکور میں اس کا ایک وصف "ذلیل ہونا" مراد ہے۔ اور مَرَرْتُ بِنِسْوَۃٍ أَرْبَعٍ میں "أَرْبَعٍ" اصل وضع کے اعتبار سے عددِ ذات (چار) پر دلالت کرتا ہے، مگر یہاں "نسوۃ" کی صفت واقع ہے [روایۃ النحو]۔ نیز اہلِ عرب اس سے کبھی عددِ وصف (چہارم/چوتھے نمبر) کا معنی مراد لیتے ہیں [وافی: ج۴]۔ منع صرف کا سبب وصف اصلی ہے، نہ کہ وصف عارضی۔

[۱] ایک جمع، غیر منتہی الجموع ہوتی ہے، جیسے: رِجَالٌ، رُسُلٌ، أَوْلَادٌ، غِلْمَانٌ وغیرہ، وہ یہاں مراد نہیں ہے۔

[۲] اس "الف" کو الف جمع کہا جاتا ہے۔

﴿**فائدہ**﴾: یہ جمع دو سبب کے قائم مقام ہے، لیکن اگر اس کے آخر میں "ۃ" ہو، جیسے: صَيَاقِلَةٌ[١] و بَرَامِكَةٌ[٢] تو پھر یہ جمع غیر منصرف نہ ہوگی۔

۷۔ ترکیب: اس سے مراد مرکب منع صرف ہے، یعنی وہ دو کلمے جو اضافت واسناد کے بغیر مرکب ہو گئے ہوں اور دوسرا کلمہ کسی حرف کو متضمن نہ ہو، جیسے: بَعْلَبَكُّ [نام شہر، جو "بَعل" اور "بَكّ" سے مرکب ہے]، اس میں دوسرا سبب "علَم" ہے۔[٣]

۸۔ الف نون زائدہ: جب "علَم" کے آخر میں ہو، جیسے: عثمانُ، یا اس "صفت" کے آخر میں ہو جو "فَعلَان" کے وزن پر ہو اور اس کی مؤنث میں "ـة" نہ ہو، جیسے: سَكْرَانُ (مدہوش) یا ایسا اسم ہو کہ اس کی مؤنث ہی نہ ہو، جیسے: رَحْمٰنُ۔

۹۔ وزن فعل: ہر اسم جو فعل کے وزنِ خاص پر ہو[٤]، جیسے: دُئِلَ (نام قبیلہ)، شَمَّرَ (نام اسپ)[٥] یا مضارع کا کوئی حرف[٦] اس کے پہلے آئے، جیسے: أَحْمَدُ، تَغْلِبُ (نام قبیلہ)، ان میں دوسرا سبب "علَم" ہے۔

تنبیہ: اسبابِ منع صرف میں سے پانچ سبب اسمِ نکرہ میں پائے جاتے ہیں[٧]:
١۔ عدل تحقیقی ٢۔ "افعل" صفتی[٨] ٣۔ تانیث بالالف ٤۔ جمع منتہی الجموع ٥۔ "فعلان"

---

[١] واحد "صَيْقَلٌ" ہے (پالش کا کام کرنے والا)۔[القاموس الوحید]

[٢] واحد "بَـرْمَك" ہے۔ مقام بلخ میں ایک مندر کے پجاری کا لقب ہوتا تھا، اس مندر کا آخری پجاری سلطنت عباسیہ میں مسلمان ہو گیا تھا، اس کی اولاد بعد میں بَرَامِكه کہی جانے لگی۔[اردو لغت اصول تاریخ پر: ج ٢]

[٣] اسی طرح مُحَمَّدَ طَيِّبُ، أَحْمَدَآبَادُ وغیرہ مثالیں بھی مرکب منع صرف کی ہیں۔

[٤] وزن تین طرح کے ہیں: ١۔ جو اسماء کے ساتھ خاص ہیں۔ ٢۔ جو افعال کے ساتھ خاص ہیں۔ ٣۔ جو دونوں میں مشترک ہیں۔ "دُئِلَ" بروزنِ "ضُرِبَ" اور "شَمَّرَ" بروزنِ "فَعَّلَ" یہ دونوں وزن فعل کے ساتھ مخصوص ہیں، اگر اسم میں آئے بھی ہیں تو اصلاً وہ فعل ہی کا وزن ہے، البتہ کسی معنوی مناسبت کی وجہ سے اسم میں استعمال ہو رہے ہیں۔

[٥] حجاج بن یوسف کے گھوڑے کا نام تھا۔

[٦] یعنی "ا، ت، ي، ن" جو علامت مضارع کہی جاتی ہیں۔ جن کا مجموعہ "أَتَيْنَ" ہے۔

[٧] یعنی ان کے لیے علَم ہونا شرط نہیں ہے۔

[٨] یعنی اوزانِ فعل میں سے "افعل" کا وزن ہو، اور اس میں صفت کا معنی پایا جاتا ہو۔[وافی: ٢١٩ ج ٤، شرح شذور]

صفتی جس کی مؤنث " فعلانۃٌ" نہ ہو،اور چھ سبب معرفہ میں پائے جاتے ہیں[۱]:۱۔عدل تقدیری ۲۔تانیث بالتاء ومعنوی ۳۔عجمہ ۴۔ترکیب ۵۔وزن فعل اور ۶۔" فعلان" جبکہ " علم" ہو۔

فائدہ: ہر اسم غیر منصرف جب کہ اس پر " الف لام " آئے یا " دوسرے اسم کی طرف مضاف" ہو تو اس کو " کسرہ " دیا جاتا ہے، جیسے: ذَهَبْتُ إِلٰى مَسَاجِدِكُمْ، وإِلَى الْمَسَاجِدِ۔

سبق ۔ ۹ (تمرین)

۱۔ ذیل کے سوالوں کا جواب دیجیے۔

[۱] اعراب کسے کہتے ہیں، اور اس کی کتنی قسمیں ہیں؟۔

[۲] مبنی اور معرب میں کیا فرق ہے؟۔

[۳] غیر منصرف کسے کہتے ہیں، اور اس کو کیا اعراب آتا ہے؟۔

[۴] صرفیوں اور نحویوں نے صحیح کی تعریف میں کیا فرق رکھا ہے؟۔

[۵] " قاضی" کا اعراب، رفعی اور نصبی حالت میں کس طرح آئے گا؟۔

۲۔ ذیل کے جملوں کا ترجمہ کرو، اور جن الفاظ پر خط کھینچا گیا ہے ان کے اعراب کی تشریح کرو۔

[۱] رَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ. ذَهَبْتُ بِعُمَرَ. جَاءَ غُلَامِيْ.

[۲] ذَهَبَ اثْنَانِ. كَانَتَاتَحْتَ عَبْدَيْنِ. خَرَجْتَ بِكِلَيْهِمَا.

[۳] ﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكَافِرِيْنَ أَوْلِيَاءَ﴾. ﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْماً﴾.

[۴] ﴿كَانَ أَبُوْهُمَا صَالِحاً﴾. ﴿جَاءُوْا أَبَاهُمْ عِشَاءً﴾. ﴿اِرْجِعُوْا إِلٰى أَبِيْكُمْ﴾. ﴿وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَائِيْ﴾.

[۵] حُكِيَ أَنَّ رَجُلاً يُسَمّٰى "أَحْمَدَ" دَخَلَ فِيْ بَيْتِ امْرَأَةٍ، فَقَالَتْ: اِنْصَرِفْ، اِنْصَرِفْ. فَقَالَ الرَّجُلُ: أَنَا أَحْمَدُ، وَأَحْمَدُ " لَايَنْصَرِفُ". فَقَالَتْ: نَعَمْ، إِذَا نُكِّرَ صُرِفَ.

۳۔ ان جملوں کے اعرابوں کو صحیح کرو۔

---

[۱] ان میں عدل اور وزن فعل کے لیے علم ہونا شرط نہیں ہے، اور باقی چار کے لیے شرط ہے، لہٰذا اگر ان باقی میں معرفہ کو نکرہ کر دیا جائے تو ان پر منصرف کا حکم جاری ہوگا، جیسے: جاءَنِيْ طَلْحَةُ وَطَلْحَةٌ آخَرُ۔[تنوین تمکن ملاحظہ ہو، ص:۱۵۳]

[۱] هُنَّ مُسْلِمَاتٍ. مَرَرْتُ بِأَحْمَدٍ. رَأَيْتُ غُلَامِیَ.

[۲] جاءَ أَبَاهُمَا. رَأَيْتُ أَبِيْهِمْ. ذَهَبْتُ بِأَبُوْكَ.

[۳] جَاءَ الرَّجُلَيْنِ. رَأَيْتُ الرَّجُلَانِ. مَرَرْتُ بِكِلَاهُمَا.

[۴] يَاعَمِّ! وَرِمَتْ رِجْلَيْكِ، ثُمَّ قَالَ: وَصَلَ الْوَرَمُ إِلى رُكْبَتَاه.

سبق۔ ۱۰، ۱۱

جملہ اسمیہ کا بیان:

جملہ اسمیہ: وہ ہے جس کا پہلا جزء اسم یعنی مسند الیہ ہو، جیسے: زَيْدٌ كَاتِبٌ۔ [اس میں " زَيْدٌ" مسند الیہ ہے، اس کو مبتدا کہتے ہیں، اور " كَاتِبٌ" مسند ہے، اس کو خبر کہتے ہیں، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوا]۔

مبتدا وخبر کے احکام:

ق: مبتدا اور خبر دونوں مرفوع ہوتے ہیں، ان کا عاملِ رافع ہمیشہ معنوی[۱] ہوتا ہے، جیسے: زَيْدٌ كَاتِبٌ، [ان میں سے ہر ایک مرفوع ہے، اور ان کا عامل لفظوں میں کوئی نہیں ہے]

ق: مبتدا ہمیشہ معرفہ ہوتا ہے یا نکرہ مخصوصہ، صرف نکرہ کبھی مبتدا نہیں ہوسکتا، خبر اکثر نکرہ، کبھی معرفہ بھی ہوتی ہے۔ [ذیل کی مثالوں میں مبتدا و خبر پر غور کرو]

[الف] مبتدا کے معرفہ ہونے اور خبر کے نکرہ یا معرفہ ہونے کی مثالیں:

زَيْدٌ كَاتِبٌ، اس میں زید: **مبتدا معرفہ ہے۔**

اَلعَدْلُ مَحْمُوْدٌ (انصاف پسندیدہ ہے)، اس میں العدل: **مبتدا معرفہ ہے۔**

اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ (دین خیر خواہی کا نام ہے)، اس میں اَلدِّيْن: **مبتدا معرفہ اور** اَلنَّصِيْحَة: **خبر بھی معرفہ ہے۔**[قدیم نسخہ]

---

[۱] عامل دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک لفظی: یعنی افعال، اسمائے عاملہ اور حروف عاملہ۔ دوسرا معنوی: جس کے واسطے کوئی لفظ مقرر نہیں ہے۔ اسم اور فعل مضارع پر کوئی عامل لفظی نہ ہو، پھر بھی وہ دونوں مرفوع ہوں تو یہی چیز: یعنی عامل لفظی کا نہ ہونا "عاملِ معنوی" کہا جاتا ہے[قدیم نسخہ]۔

[ب] نکرہ مخصوصہ کے مبتدا ہونے کی مثالیں:

۱......﴿وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ﴾ (**بیشک مؤمن غلام مشرک سے بہتر ہے**)،اس میں " عَبْدٌ " **نکرہ وصفیت سے خاص ہو گیا**[۱]

۲......أَ رَجُلٌ فِيْ الدَّارِ أَمِ امْرَأَةٌ (کیا گھر میں **مرد ہے یا عورت؟**)،اس استفہام میں " رَجُلٌ و امْرَأَةٌ " **نکرہ تقیید**[۲] **سے خاص ہو گیا ہے۔**

۳......مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ (**تم سے بہتر کوئی نہیں**)،اس میں " أَحَدٌ "،**نکرہ نفی کے تحت آنے سے خاص**[۳] **ہو گیا۔**

۴......سَلَامٌ عَلَيْكَ **اصل میں** " سَلَامِيْ عَلَيْكَ " **تھا(آپ پر میرا اسلام ہو)**، **اس میں** " سَلَامٌ " **یائے متکلم کی طرف مضاف ہونے سے خاص ہو گیا۔**

ق: خبر عموماً مفرد ہوا کرتی ہے، جیسے: اوپر کی مثالوں میں مذکور ہوا، مگر کبھی جملہ بھی آجاتی ہے[۴]، **اس صورت میں اکثر ایک ضمیر بارز یا مستتر مبتدا کی طرف راجع اس میں ہوتی ہے، یا کوئی رابط**[۵] **ہوتا ہے، جیسے:** زَيْدٌ أَبُوْهُ قَائِمٌ (**زید، اسکے والد کھڑے ہیں**)، [**اس میں** " أَبُوْهُ " **کی ضمیر بارز** " زَيْد " **کی طرف راجع ہے**]، زَيْدٌ يَضْرِبُ (زید

---

[۱] یعنی معرفہ کے قریب ہو گیا۔ [۲] وہ قید " متکلم کو ثبوتِ خبر کا معلوم ہونا " ہے۔ مثالِ مذکور میں متکلم کو دو فرد(رَجُلٌ ،امْرَأَةٌ) میں سے کسی ایک کا گھر میں ہونا معلوم ہے،اس کا قرینہ اور دلیل یہ ہے کہ " أَمْ " متصلہ کا استعمال وہاں ہوتا ہے جہاں متکلم کو حکم کے ثابت ہونے کا علم ہو اور استفہام فرد کی تعیین کا ہو،اسی وجہ سے اس استفہام کے جواب میں فرد کی تعیین کرنا ضروری ہے،صرف "ہاں/ نا" کہہ دینا درست نہ ہوگا[ہدایۃ النحو :۱۱۳، کتاب ہٰذا میں "أم" متصلہ ملاحظہ ہو]۔ متکلم کو ثبوت خبر کا علم ہونا یہ بمنزلہ صفت کے ہے،لہٰذا جس طرح صفت سے تخصیص حاصل ہوتی ہے اس سے بھی تخصیص حاصل ہوگی۔[درایۃ النحو :۹۰] [۴] خواہ خبریہ ہو یا انشائیہ، جیسے: اَلْحَاقَّةُ مَا الْحَاقَّةُ ۔[وافی:۴/۱۷۱ج۱]

[۳] یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ: تخصیص سے مراد فقط "کسی فرد کی تعیین ہو جانا" نہیں ہے، بلکہ قلتِ اشتراک (افراد کا کم ہو جانا)، نیز مزید افراد کے داخل ہونے کا احتمال ختم ہو جانا بھی تخصیص کے مفہوم میں شامل ہے[غایۃ التحقیق، درایۃ النحو]۔ اس تمہید کے بعد سمجھیے : قاعدہ ہے کہ جب نکرہ نفی کے تحت واقع ہو تو عموم کا فائدہ دیتا ہے، یعنی تمام افراد شامل ہو جاتے ہیں، مثال منفی ہے لہٰذا بہتر ہونے کے حکم میں فردِ واحد (مخاطب) کے علاوہ کوئی ایسا فرد باقی ہی نہ رہا جس کے بہتر ہونے کا احتمال باقی رہا ہو، یہ احتمال ختم ہو جانا بھی تخصیص ہو جانا ہے۔ گویا جمیع افراد کا مجموعہ بمنزلۂ فرد واحد کے ہو گیا۔

مارتا ہے)،[اس جگہ " یَضْرِبُ" کی ضمیر مستتر: هُوَ " زَيْد " کی طرف عائد ہے]۔

ق: خبر جب "اسم مشتق[۱]" یا " منسوب" ہو تو تذکیر وتانیث اور وحدت وجمعیت میں مبتدا کے موافق ہوگی، جیسے:

خبر مفرد مذکر کی مثال: اَلرِّزْقُ مَقْسُوْمٌ (روزی بٹی ہوئی ہے)۔

خبر مفرد مؤنث کی مثال: أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ (اللہ کی زمین فراخ ہے)۔

خبر تثنیہ مذکر کی مثال: طَلْحَةُ وزُبَيْرٌ صَحَابِيَّان (حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ صحابی ہیں)۔

خبر تثنیہ مؤنث کی مثال: عَائِشَةُ وَفَاطِمَةُ مَكِّيَّتَانِ (عائشہ اور فاطمہ مکہ کی باشندہ ہیں)۔[۲]

خبر جمع مذکر کی مثال: اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ (مرد لوگ عورتوں پر حاکم ہیں)۔

خبر جمع مؤنث کی مثال: نِسَاءُ الْحَيِّ جَمِيْلَاتٌ (قبیلہ کی عورتیں خوبصورت ہیں)۔

ق: مفصلۂ ذیل صورتوں میں مبتدا کا مقدم لانا واجب ہے۔

۱......مبتدا ایسا کلمہ ہو جس کا شروع کلام میں آنا ضروری ہے[۳]، جیسے: مَنْ أَبُوْكَ (آپکے والد کون ہیں؟)۔

---

[۵] عامةً جملہ مستقل ہوتا ہے، یعنی بذات خود معنی تام اور معنی مفید دیتا ہے، اس لیے وہ کسی کا محتاج نہیں ہوتا، لیکن جب وہ خبر، حال، صلہ یا صفت وغیرہ واقع ہو تو مستقل نہیں ہوتا اور معنی تام کے لیے کلام سابق کا محتاج ہو جاتا ہے اس لیے اس سے مربوط کرنا ضروری ہے تاکہ وہ مستقل شمار نہ کیا جائے لہٰذا رابط کا لانا ضروری ہوتا ہے۔ یہ رابط کبھی ضمیر ہوتی ہے، جیسے مثالِ مذکور میں ہے، کبھی اسم اشارہ ہوتا ہے، جیسے: لِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ (تقوی کا لباس وہ ہی بہتر ہے)، کبھی سابق مبتدا کا اعادہ ہوتا ہے، جیسے: اَلْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ (کھڑکھڑانے والی، کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی؟)، کبھی اس جملہ کے بعد -جو خبر واقع ہو رہا ہے اور رابط سے خالی ہے- ایک ایسا جملہ ہوتا ہے جس کا اس پر " واو، ف، ثُمّ " سے عطف کیا گیا ہوتا ہے، جیسے: اَلطَّالِبُ بَدَأَتِ الدِّرَاسَةُ وَ اسْتَعَدَّ لَهَا (تعلیم کا آغاز ہوا، اور طالب علم اس کے لیے مستعد ہو گیا)۔[وافی: ۴۶۹ ج ۱، شرح ابن عقیل: ۱۲۹ ج ۱]

[۱] یعنی صیغۂ صفت: اسم فاعل وغیرہ ہو، اور اسم منسوب یعنی جس کے آخر میں " ی" مشدّد ماقبل مکسور (" ی" نسبتی) ہو، جیسے: صَحَابِيٌّ، مَكِّيٌّ۔

[۲] اس مثال میں مبتدا حکماً تثنیہ ہے اس لیے خبر تثنیہ لائی گئی ہے۔

[۳] کچھ کلمات ایسے ہیں کلام کی ابتدا ان ہی سے کی جاتی ہے، مثلاً: مَنْ (کون)، ما (کیا)، متٰی (کب)، أَيْنَ (کہاں) وغیرہ، اسی طرح " ما " جب کہ شرط یا تعجب کے واسطے استعمال ہو، تاکہ سامع کو سنتے ہی کلام کی کیفیت معلوم ہو جائے کہ: متکلم کا اپنے کلام سے کیا مقصود ہے؟: استفہام ہے، یا شرط ہے، یا اظہارِ تعجب ہے۔[حبیبیہ]

۲...... مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں، جیسے: زَيْدٌ أَخُوْكَ (زید تمہارا بھائی ہے)۔

۳...... مبتدا اور خبر تخصیص میں برابر ہوں، جیسے: أَفْضَلُ مِنّيْ أَفْضَلُ مِنْكَ (جو مجھ سے بہتر ہے وہ تم سے بہتر ہے)۔

۴...... مبتدا کی خبر فعل واقع ہو[۱]، جیسے: زَيْدٌ قَامَ (زید کھڑا ہوا)۔

ق: مفصلۂ ذیل صورتوں میں خبر کی تقدیم واجب ہے۔

۱...... خبر ایسا کلمہ ہو جس کا شروع کلام میں آنا واجب ہے[۲]، جیسے: أَيْنَ زَيْدٌ؟ (زید کہاں ہے؟)۔

۲...... جب کہ خبر "ظرف" یا "جار مجرور" اور "مبتدا" نکرہ ہو، جیسے: عِنْدِيْ مَالٌ، فِي الدَّارِ رَجُلٌ۔

۳...... متعلقِ خبر کی طرف لوٹنے والی ضمیر مبتدا میں ہو، جیسے: عَلَى التَّمَرَةِ مِثْلُهَا زُبْداً (کھجور پر اسی کے بقدر مکھن ہے)۔[حبیبیہ، ہادیہ]

ق: کبھی ایک مبتدا کی کئی خبریں[۳] بھی آ جاتی ہیں، جیسے: زَيْدٌ عَالِمٌ، عَاقِلٌ، فَاضِلٌ (زید عالم، عاقل اور فاضل ہے)۔

ق: جب مبتدا میں شرط کے معنیٰ پائے جائیں[۴] تو خبر پر "ف" لائی جا سکتی ہے[۵]،

---

[۱] اس فعل میں یہ ضروری ہے کہ اس کا فاعل اسم ظاہر نہ ہو بلکہ اسم ضمیر ہو جو اسی مبتدا کی طرف عائد ہو۔[رضی: ۲۳۰ ج ۱]، بالفاظ دیگر خبر مبتدا سے وجود میں آیا ہوا فعل (کام) ہو۔[حبیبیہ، ہادیہ]

[۲] اس میں ظرفیت کا مفہوم پایا جانا ضروری ہے، تب ہی وہ "خبر" واقع ہوگا۔[۳] بلا حرف عطف ہونا مراد ہے

[۴] معنیٔ شرط کا مطلب یہ ہے کہ مبتدا وجودِ خبر کے لیے، یا اس پر حکم لگانے کے لیے سبب بن رہا ہو۔[شرح جامی]

[۵] نیز اس کے لیے ضروری ہے کہ ۱- مبتدا عموم وابہام پر دلالت کرتا ہو، کسی ایک متعین فرد کے لیے حکم ثابت کرنا پیش نظر نہ ہو، اور ۲- اس میں زمانہ مستقبل پایا جاتا ہو[القواعد الاساسیہ: ۱۰۷، وافی: ۵۳۶ ج ۱]۔ جب متکلم کے ارادہ میں معنیٔ شرط کی دلالت مقصود ہو تو "ف" کا لانا ضروری ہے، اور اگر دلالت مقصود نہ ہو تو "ف" کا نہ لانا ضروری ہے، صرف دو ہی احتمال ہیں، تیسرا احتمال: "ف" لائی جا سکتی ہے- جو کتاب میں مذکور ہے- یہ فقط مبتدا کے معنیٔ شرط کے متضمن ہونے کے پیش نظر ہے، معنیٔ شرط کے قصد اور عدم قصد کا اس میں دخل نہیں ہے۔[شرح جامی]۔ لہٰذا کلام میں "ف" کا داخل کرنا یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ متکلم نے شرط کا قصد کیا ہے۔[الأشباہ والنظائر ۱۳۹، ۱۳۸ ج ۲]

جیسے:مَنْ عَمِلَ صَالِحاً فَلِنَفْسِہٖ (جو شخص نیک کام کرتا ہے اپنے فائدہ کے لیے کرتا ہے)۔

ق: جب خبر "ظرف" یا "جار مجرور" ہو تو اس کے پہلے کوئی **فعل** یا شبہ **فعل**[۱] مقدر مانا جاتا ہے، جیسے: عِنْدِيْ مَالٌ، أَيْ: مَوْجُوْدٌ، زَيْدٌ فِيْ الدَّارِ، أَيْ: اِسْتَقَرَّ۔

ق: جب قرینہ پایا جائے تو مبتدا کا حذف کرنا جائز ہے، جیسے: اَلْهِلاَلُ وَاللّٰهِ [اس جگہ "هٰذَا" مبتدا محذوف ہے] (یعنی خدا کی قسم یہ نیا چاند ہے)، اسی طرح کبھی خبر محذوف ہوتی ہے، جیسے: خَرَجْتُ فَإِذَا السَّبُعُ، [اس جگہ "وَاقِفٌ" خبر محذوف ہے] (یعنی میں باہر نکلا، تو اچانک دیکھا درندہ کھڑا ہے)۔

سبق۔۱۲

مشق جملہ اسمیہ : (مع اضافہ بحوالۂ قدیم نسخہ)

۱۔ سوالات کے جوابات دیجیے۔

[۱] مبتدا اور خبر کن امور میں باہم متفق ہوتے ہیں؟۔

[۲] مبتدا اور خبر کا عامل رافع کون ہوتا ہے؟۔

[۳] نکرہ کب مبتدا ہوسکتا ہے؟۔

[۴] جب خبر جملہ ہو تو مبتدا کے ساتھ اس کے ربط کا کیا طریقہ ہے؟۔

[۵] خبر سے پہلے کس وقت **فعل** کو مقدر مانا جاتا ہے؟۔

[۶] خبر کی تقدیم کس حالت میں واجب ہے؟۔

۲۔ ان جملوں میں مبتدا اور خبر کو پہچانو، پھر اردو میں ان کا ترجمہ کرو، کلمات ربط (ہے، ہیں، ہوں) اپنی طرف سے بڑھاؤ۔

[۱] اَللّٰهُ غَنِيٌّ. الشَّمْسُ طَالِعَةٌ. اَلثَّوْبُ جَدِيْدٌ. اَلْعِمَامَةُ عَتِيْقَةٌ. أَبُوْنَا اٰدَمُ.

[۲] زَيْدٌ حَاضِرٌ. زَيْنَبُ قَائِمَةٌ. بَنُوْسَعدٍ قَائِمُوْنَ. أَنْتَ هِنْدِيٌّ.

[۳] اَلرَّجُلاَنِ قَائِمَانِ. اَلنِّسَاءُ قَاعِدَاتٌ. هُمْ صَادِقُوْنَ.

[۴] أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ. دَارُكُمْ بَعِيْدَةٌ. سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ.

[۱] اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، اسم مبالغہ، اسم تفضیل اور مصدر نیز اسم منسوب کو بھی شبہ **فعل** کہا جاتا ہے۔

[٥] اَلْحِرْصُ مِفْتَاحُ الذُّلِّ. اَلْقَرْضُ مِقْرَاضُ الْمَحَبَّةِ. الدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْآخِرَةِ.

٣۔ ان جملوں میں جو لفظ محذوف ہو اس کو ظاہر کرو۔

عِنْدَنَا كِتَابٌ. مَنْ بِالْبَابِ؟. نَحْنُ فَوْقَ الْأَرْض. أَنْتُمْ تَحْتَ السَّمَاءِ. أَيْنَ بَيْتُ مَحْمُوْدٍ. مَنْ فِيْ الحَدِيْقَةِ. فِيْ السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ. ﴿فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ﴾.

٤۔ زَيْدٌ قَامَ أَبُوْهُ میں خبر کونسی ہے؟، مَنْ يَأْتِيْنِيْ فَلَهُ دِرْهَمٌ میں "ف" کیسی ہے؟۔

٥۔ نیچے کی مثالوں میں خبر کو درست کرو۔

زَيْنَبُ صَالِحٌ. طَلْحَةُ قَائِمَةٌ. هُمْ ظَالِمٌ. هُوَمُؤْمِنُوْنَ. نَحْنُ عَالِمَيْنَ. زَيْنَبُ وَ رُقَيَّةُ قَاعِدَات. رِجَالُ الْحَبَشِ أَسْوَدُ.[١]

٦۔ ذیل کے جملوں کا عربی میں ترجمہ کرو، مبتدا کو مقدم اور خبر کو مؤخر لاؤ، کلمات ربط (ہے، ہیں، ہوں) کا ترجمہ عربی میں کچھ نہیں ہوگا۔

یہ کپڑا پرانا ہے۔ وہ پگڑی نئی ہے۔ تمہارا گھر دور ہے۔ میری کتاب اچھی ہے۔ آسمان ہمارے سر پر ہے۔ زمین ان کے پاؤں کے نیچے ہے۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ احمد باغ میں کھڑا ہے۔ زینب دروازہ پر بیٹھی ہے۔ خدا کی زمین فراخ ہے۔

سبق ۔۱۳، ۱۴ [نواسخ جملہ کا بیان]

××× جملہ اسمیہ پر بعض قسم کے افعال اور حروف بھی داخل ہوتے ہیں اور عمل کرتے ہیں، اس وقت مبتدا کو ان کا "اسم"، اور خبر کو ان کی "خبر" کہتے ہیں، یہ سب نواسخ جملہ کہلاتے ہیں[٢]۔

ان کی پانچ قسمیں ہیں: ١۔افعال ناقصہ ٢۔افعال مقاربہ ٣۔حروف مشبہ

[١](١)" زَيْنَبُ " عورت کا نام ہے، اور "طَلْحَةُ" مرد کا نام ہے، اس لیے پہلے کی خبر "صالحة" دوسرے کی خبر "قائم" آئے گی۔(٢)" هم" جمع اور " هو" مفرد ہے، اس لیے "هم" کی خبر " ظالمون"، اور " هو" کی خبر " مؤمن" آئے گی۔(٣)" نَحْنُ" مبتدا ہے، اس لیے خبر "عالمان/ عالمون" مرفوع آئے گی۔(٤)" زَيْنَبُ، رُقَيَّةُ" دونوں مل کر تثنیہ ہیں، اس لیے خبر " قاعدتان" آئے گی۔(٥)" رجالٌ" جمع ہے، اس لیے خبر " سُوْدٌ" آئے گی۔[مؤلف]

[٢] کیوں کہ یہ مبتدا وخبر کے عامل معنوی کے عمل کو منسوخ کر کے اپنا عمل کرتے ہیں۔

بالفعل ۴- ما ولا مشبهتان بـ " لَيْسَ" ۵- لائے نفی جنس۔

❁**افعال ناقصہ:** وہ فعل ہیں جو صرف فاعل کے ملنے سے جملہ نہیں بنتے، بلکہ ان کے مصدری معنی کے علاوہ فاعل کی صفت[۱] بیان کرنے کی ضرورت رہتی ہے، فاعل کو " اسم" اور صفت کو " خبر" کہتے ہیں۔

ق: تمام افعال ناقصہ اوران کے مشتقات اسم کو " رفع" اور خبر کو "نصب" دیتے ہیں، یہ تعداد میں تیرہ ہیں: کَانَ، صَارَ، أَصْبَحَ، أَمْسٰی، أَضْحٰی، ظَلَّ، بَاتَ، مَازَالَ، مَابَرِحَ، مَافَتِئَ، مَاانْفَكَّ، مَادَامَ، لَيْسَ، اور استعمال کی صورت یہ ہے۔

کَانَ: اپنے اسم کی خبر کو زمانۂ ماضی میں ثابت کرنے کے واسطے آتا ہے خواہ وہ منقطع ہو، جیسے: کَانَ زَيْدٌ قَائِماً (زید کھڑا تھا)، خواہ دائمی ہو، جیسے: ﴿كَانَ اللّٰهُ عَلِيْماً﴾ (خدا تعالیٰ علیم ہے)۔

××× ﴿"**کَانَ" کی خصوصیت**﴾: مضارع مجزوم کا نون حذف کرنے میں " کانَ" کو خصوصیت ہے جبکہ ضمیر منصوب اور ساکن سے متصل نہ ہو، جیسے: ﴿لَمْ أَكُ بَغِياًّ﴾ (میں بدکارنہ تھی) اصل میں " لَمْ أَكُنْ " تھا، مگر لَمْ يَكُنْهُ اور ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ﴾ میں نون حذف نہ ہوگا، کیوں کہ پہلی جگہ " ہٗ "ضمیر منصوب سے اور دوسری جگہ " ساکن" سے متصل ہے۔

صَارَ: حالت کی تبدیلی کے واسطے آتا ہے خواہ ذات کی ہو، جیسے: صَارَ الطِّيْنُ خَزَفاً (مٹی ٹھیکرا ہوگئی)، خواہ صفت کی ہو، جیسے: صَارَ زَيْدٌ غَنِياًّ (زید مالدار ہوگیا)۔

أَصْبَحَ، أَمْسٰی، أَضْحٰی: تینوں فعل مضمونِ جملہ کو اپنے اپنے اوقات یعنی: " صبح، شام اور چاشت" سے مقارن کرنے کے واسطے آتے ہیں، جیسے: أَصْبَحَ زَيْدٌ قَائِماً (زید صبح کے وقت کھڑا ہوا)، [باقی اسی طرح[۲]]۔

---

[۱] یہاں صفتِ اصطلاحی مراد نہیں ہے جس میں باعتبار اعراب مطابقت کا ہونا ضروری ہوتا ہے، بلکہ فعل ناقص کے معنئ مصدری کے علاوہ جو معنی مصدری فاعل کے لیے ثابت کیا جارہا ہے اس کو " **صفت** " سے تعبیر کیا گیا ہے، مثلاً: " كَانَ زَيْدٌ قَائِماً " میں صفت قیام کو اور " كَانَ اللّٰهُ عَلِيْماً " میں صفت علم کو فاعل (اسم) کے لیے بیان کیا گیا ہے۔

ظَلَّ، بَاتَ: جملہ کے مضمون کو اپنے دونوں وقت: ''روز اور شب'' سے ملانے کے واسطے آتے ہیں، جیسے: ظَلَّ زَیْدٌ صَائِماً (زید تمام دن روزہ دار رہا)، بَاتَ زَیْدٌ نَائِماً (زید تمام رات سویا رہا)۔

[ت].....**فائدہ**: اوپر والے پانچوں فعل کبھی ''صَارَ'' کے معنی میں آجاتے ہیں[۱]، جیسے: أَصْبَحَ زَیْدٌ غَنِیاً (زید دولت مند ہوگیا)، [اس صورت میں صرف تبدیلیٔ حالت مقصود ہوگی، ان کے اوقات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا]۔[۲]

تنبیہ: چند اور فعل بھی ہیں جو ''صَارَ'' کا معنی دینے کی وجہ سے ''ملحقاتِ صَارَ'' کہلاتے ہیں، مثلاً: اِرْتَدَّ و تَحَوَّلَ وغیرہ، جیسے: ﴿فَارْتَدَّ بَصِیْراً﴾ (پس وہ بینا ہوگیا)۔[۳]

مَازَالَ، مَابَرِحَ، مَافَتِئَ، مَاانْفَکَّ: یہ چاروں فعل خبر کے استمرار کے واسطے آتے ہیں اور '' مَا '' ان میں نافیہ ہے، جیسے: مَازَالَ زَیْدٌ غَنِیاًّ (زید ہمیشہ غنی رہا)، [یعنی کوئی زمانہ ایسا نہیں آیا کہ زید اس میں غنی نہ ہو]۔

مَادَامَ: میں '' مَا '' مصدریہ ہے، اور کسی کام کی تعیینِ وقت کے واسطے آتا ہے، [جو اس کی خبر کے زمانے کے برابر ہوتا ہے]، اسی واسطے جملۂ سابقہ کا ہمیشہ محتاج ہوتا ہے[۴]، جیسے: ﴿أَوْصَانِي بِالصَّلٰوةِ وَالزَّکٰوةِ مَادُمْتُ حَیاًّ﴾ (اس نے مجھے حکم دیا کہ جب تک میں زندہ رہوں نماز پڑھوں اور زکوۃ دوں)۔

لَیْسَ: مضمونِ جملہ[۵] کی نفی کے واسطے آتا ہے، جیسے: لَیْسَ زَیْدٌ قَائِماً (زید

---

[۲] یعنی: أَضْحٰی زَیْدٌ جَائِعاً (زید چاشت کے وقت بھوکا ہوگیا)، أَمْسٰی زَیْدٌ تَعْبَاناً (زید شام کے وقت تھک گیا)۔

[۱] کان بھی کبھی صار کے معنی میں آتا ہے [شرح مأۃ عامل]، جیسے: ﴿فُتِحَتِ السَّمَاءُ فَکَانَتْ أَبْوَاباً﴾۔

[۲] قرآن مجید میں ہے: ﴿فَأَصْبَحُوْا نَادِمِیْنَ﴾ (پس وہ پچھتانے والے ہوگئے، بوقتِ صبح پچھتانا مراد نہیں ہے

[۳] ان کو افعال تصییر کہا جاتا ہے، افعال قلوب میں ملاحظہ ہو۔

[۴] لہٰذا '' مَادَامَ '' اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملۂ سابقہ کے مذکور فعل یا شبہ فعل کا '' مفعول فیہ '' واقع ہوگا۔

[۵] مسند کے مصدر کو مسند الیہ کی طرف مضاف کرنے سے جو مفہوم حاصل ہوگا، اس کو مضمون جملہ کہا جاتا ہے، جیسے: قام زیدٌ میں '' قِیام زید '' اور جَلَسَ زیدٌ میں '' جُلُوْس زید '' اور أَنْ تَصُوْمُوْا میں '' صِیَامُکُمْ '' مضمون جملہ ہیں۔

کھڑا نہیں ہے)۔

﴿**فائدہ**﴾: جب اس کی خبر پر "ب" آئے تو وہ لفظاً مجرور ہوتی ہے، **مگر محلاً منصوب**، **جیسے**: ﴿أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ﴾ (کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے لیے کافی نہیں ہے؟)۔[مغنی:۴۴۰ج۲]

××× ﴿**فائدہ**﴾: "لَيْس" **اصل میں** "لَيِسَ" **تھا، کثرتِ استعمال سے** "لَيْسَ" ہوگیا، یہ **فعل، غیر متصرف** ہے، [**یعنی ماضی کے سوا اس سے کوئی فعل نہیں آتا**]۔

××× **فائدہ**: "كَانَ" **کبھی تامہ ہوتا ہے**، [**یعنی صرف فاعل پر تمام ہوجاتا ہے اور خبر کی ضرورت نہیں ہوتی**]، **اس وقت** "ثَبَتَ، حَصَلَ"[۱] **کے معنی دیتا ہے، جیسے**: ﴿إِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ......﴾ (**اگر کوئی تنگ دست ہو......**)، **یہی حال** "أَصْبَحَ" **وغیرہ پانچوں فعلوں کا ہے جب کہ ان سے دخول فی الوقت مراد ہو، جیسے**: أَصْبَحَ زَيْدٌ (أَيْ: دَخَلَ فِي الصَّبَاحِ) (**زید نے صبح کی**)۔[۲]

سبق۔۱۵

افعال مقاربہ: **یہ چار فعل ہیں**: عَسٰى، كَادَ، كَرَبَ، أَوْشَكَ **اور قربِ خبر کے واسطے وضع کیے گئے ہیں۔**

ق: **یہ** "كَانَ" **کے مانند اسم کو** "**رفع**" **اور خبر کو** "**نصب**" **دیتے ہیں، مگر ان کی خبر ہمیشہ فعل مضارع ہوتی ہے، استعمال کی تین صورتیں ہیں۔**

۱۔ عَسٰى: **امید کے واسطے آتا ہے اور اس کی خبر کے ساتھ** "أَنْ" **اکثر ہوتا ہے،**

---

[۱] اسی طرح وُجِدَ، ظَهَرَ، حَدَثَ، وَقَعَ وغیرہ[**الوافی ۵۴۹، ج:۱، شرح ابن عقیل**]۔ كُنْ فَيَكُوْن، أَيْ: اُثْبُتْ فَيَثْبُتُ [**حبیبیہ:۱۴۰**]، مَاشَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَ مَالَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ، أيْ: وقع، و لمْ يقعْ[**القاموس الوحید**]۔

[۲] **یا زید صبح کے وقت میں داخل ہوا**، أَمْسٰى الْحَارِسُ (**چوکیدار نے شام کردی/ چوکیدار شام کے وقت میں داخل ہوا**)، **قران مجید میں ہے**: ﴿فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ﴾، أَضْحَى النَّائِمُ (**سونے والے نے چاشت کردی/ سونے والا چاشت کے وقت میں داخل ہوگیا**)، ظَلَّ الْحَرُّ (**مسلسل دن کو گرمی رہی**)، ظَلِلْتُ بِمَكَانٍ نَظِيْفٍ (**میں دن بھر صاف ستھرے مکان میں رہا**)، بَاتَ الْخَلِيْلُ وَ لَمْ يَرْقُد (**دوست نے رات گذاردی اور تو نہیں سویا**)، بِتُّ مَبِيْتاً طَيِّباً (**میں نے اچھی رات گذاری**)۔[**روایۃ النحو**]

جیسے: عَسی اللّٰهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ (امید ہے اللہ فتح دیدے)۔

××× ﴿فائدہ﴾: یہ فعل غیر متصرف ہے، [اس سے ماضی کے سوا کوئی صیغہ نہیں آتا]۔

۲۔ کَادَ: قربِ حصولِ خبر کے واسطے آتا ہے، اور اس کی خبر اکثر بغیر "أَنْ" کے ہوتی ہے، جیسے: ﴿كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا﴾ (قریب ہے کہ لوگ اس کو چمٹ جائیں)۔

××× **تنبیہ**: "عَسٰی" کی خبر سے کبھی "أَنْ" حذف ہوتا ہے، اور "کَادَ" کی خبر کے ساتھ کبھی آجاتا ہے، مگر پہلے کی خبر پر "أَنْ" لانا اور دوسرے کی خبر سے "أَنْ" کا حذف کرنا زیادہ بہتر ہے۔

ت]..... **کَرَبَ، أَوْشَکَ**: یہ بھی قربِ حصولِ خبر کے واسطے آتے ہیں، پہلے کی خبر بغیر "أَنْ" کے اور دوسرے کی مع "أَنْ" کے ہوتی ہے، جیسے: كَرَبَ الْقَلْبُ يَذُوْبُ (نزدیک ہے کہ دل پگھل جائے)، أَوْشَكَ زَيْدٌ أَنْ يَأْتِيَ (قریب ہے کہ زید آئے)۔ [شرح ابن عقیل: ۱۷۱، شرح شذور ۱۸۹]

۳۔ طَفِقَ، جَعَلَ، أَخَذَ: یہ بھی افعال مقاربہ ہیں، اور مضارع پر آتے ہیں، جو شروع في الخبر کے واسطے ہیں، مگر ان کی خبر پر "أَنْ" کا لانا منع ہے، جیسے: ﴿طَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ﴾ (آدم وحوّا علیہما السلام دونوں اپنے اوپر بہشت کے پتے سینے لگے)، جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَمْسَحُ رَأْسَهٗ (رسول خدا ﷺ ان کا (حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا) سر سہلانے لگے)، أَخَذْتُ أَكْتُبُ (میں لکھنے لگا)۔

سوالات

[۱] "کَانَ" اور "صَارَ" ایک معنی میں مستعمل ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ مع وجہ بیان کرو۔

[۲] مَادَامَ زَيْدٌ يَجْلِسُ کو پورا جملہ بنانے کے لیے کس چیز کی ضرورت ہے؟۔

[۳] أَصْبَحَ زَيْدٌ قَائِماً اور أَصْبَحَ زَيْدٌ غَنِيّاً میں "أَصْبَحَ" کن کن معنوں میں مستعمل ہوا ہے؟

[۴] "عَسٰی" اور "کَادَ" کے استعمال میں کیا فرق ہے؟۔

[۵] "جَعَلَ" اور "أَوْشَكَ" میں علاحدہ علاحدہ کیا کیا خصوصیتیں پائی جاتی ہیں؟۔

سبق ۔ ۱۶

❁ **حروف مشبہ بالفعل**: یہ چھ ہیں: إِنَّ ،أَنَّ (بیشک)، كَأَنَّ (گویا کہ)، لٰكِنَّ (لیکن)، لَيْتَ (کاش کہ)، لَعَلَّ (شاید کہ)۔

﴿**فائدہ**﴾: ان کو مشبہ بالفعل اس واسطے کہتے ہیں کہ ان میں فعل کے معنی پائے جاتے ہیں[۱]۔

ق: یہ اپنے اسم کو "نصب" اور خبر کو "رفع" دیتے ہیں، استعمال کی صورت یہ ہے:

إِنَّ، أَنَّ: تحقیقِ جملہ کے واسطے آتے ہیں، جیسے: ﴿إِنَّ اللّٰـهَ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ﴾ (بیشک خدا تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے)، بَلَغَنِيْ أَنَّ زَيْداً قَائِمٌ (مجھے معلوم ہوا: زید ضرور کھڑا ہے)۔ **كَأَنَّ: تشبیہ** کے واسطے، جیسے: كَأَنَّ زَيْداً أَسَدٌ (زید گویا شیر ہے)۔

لٰكِنَّ: استدراک [یعنی مضمونِ جملۂ سابقہ سے ہونے والے وہم کو دور کرنے] کے واسطے آتا ہے، جیسے: قَامَ زَيْدٌ لٰكِنَّ عَمْرًا جَالِسٌ (زید کھڑا ہوا مگر عمرو بیٹھا ہے)، اَلْبَيْتُ جَدِيْدٌ لٰكِنَّ الْأَثَاثَ قَدِيْمٌ (گھر نیا ہے لیکن سامان پرانا ہے)۔

لَيْتَ : تمنی کے واسطے آتا ہے [یعنی آرزو کرنا کسی چیز کی] خواہ ہوسکتی ہو، جیسے: لَيْتَ زَيْداً قَائِمٌ (کاش کہ زید کھڑا ہوتا)، خواہ نہ ہوسکتی ہو، جیسے: لَيْتَ الشَّبَابَ رَاجِعٌ (کاش کہ جوانی پھر آتی)۔

لَعَلَّ: رَجا [یعنی ممکن الحصول آرزو] کے واسطے آتا ہے، جیسے: ﴿لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ [۲]﴾ (شاید قیامت قریب ہے)۔

تنبیہ: اِن حروف کے بعد جب "ما" کافہ آئے تو اُن کے عمل کو زائل کر دیتا

[۱] ان حروف کو فعل متعدی کے ساتھ لفظاً و معناً و عملاً مشابہت ہے، مبنی بر فتح ہونا، سہ حرفی اور چار حرفی ہونا: یہ لفظی مشابہت ہے۔ إِنَّ، أَنَّ بمعنی "حَقَّقْتُ"، كَأَنَّ بمعنی "شَبَّهْتُ"، لٰكِنَّ بمعنی "اِسْتَدْرَكْتُ"، لَيْتَ بمعنی "تَمَنَّيْتُ"، لَعَلّ بمعنی "تَرَجَّيْتُ"؛ یہ معنوی مشابہت ہے اور معمول کا مرفوع و منصوب ہونا عملاً مشابہت ہے۔

[۲] جب "فعیل" بمعنی مفعول ہو یا اس کا احتمال ہو تو تذکیر و تانیث میں تفریق نہیں کی جاتی۔ [شافیہ، مفہوما]

ہے، جیسے: ﴿أَ نَّمَا إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَاحِدٌ﴾ (یقیناً تمہارا معبود ایک ہی خدا ہے)، اس وقت یہ حروف افعال[۱] پر بھی داخل ہو سکتے ہیں، جیسے: إِنَّمَا قَامَ زَيْدٌ (زید کھڑا ہو گیا)، ﴿كَأَنَّمَا يُسَاقُوْنَ إِلَى الْمَوْتِ﴾ (گویا ان کو موت کی طرف دھکیلا جاتا ہے)۔

سبق ۔ ۱۷

إنَّ وأَنَّ کے استعمال میں فرق:

۱۔ "إِنَّ" (مکسورہ) صدر کلام[۲] میں آتا ہے یعنی اپنے اسم اور خبر سے مل کر کلام تام [۳] بن جاتا ہے، جیسے: إِنَّ زَيْداً قَائِمٌ۔ [اس جگہ "إِنَّ" اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہے]۔ "أَنَّ" (مفتوحہ) وسطِ کلام[۴] میں آتا ہے یعنی اپنے اسم وخبر سے مل کر مفرد کے حکم میں[۵] ہوتا ہے، [اسی واسطے ایک فعل یا کسی عامل کا اس کے پہلے آنا ضروری ہے، جس کا یہ: "أَنَّ" فاعل یا مفعول یا کوئی اور جزءِ جملہ بن سکے]، جیسے: بَلَغَنِي أَنَّ زَيْداً قَائِمٌ، عَلِمْتُ أَنَّ زَيْداً فَاضِلٌ، [پہلی جگہ "أَنَّ" اپنے اسم وخبر سے مل کر "بَلَغَ" کا فاعل اور دوسری جگہ "عَلِمْتُ" کا مفعول بہ ہے]۔

۲۔ "قال" اور اس کے مشتقات کے بعد "إِنَّ" آتا ہے، جیسے: ﴿يَقُوْلُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ﴾، "عَلِمَ" اور اس کے مشتقات کے بعد "أَنَّ" آتا ہے، جیسے: عَلِمْتُ أَنَّ خَالِداً فَاضِلٌ۔

۳۔ "إِنَّ" مکسورہ کی خبر پر کبھی لام تاکید مفتوحہ آتا ہے، جیسے: إِنَّ زَيْداً لَقَائِمٌ۔ "عَلِمَ" اور اس کے مشتقات کے بعد "أَنَّ" مفتوحہ کی خبر پر لام تاکید آئے تو اس وقت "أَنَّ" بھی "إِنَّ" مکسورہ ہو جاتا ہے، جیسے: ﴿وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ﴾۔

[۱] حالاں کہ یہ حروف نواسخ جملہ ہونے کی وجہ سے صرف جملہ اسمیہ پر آتے ہیں، مگر "مـا" کافہ کی وجہ سے ان کی حیثیت میں فرق پڑ جاتا ہے، اس وجہ سے جملہ فعلیہ پر داخل ہونا درست ہو جاتا ہے۔

[۲،۳] یعنی وہ کلام جس کا اعراب کے اعتبار سے کسی عامل کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو، اس کو "لا محلَّ لها من الإعراب" بھی کہا جاتا ہے۔ اسی لیے "إِنَّ" اپنے اسم اور خبر سے مل کر مستقل جملہ ہوتا ہے، جملہ کا کوئی جزء نہیں بنتا۔

[۴] یعنی وہ کلام جس کا اعراب کے اعتبار سے کسی عامل کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ [۵] یعنی "أَنَّ" اپنے اسم اور خبر سے مل کر معنیٔ تام کا فائدہ نہیں دیتا لہٰذا وہ (مفرد یعنی) جملہ کا کوئی جزء مثلاً: فاعل، مفعول، مجرور وغیرہ بنتا ہے۔

سوالات

[۱]" لَیْت " اور " لَعَلَّ " کے استعمال میں کیا فرق ہے؟۔
[۲]" إِنَّ " اور " أَنَّ " کی شناخت کا کیا قاعدہ ہے؟۔
[۳]ان جملوں میں اسم اور خبر کو پہچانو، پھر ترجمہ کرو، ﴿إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ﴾. عِنْدِيْ أَنَّكَ قَائِمٌ (کافیہ). إِنَّ زَيْداً قَائِمٌ. ﴿إِنَّمَا إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَاحِدٌ﴾.

سبق ۔ ۱۸، ۱۹

❁ " مَا و لَا " مشابہ بلیس:

یہ دونوں حرف، نفی اور جملہ اسمیہ پر داخل ہونے میں " لَیْسَ " کے مشابہ ہیں، اسی واسطے ان کو مشابہ بہ " لَيْسَ " کہتے ہیں۔

ق: یہ اسم کو رفع اور خبر کو نصب دیتے ہیں، استعمال کی صورت یہ ہے۔

مَا: معرفہ اور نکرہ دونوں پر داخل ہوتا ہے، جیسے: ما زَيْدٌ قَائِماً (زید کھڑا نہیں ہے)، مَا رَجُلٌ مُنْطَلِقاً (کوئی مرد چلنے والا نہیں ہے)۔

لَا: ہمیشہ نکرہ پر آتا ہے، جیسے: لَا رَجُلٌ أَفْضَلَ مِنْكَ (تم سے بہتر کوئی آدمی نہیں ہے)

تنبیہ: جب " ما " کی خبر اس کے اسم سے مقدم ہو، یا خبر پر " إِلَّا " کا لفظ آئے تو پھر " ما " کا عمل باطل ہو جاتا ہے، جیسے: ما قَائِمٌ زَيْدٌ، ما مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ۔

××× ﴿**فائدہ**﴾: جب " لَا " کے آخر میں " ت " لاحق ہو تو پھر لفظِ " حِيْنٌ " کے ساتھ خاص ہو جاتا ہے، جیسے: ﴿لَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ﴾ (یہ وقت بچاؤ کا وقت نہیں ہے)، [اس جگہ " لَاتَ " کا اسم: " اَلْحِيْنُ " محذوف ہے، پس تقدیر یوں ہوگی: لَاتَ الْحِيْنُ حِيْنَ مَنَاصٍ]۔

❁ لائے نفئ جنس[۱]: یہ حرف اسم نکرہ جنس سے حکم کی نفی کے واسطے آتا ہے۔

---

[۱] لائے نفی جنس اور لا مشابہ بلیس میں لفظاً فرق ظاہر ہے، معناً بھی فرق پایا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ: "لا" بمعنی لیس میں فردِ واحد اور تمام افراد دونوں سے حکم کی نفی کا احتمال ہوتا ہے، لہٰذا "لا رجلٌ مُنْطَلِقاً" کے بعد "بل رجلان" کہہ سکتے ہیں، تعیین کے لیے قرینہ کی ضرورت رہتی ہے، مگر لائے نفی جنس اس احتمال کو ختم کر دیتا ہے، لہٰذا "لا رجلَ مُنْطَلِقٌ" کے بعد "بل

ق: یہ اسم کو "نصب" بلا تنوین اور خبر کو "رفع" دیتا ہے جبکہ "اسم" نکرہ مضاف یا مشابہ مضاف ہوتا ہے، **جیسے:** لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ (مرد کا کوئی غلام چالاک نہیں ہے)، لَا عِشْرِيْنَ دِرْهَماً لَكَ (آپ کسی قسم کے بیس درہم کے حقدار نہیں ہیں)۔

ق: اگر "لَا" کے بعد نکرہ مفرد غیر مفصول ہو[۱] تو مبنی بر فتح ہوتا ہے، **جیسے:** لَا رَجُلَ فِيْ الدَّار، ﴿لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾۔

ق: جب اس کے بعد معرفہ ہو تو "لَا" کا تکرار دوسرے معرفہ کے ساتھ لازم ہے، اس وقت "لَا" کا عمل کچھ نہیں ہوگا اور معرفہ مرفوع ہوگا، **جیسے:** لَا زَيْدٌ فِيْ الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو۔

ق: اگر "لَا" کے بعد نکرہ مفرد دوسرے نکرہ کے ساتھ مکرر ہو تو پھر اختیار ہے خواہ نصب بلا تنوین دیں، **جیسے:** ﴿لَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ (حج کے دنوں میں نہ عورتوں کی رغبت کرے، نہ گناہ، نہ لڑائی - جھگڑا)، خواہ رفع تنوینی، **جیسے:** ﴿يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ﴾ (وہ دن جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی، نہ یاری، نہ سفارش)۔

نحویوں نے اسی اصل پر "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ" میں پانچ وجہیں جائز رکھی ہیں:

۱	لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ	دونوں پر فتح	دونوں جگہ: لائے نفی جنس
۲	لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ	دونوں پر رفع	دونوں جگہ: لا بمعنی "لَيْسَ"[۲]
۳	لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةٌ	پہلے پر فتح، دوسرے پر رفع	پہلا: لائے نفی جنس، دوسرا: لا بمعنی "لَيْسَ"
۴	لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةَ	پہلے پر رفع، دوسرے پر فتح[۳]	پہلا: لا بمعنی "لَيْسَ"، دوسرا: لائے نفی جنس
۵	لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةً	پہلے پر فتح، دوسرے پر نصب[۴]	پہلا: لائے نفی جنس، دوسرا: لا زائدہ

رجلان" نہیں کہہ سکتے ہیں، یہ تمام افراد سے حکم کی نفی پر تنصیصاً (بلا قرینہ) دلالت کرتا ہے۔[الوافی: ج۱، شرح ابن عقیل]

[۱] اگر مفصول ہو تو لا کا عمل زائل ہو جائے گا اور لا کا تکرار ضروری ہوگا، جیسے: لَا فيها رَجُلٌ وَلَا اِمْرَأَةٌ۔[ہدایۃ النحو]

[۲] لا کا مشابہ بہ "لَيْسَ" ہونا مشہور ہے، مگر بمعنی "لیس" ہونا غیر مشہور ہے۔ علامہ رضی شارح کافیہ نے اس "لَا" کو ملغی عن العمل قرار دے کر مابعد کا مبتدا و خبر ہونا فرمایا ہے۔

[۳] اس صورت میں عطف المفرد علی المفرد جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں معطوف و معطوف علیہ کی خبر ایک ہوتی ہے، لہٰذا وقت واحد میں ایک معمول (خبر) پر دو عامل کا جمع ہونا لازم آئے گا (ایک: "لا بمعنی لیس" جو خبر کے منصوب ہونے کا مقتضی ہے، دوسرا: "لائے نفی جنس" جو خبر کے مرفوع

سوالات:

[۱] لَا مشابہ بہ "لَیْس" اور "لائے نفی جنس" میں کس طرح تفریق ہوسکتی ہے؟۔

[۲] اسم اور خبر کو پہچانو، پھر ترجمہ کرو، ﴿وَمَااللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّاتَعْمَلُوْنَ﴾. لَا عَلَيْكَ.

[۳] ان جملوں میں "مَااورلَا" نے اپنا عمل کیوں نہیں کیا؟، ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ﴾ . ﴿لَا بَيْعٌ فِيْهِ لَا خُلَّةٌ﴾.

صُوَرٌ مِنْ أَفْعَالِ الْخَيْرِ:

أَفْعَالُ الْخَيْرِ الَّتِيْ تُرْضِيْ اللّٰهَ كَثِيْرَةٌ.فَمِنْ أَفْعَالِ الخَيْرِ: مُسَاعَدَةُ الْمُحْتَاجِ، زِيَارَةُ الْمَرِيْضِ، رِعَايَةُ الْيَتِيْمِ وَ الْعَطْفُ عَلَيْهِ، التَّعَاوُنُ فِيْ تَنْظِيْفِ الْفَصْلِ وَ الْمَدْرَسَةِ وَ الْمَنْزِلِ، وَ بِنَاءُ الْمُسْتَشْفَيَاتِ وَ الْمَدَارِسِ وَ الْمَسَاجِد، وَ غَيْرُ ذَالِكَ.

اِقْرَأِ الْقِصَّةَ الْآتِيَةَ:اَلْأَوْسُ وَ الْخَزْرَجُ هُمَا أَنْصَارُ الرَّسُوْلِ ﷺ كَانَتْ بَيْنَهُمَا عَدَاوَاتٌ شَدِيْدَةٌ، وَ حُرُوْبٌ كَثِيْرَةٌ قَبْلَ مَجِيءِ الإِسْلَامِ. وَ فِيْ يَوْمٍ مَشٰى يَهُوْدِيٌّ بَيْنَ الْقَبِيْلَتَيْنِ بِالْفِتْنَةِ، وَ حَرَّضَ بَعْضَهُمَا عَلٰى بَعْضٍ، وَ ذَكَّرَهُمَا بِمَا كَانَ بَيْنَهُمَا مِنْ عَدَاوَاتٍ، فَكَادَتِ الْحَرْبُ تَقُوْمُ بَيْنَهُمَا، فَعَرَفَ الرَّسُوْلُ ﷺ الْخَبَرَ، فَأَسْرَعَ إِلَيْهِمَا، وَ أَصْلَحَ بَيْنَهُمَا، وَ عَادَا إِخْوَةً كَمَا كَانَا.

اَلصُّلْحُ بَيْنَ الْمُتَخَاصِمَيْنِ مِنْ أَعْمَالِ الْخَيْرِ الَّتِيْ تُرْضِيْ اللّٰهَ تَعَالٰى وَ رَسُوْلَهٗ، أَمَّا الْفِتْنَةُ بَيْنَ النَّاسِ فَمِنْ أَعْمَالِ الشَّرِ الَّتِيْ تُغْضِبُ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ.

ہونے کا مقتضی ہے) اور یہ جائز نہیں ہے[حبیبیہ شرح کافیہ]۔البتہ عطف الجملہ علی الجملہ جائز ہے، کیونکہ اس میں خبر الگ الگ ہوتی ہے لہٰذا مذکورہ خرابی لازم نہیں آئے گی، اور تقدیری عبارت یہ ہوگی: لَاحَوْلَ ثابتاً إِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا قُوَّةَ ثابتٌ إِلَّا بِاللّٰهِ (برائی سے بچنے کی ہمت اور نیکی کرنے کی قدرت حاصل نہیں ہوتی مگر اللہ ہی سے)۔

[۴] اس صورت میں "لائے ثانی" تاکید کے واسطے ہوگا، اور عطف اسمِ لا کے لفظ پر نہیں بلکہ اسمِ لا کی اصلیت پر ہوگا جو لائے نفی جنس کا اسم ہونے کی وجہ سے حالت نصبی میں کہا جاتا ہے، لہٰذا نصب تنوین کے ساتھ ہوگا[وافی:۶۹۸ ج۱، شرح ابن عقیل]، (مبنی بر فتح ہونے کا لحاظ کرنا ضروری نہیں کیوں کہ یہ مبنیات کے اقسام میں نہیں ہے، بلکہ اس کا مبنی ہونا امر عارضی ہے)۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کی منادی مبنی کے توابع میں يَا زَيدُ العَاقِلُ/الْعَاقِلَ دونوں طرح جائز ہے۔[کافیہ]

سبق ۔ ۲۰، ۲۱

جملہ فعلیہ کا بیان:

جملہ فعلیہ: وہ ہے جس کا پہلا جزء **فعل** ہو، **جیسے**: قَامَ زَیْدٌ، [**اس میں** " قَامَ " مسند ہے، اس کو "**فعل**" کہتے ہیں، اور " زَیْدٌ " مسندالیہ، اس کو " **فاعل**" کہتے ہیں، **فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا**]۔

ق: ہر **فعل**، لازم ہو یا متعدی اپنے " **فاعل**" کو رفع دیتا ہے [۱]، **اور بصورتِ** متعدی ہونے کے " مفعول بہ "کونصب بھی، **جیسے**: ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرًا۔

فاعل اور فعل کے احکام:

فاعل: وہ اسم ہے جس کے پہلے **فعل** یا شبہ **فعل** بطریق اسناد آئے، اور اُس **فعل** یا شبہ **فعل** کا قیام اس سے ہو، [۲] **جیسے**: قَامَ زَیْدٌ، زَیْدٌ قَائِمٌ أَبُوْهٗ، [**پہلی مثال میں** " قَامَ" **فعل** ہے، اور دوسری مثال میں " قَائِمٌ" شبہ **فعل** ہے جنہوں نے اپنے فاعل: زیدٌ اور أَبُوْهٗ کو رفع دیا ہے]۔

فاعل کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ اسم ظاہر ۲۔ اسم ضمیر۔

ق: فاعل جب اسم ظاہر ہو تو **فعل** ہمیشہ واحد ہو گا اور تذکیر و تانیث میں دونوں

---

[۱] یہ بات یاد رہے کہ: کبھی "بـــاء ، مـــن ، لام" زائدہ کی وجہ سے فاعل لفظاً مجرور ہو جاتا ہے مگر محلاً مرفوع شمار ہوتا ہے، **جیسے**: ﴿کَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْداً﴾ أَیْ: کَفی اللّٰہُ، **نیز** شبہ **فعل** جب فاعل کی طرف مضاف ہو تو بھی فاعل لفظاً مجرور مگر محلاً مرفوع ہوتا ہے، (**جیسے**: عَجِبْتُ مِنْ دَقِّ القصارِ الثَّوْبَ، أَیْ: دَقُّ قَصَّارٌ الثَّوْبَ)۔ [وافی: ۶۳، ج ۲]

[۲] قیام سے مراد " وجود پذیر" ہونا ہے، **یعنی فعل** یا شبہ **فعل** اس کے ذریعہ وجود میں آتا ہو [ہادیہ شرح کافیہ: ۵۲] یہ **فعل** معروف میں ہوتا ہے، **اس توجیہ سے** مَاتُ زَیْدٌ، جَلَسَ زَیْدٌ، طَالَ زَیْدٌ (**یعنی افعال لازمہ کے فاعل پر**)، اور نَصَرَ زَیْدٌ خَالِداً، ضَرَبَ زَیْدٌ بَکْراً، حَمَلَ زَیْدٌ مَتَاعاً، أَعْطٰی زَیْدٌ دِرْھَماً، غَسَلَ زَیْدٌ ثَوْباً، طَبَخَتْ فَاطِمَۃُ لَحْماً (**یعنی افعال متعدیہ کے فاعل پر**) **یہ تعریف برابر منطبق ہو جائے گی**، ورنہ **فعلِ متعدی کے فاعل** کی ذات کے ساتھ **فعل** (کام) کا قیام (اثر) پایا جاتا نہیں ہے، بلکہ ان کے فاعل سے **فعل** کا صدور اور وقوع ہوتا ہے اور قیام (اثر) مفعول بہ کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ **بعض نحات** نے فاعل کی تعریف میں "علی جھۃِ قیامِہٖ بِہٖ" کے ساتھ " وقوعِہٖ مِنْہٗ" کی قید کا بھی اضافہ کیا ہے، [شرح شذور الذھب ۱۵۸، شرح ابن عقیل: ۲۲۳ حاشیہ حلاوی]، اس اضافہ کی

مطابق ہوں گے، جیسے: قَامَ الرَّجُلُ، قَامَ الرَّجُلاَنِ، قَامَ الرِّجَالُ، قَامَتِ الْمَرْأَةُ، قَامَتِ الْمَرْأَتَانِ، قَامَتِ النِّسَاءُ۔

ق: جب فاعل اسم ضمیر ہو تو فعل واحد، تثنیہ، جمع اور تذکیر و تانیث میں فاعل کے (مرجع کے) مطابق ہوگا، جیسے: اَلرَّجُلُ قَامَ، اَلرَّجُلاَنِ قَامَا، اَلرِّجَالُ قَامُوْا، اَلْمَرْأَةُ قَامَتْ، اَلْمَرْأَتَانِ قَامَتَا، النِّسَاءُ قُمْنَ۔

××× ﴿**فائدہ**﴾ اس صورت میں "اَلرَّجُلُ" مبتدا، "قَامَ" فعل، اس میں ضمیر: ھو راجع بطرفِ مبتدا اس کا فاعل ہے، اور فعل با فاعل مبتدا کی خبر ہے۔

ق: جب فاعل مؤنث حقیقی فعل سے متصل ہو تو فعل ہمیشہ مؤنث ہوگا، جیسے: ﴿قَالَتِ امْرَأَةُ عِمْرَانَ﴾، مگر جب فعل اور فاعل کے درمیان فاصلہ ہو تو فعل مذکر اور مؤنث دونوں طرح آسکتا ہے، جیسے: ضَرَبَتِ الْيَوْمَ هِنْدٌ یا ضَرَبَ الْيَوْمَ هِنْدٌ۔ (ہدایۃ النحو)

ق: فاعل مؤنث غیر حقیقی میں فعل کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ اگر فعل فاعل سے پہلے ہو[۱] تو فعل کی تذکیر و تانیث اختیاری ہے[۲]، جیسے: طَلَعَتِ الشَّمْسُ/ طَلَعَ الشَّمْسُ، قرآن مجید میں ہے، ﴿جُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾، ﴿إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيْبَةٌ﴾ یا ﴿فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَّبِّهِ﴾۔

۲۔ اگر فعل فاعل سے پیچھے ہو[۳] تو فعل کو مؤنث لانا واجب ہے، جیسے: اَلشَّمْسُ طَلَعَتْ۔

ق: جب فاعل جمع مکسر ہو، خواہ ذوی العقول سے ہو، خواہ غیر ذوی العقول سے؛ اس کا حال مؤنث غیر حقیقی جیسا ہوگا، جیسے: قَامَتِ الرِّجَالُ/ قَامَ الرِّجَالُ، ذَهَبَتِ الْأَيَّامُ/

وجہ سے نوعِ ثانی کے فاعل پر بھی تعریف ٹھیک ٹھیک منطبق ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم

[۱] اس سے فاعل کا اسم ظاہر ہونا بتلانا مقصود ہے۔

[۲] خواہ فاعل فعل سے متصل ہو، جیسا کہ پہلی دو مثالوں میں مذکور ہے، یا فعل و فاعل کے درمیان فصل ہو، جیسے: ﴿إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيْبَةٌ﴾، ﴿فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَّبِّهِ﴾ میں مذکور ہے۔ [روایۃ النحو شرح ہدایۃ النحو: ۳۴]

[۳] اس سے فاعل کا اسم ضمیر ہونا بتلانا مقصود ہے، جس کا مرجع خواہ مؤنث حقیقی ہو یا غیر حقیقی۔ ورنہ فعل فاعل سے پیچھے ہو سکتا نہیں ہے۔

ذَهَبَ الْأَيَّامُ،[ا] مگر یہاں **فعل فاعل سے پیچھے ہوتو** " اَلرِّجَالُ قَامُوْا " **بھی کہہ سکتے ہیں**۔[۲]

فاعل کب مقدم ہوگا؟:

ق: فاعل عموماً مفعول سے پہلے آتا ہے، مگر مفصلہ ذیل حالتوں میں فاعل کی تقدیم واجب ہے مثلاً:

۱۔ فاعل اور مفعول دونوں اسم مقصور ہوں اور اشتباہ کا اندیشہ ہو، **جیسے**: ضَرَبَ مُوْسٰی عِیْسٰی۔

۲۔ فاعل ضمیر متصل ہو، **جیسے**: ضَرَبْتُ زَیْداً۔

۳۔ مفعول " إِلَّا " کے بعد واقع ہو، **جیسے**: مَاضَرَبَ زَیْدٌ إِلَّا عَمْرًا۔

فعل اور فاعل کس جگہ حذف ہوں گے؟:

ت]...... **ق: ۱**- قرینہ پایا جائے تو **فعل** کا حذف کرنا جائز ہے، **جیسے**: مَنْ ضَرَبَ؟ کے جواب میں صرف " زَیْدٌ " کہہ دینا، [اس جگہ بقرینۂ استفہام " ضَرَبَ " **فعل محذوف ہے**]۔

۲- کبھی یہ وجوباً حذف ہوتا ہے، **جیسے**: ﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ﴾ [اس جگہ بقرینۂ " إِنْ " شرطیہ " أَحَدٌ " **کے پہلے** " اِسْتَجَارَكَ " **فعل محذوف ہے**]۔[۳]

××× **۳**- جب سوال کا جواب " نَعَمْ یا بَلٰی " سے ہو تو **فعل** اور فاعل دونوں حذف ہو جاتے ہیں، **جیسے**: أَقَامَ زَیْدٌ؟ کے جواب میں " نَعَمْ " کہا جائے، [تو یہاں **فعل** اور

[ا] آیۂ قرآنیہ: ﴿وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيْمَ بِالْبُشْرٰی﴾ میں **فعل** مؤنث ہے، ﴿حَتّٰى إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْا......﴾ میں **فعل** مذکر ہے۔

[۲] کیوں کہ فاعل ایسی ضمیر ہے جس کا مرجع جمع مکسر ذوی العقول برائے مذکر ہے، لیکن " اَلْأَيَّامُ ذَهَبُوْا " نہیں کہا جائے گا، بلکہ " اَلْأَيَّامُ ذَهَبْنَ " کہا جائے گا، کیوں کہ مرجع غیر ذوی العقول ہے [روایۃ النحو شرح ہدایۃ النحو]

[۳] کیوں کہ " إِنْ " شرطیہ عامل جازم ہے جو ہمیشہ **فعل** پر داخل ہوتا ہے، یہ حذف **فعل** پر قرینہ ہو گیا، پس تقدیری عبارت یوں ہے: وَإِنِ اسْتَجَارَكَ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَك، مگر اس میں مفسَّر اور مفسِّر کا اجتماع لازم آتا ہے اس لیے **فعل** کا حذف وجوبی ہوا (اگر مشرکین میں کوئی آپ سے پناہ چاہے تو پناہ دیدیجیے)۔

فاعل دونوں محذوف ہیں، یعنی نَعَمْ:قَامَ زَيْدٌ]۔

مفعول مالم یُسمّ فاعله (نائب فاعل): یہ ایسے فعل کا مفعول ہے[۱] جس کے فاعل کا نام نہیں لیا گیا، فعلِ مجہول اس کی طرف نسبت کیا جاتا ہے، جیسے: ضُرِبَ زَيْدٌ (زید مارا گیا)۔

××× ﴿**فائدہ**﴾: یہ احکام میں فاعل کا قائم مقام ہوتا ہے، اور اسے نائب فاعل بھی کہتے ہیں۔

ق: ہر فعل مجہول مفعول مالم یسم فاعلہ کو رفع دیتا ہے، جیسے: ضُرِبَ زَيْدٌ۔

۞ تذکیر و تانیث اور وحدت و جمعیت میں اس کا حال مثل فاعل کے ہوتا ہے، جیسے: ﴿خُلِقَ الإِنْسَانُ﴾، ﴿زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ﴾۔

سبق ۔۲۲

جملہ فعلیہ کی مشق (مع اضافہ بحوالۂ قدیم نسخہ)

۱۔ ان جملوں میں فعل اور فاعل کی تذکیر پر غور کرو اور پھر اُردو میں ان کا ترجمہ کرو۔

جَاءَ زَيْدٌ. ذَهَبَ بَكْرٌ. تَغَيَّرَ الْمَوْسِمُ. طَلَعَ النَّهَارُ. اِسْوَدَّ اللَّيْلُ. اِنْكَسَرَ الإِنَاءُ. قُتِلَ الإِنْسَانُ. لَا يُغْلَقُ الْبَابُ.

۲۔ ان جملوں میں فعل اور فاعل کی تانیث پر غور کرو اور پھر اُردو میں ترجمہ کرو۔

تَبَسَّمَتِ الْمَرْأَةُ. تَدَحْرَجَتِ الْكُرَةُ. اِشْتَعَلَتِ النَّارُ. اِنْشَقَّتِ الْأَرْضُ. فُتِحَتِ السَّمَاءُ.

۳۔ ان جملوں میں فاعل جمع ہے، اس کے لحاظ سے فعل کی تذکیر و تانیث اور وحدت و جمعیت پر غور کرو اور پھر اُردو میں ترجمہ کرو:

[۱] اِبْيَضَّتِ الثِّيَابُ. اِنْكَسَرَتِ الْأَوَانِيْ.

[۲] اِشْتَهَرَتِ الْأَخْبَارُ. اِخْتَلَفَتِ الْأَقْوَالُ.

---

[۱] یہ یاد رہے کہ نائب فاعل صرف مفعول بہ ہی نہیں بنتا، بلکہ مصدر، ظرف، جار مجرور بھی نائب فاعل بن سکتے ہیں، جیسے: ﴿فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ﴾، صِيْمَ رَمَضَانُ، ﴿يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِنْ ذَهَبٍ﴾ ۔ [شرح شذور الذهب: ۱۶۰، النحو القرآني: ۲۰۱]

[۳] ﴿قَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ﴾. ﴿إِذَا جَاءَ كَ الْمُؤْمِنَاتُ﴾.

[۴] ﴿وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوْسُفَ﴾. قَامَتِ الرِّجَالُ.

٤۔ان جملوں میں فاعل ضمیر ہے، اس کے لحاظ سے فعل کی تذکیر وتانیث پر غور کرو۔

[ا] زَيْدٌ يَمْشِيْ. اِثْنَانِ لَايَشْبَعَانِ. اَلرِّجَالُ قَامُوْا.

[۲] زَيْنَبُ تَضْحَكُ. أُخْتَاكَ لَمْ تَذْهَبَا. نِسَاءُ الْبَلَدِ اجْتَمَعْنَ.

۵۔ان جملوں کو درست کرو:

هِنْدٌ جَاءَ. أَخْوَاتُكَ قَامُوْا. اٰبَاءُ كُمْ مَاتَا. اَلْمُسْلِمُوْنَ قَامَ. الطَّالِبَاتُ قَرَأَتْ.

٦۔ذیل کے جملوں کا عربی میں ترجمہ کرو۔

وہ سوگیا، لڑکا ہنس پڑا، رات آئی، کپڑا کالا ہوگیا، چہرے گردآلود ہوئے، زمین پھٹ گئی، سورج نکل آیا، دشمن مرگئے، میرے بھائی آگئے، عورتیں شہر میں اکٹھی ہوئیں۔

سبق ۔۲۳،۲٤

مفاعیل خمسه :

مفعول پانچ هیں: ا۔مفعول بہ ۲۔مفعول مطلق ۳۔مفعول فیہ ۴۔ مفعول لہ ۵۔مفعول معہ؛ یہ سب فعل سے منصوب ہوتے ہیں۔

۞ **۱۔ مفعول به:** وہ اسم ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو[ا]، جیسے: ضَرَبْتُ زَيْداً (میں نے زید کو مارا)۔

ق: کبھی یہ مفعول فعل پر مقدم آتا ہے، جیسے: زَيْداً ضَرَبْتُ، ﴿فَرِيْقاً كَذَّبْتُمْ﴾۔

ق: جب قرینہ پایا جائے تو مفعول بہ کے عامل[فعل وغیرہ] کو حذف کرنا ضروری ہوتا ہے، اوراس کی کئی صورتیں ہیں۔[۲]

۞ ا۔**منادیٰ:** وہ اسم ہے جس پر حرف ندا آئے، یہ حرف قائم مقام "أَدْعُوْ"

[ا] یہاں وقوع سے مراد وقوع حسی (حقیقۃً واقع ہونا جس کا مشاہدہ کیا جائے) نہیں ہے بلکہ فعل کا اس کے ساتھ تعلق ہوجانا مراد ہے، لہذا مَاضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، عَبَدْتُ اللهَ وغیرہ مثالوں سے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔[ہدایۃ النحو حاشیہ:۴۳]

[۲] مثلاً: منادی، اضمار علی شرط التفسیر، تحذیر اور منصوب علی الاختصاص وغیرہ۔[شرح ابن عقیل]

محذوف کے ہوتا ہے، جیسے: یَازَیْدُ!، اصل میں " أَدْعُوْ زَیْدًا " تھا (میں زید کو بلاتا ہوں) [" أَدْعُـــوْ" کو کثرتِ استعمال کے باعث حذف کرکے حرف ندا کو اس کا قائم مقام کیا،] پس منادی مفعول بہ ہے، اور یہ کئی طرح سے آتا ہے۔[۱]

﴿فائدہ﴾: حروف ندا پانچ ہیں: یَا ،أَیَا ،ھَیَا ،أَیْ اور أَ (ہمزۂ مفتوحہ)۔

ق: اگر منادی مفرد معرفہ، یا نکرہ معین [۲] ہو تو علامتِ رفع پر مبنی ہوتا ہے، جیسے: یَازَیْدُ!، یَا رَجُلُ!۔

✿✿ جب منادی پر " لامِ" استغاثہ [فریاد رسی] داخل ہو تو مجرور ہو جاتا ہے، جیسے: یَـالَلْأَمِیْرِ لِزَیْدٍ، اصل میں " یَـا أَمِیْرُ! أَغِث لِزَیْدٍ " تھا، [اور اخیر میں " الفِ استغاثہ" لاحق ہونے سے مفتوح ہوتا ہے مگر اس وقت اس پر " لام" نہیں ہوتا، جیسے: یَـا زَیْدَا! و یَا زَیْدَاہْ! ؛] اس کو منادی **مستغاث** کہتے ہیں۔[۳]

××× **ق:** جب منادی مضموم لفظ "ابن" [۴] سے موصوف ہو اور دو علموں کے درمیان واقع ہو تو منادی مع ابن [۵] کے مفتوح پڑھا جائے گا، جیسے: یَـا زَیْـدَ بْـنَ عَمْـرٍو، اگر دو علموں کے درمیان نہ ہو تو پھر مثل عام منادی کے پڑھا جائے گا، جیسے: یَا زَیْدُ ابْنُ عَمٍّ۔

ق: جب منادی مضاف، یا شبہ مضاف [۶]، یا نکرہ غیر معین ہو تو منصوب ہوتا ہے، جیسے: یَا أَھْلَ الْکِتَابِ!، یَا طَالِعًا جَبَلًا!، یَا رَجُلًا خُذْ بِیَدِيْ!۔

---

[۱] مثلاً: مفرد معرفہ، نکرہ معینہ، نکرہ غیر معینہ، مضاف، شبہ مضاف، مستغاث، مرخم، مندوب وغیرہ۔

[۲] یعنی متکلم کے ذہن میں اس نکرہ سے ایک متعین فرد مراد ہو، اس کو نکرہ مقصودہ بھی کہتے ہیں، اگر کوئی فرد متعین نہ ہو تو اس کو نکرہ غیر معین کہا جاتا ہے۔

[۳] منادی مستغاث: وہ اسم ہے جس کو پکار کر مدد طلب کی جائے۔

[۴] اِبْنٌ کی جگہ اِبْنَۃٌ ہو تو بھی یہی حکم ہے۔[کافیہ]

[۵] اس صورت میں " اِبْنٌ " کا الف رسم الخط میں نہیں آئے گا، جیسے: عبدُ اللهِ بْنُ مسعودٍ، انسُ بْنُ مالكٍ ،اگر دو علموں کے درمیان نہ ہو تو الف رسم الخط میں آئے گا، جیسے: زَیْدُ ابْنُ أَخِیْنَا، [رضی: ج۱ص۳۴۷، جامع الدروس: ج۳]

[۶] شبہ مضاف وہ ہے جو اپنے معنی ومفہوم کی تمامیت میں دوسرے کلمہ کا محتاج ہو، جس طرح مضاف، مضاف الیہ کا محتاج ہوتا ہے، جیسے: قَارِئٌ کِتَابًا (پڑھنے والا کتاب کا)، طَالِعٌ جَبَلًا (چڑھنے والا پہاڑ پر) [شرح شذور الذھب: ۱۱۱]

ق: اگر منادی معرف باللام ہو تو " أَيُّهَا، أَيَّتُهَا " حرف ندا اور منادی کے درمیان لے آتے ہیں، **جیسے**: يَا أَيُّها النَّبِيُّ !، يَا أَيَّتُها الْمَرْأَةُ!۔

﴿**تنبیہ**﴾: **مگر** لفظ " اَللّٰه" پر صرف " یا " آئے گا۔[۱]

××× **ق:** لفظ رَبّ، أَب، أُم، صَاحِب وغیرہ: (منادی) جب "ي" متکلم کی طرف مضاف ہوں تو " يَا غُلَامِيْ، يَا غُلَامِيَ، يَا غُلَامَا، يَاغُلَامِ " کے مانند چاروں طرح پڑھنا درست ہے، **جیسے**: "يا رَبِّ" بجائے "يا رَبِّيْ" کے، اور "يا أَب" بجائے "يا أَبِيْ" کے۔[کافیہ]

××× ﴿**تنبیہ**﴾: **مگر** " يَا أَبِيْ " اور " يَا أُمِيْ " کی " ي " کبھی " ت " سے بدل کر " يَا أَبَتِ" اور " يَا أُمَّتِ" بھی پڑھی جاتی ہے۔

۞۞ کبھی منادی کے آخر کا حرف تخفیف کے لیے گرا دیتے ہیں، **جیسے**: يَا حَارِ؛ يَا حَارِثُ میں، يَاعَبَّ؛ يَاعَبَّاسُ میں، اس کو ترخیم [یا منادی **مرخّم**] کہتے ہیں۔

ق: کبھی حرفِ ندا حذف ہو جاتا ہے، **جیسے**: ﴿يُوْسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا﴾ یعنی " يَا يُوْسُفُ " ، ایسا ہی السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ۔

تنبیہ: دعا کے موقعہ پر حرف ندا کے عوض لفظِ " اللہ " کے آخر میں " میم " مشدّد دلاتے ہیں، **جیسے**: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ۔

۞۞ جب کسی مردے وغیرہ کو " يَا " یا " وَا " کے ساتھ پکار کر روئیں، یا درد و حسرت کا اظہار کریں تو اس کو منادی **مندوب** کہتے ہیں۔[وافی: ج۴]

××× **ق:** یہ مندوب ہر امر میں[۲] مثل منادی کے ہوتا ہے، **جیسے**: يَا زَيْدَا !، وَا زَيْدُ، (ہائے زید!)، وَا اِبْنِيْ ! ، مگر کبھی اس کے آخر میں الف ندبہ اور ہائے وقف بھی بڑھاتے ہیں، **جیسے**: وَا مُصِيْبَتَاه!، يَا زَيْدَاه!، ﴿يَا وَيْلَتٰى ......﴾۔

××× ﴿**فائدہ**﴾: " وا " مندوب کے ساتھ خاص ہے، اور " یا " منادی اور

[۱] منادی اسم جامد ہو تو ترکیب میں " أَيَّتُها "مبدل منہ/معطوف مبین اور " منادی " بدل/عطف بیان واقع ہوگا اور اگر اسم مشتق ہو تو موصوف-صفت واقع ہوگا۔[المعجم المفصل فی الاعراب]۔

[۲] لہٰذا " يَا أَيُّهَا اللّٰهُ " نہیں کہا

مندوب دونوں میں مشترک ہے، ان کو" حروف ندبہ " کہتے ہیں۔

ت]...... ۲-اضمار علی شرط التفسیر: وہ اسم (مشتغل عنہ[ا]) جس کا عاملِ ناصب (فعل) بشرطِ تفسیر مضمر (مقدر) ہوتا ہے اور اس کے بعد جو فعل آئے وہ اپنے مابعد میں عمل کرنے میں مشغول رہتا ہے، اس لیے ماقبل میں کچھ عمل نہیں کرتا، جیسے: زَيْدًا ضَرَبْتُهٗ،

××× اس مثال میں " زَيْدًا " اسم منصوب اور اس کے بعد فعل "ضَرَبْتُ" ہے، جو اپنے مابعد: " ہٗ " ضمیر میں عمل کر رہا ہے، اس سبب سے " زَيْدًا " میں عمل نہیں کیا، پس اس میں عمل کرنے کے واسطے ایک فعل: ضَرَبْتُ مقدر ٹھیرایا گیا اور ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرَبْتُهٗ ہوا، مگر اس میں تکرارِ فعل لازم آتا ہے، اس واسطے فعل کو محذوف کیا، قرآن مجید میں ہے: ﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ﴾ یعنی قَدَّرْنَا الْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ۔

﴿فائدہ﴾: مشتغل عنہ کے اعراب کی پانچ صورتیں ہیں: ۱-نصب واجب، ۲-نصب راجح، ۳-رفع واجب، ۴-رفع راجح، ۵-دونوں کا اختیار۔[ا]

﴿قاعدہ﴾: ایسے اسم (مشتغل عنہ) سے پہلے اگر "إِذا" کے سوا کوئی کلمہ شرط

جائے گا۔ [۲] یعنی مبنی بر ضم ہونے اور منصوب ہونے میں۔

[ا] وجوب نصب کے مقامات: مشتغل عنہ یعنی جس کا عامل مضمر ہو، اس کے پہلے ایسے کلمات آئیں جن کا دخول فعل کے ساتھ مختص ہے، مثلاً: کلمات شرط، کلماتِ عرض وتحضیض۔ مصنفؒ نے صرف یہ ہی ایک صورت بیان کی ہے۔

ترجیح نصب کے مقامات: ۱-مشتغل عنہ کے پہلے ایسے کلمات آئیں جن کا دخول اکثر فعل پر ہوتا ہے، مثلاً: حروف نفی، " أ " استفہام، "إذا " شرطیہ اور "حَيْثُ" ۲-امر، نہی اور دعا کے پہلے آئے ۳-اس کا جملہ فعلیہ پر عطف ہو، جیسے: ضَرَبْتُ زَيْداً وَ عَمْراً أَكْرَمْتُهٗ ۴-اس کو مرفوع پڑھنے کی صورت میں فعل مشتغل (مابعد میں عمل کرنے والا فعل) کے صفت واقع ہونے کا اشتباہ ہوتا ہو اور معنی خلاف مقصود ہو جاتا ہو، جیسے: ﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾۔ اگر اس میں كُلُّ شيء: موصوف، خَلَقْنَاهُ: صفت، دونوں مل کر مبتدا اور " بِقَدَرٍ "اس کی خبر واقع ہو تو معتزلہ کے مذہب کی تائید ہوگی جو افعال اختیاریہ کا خالق، انسان کو مانتے ہیں[حبیبیہ]۔ اور كُلَّ شيء (بالنصب) مفعول بہ واقع ہوگا اس لیے موصوف صفت کا احتمال نہ رہے گا۔

وجوب رفع کے مقامات: فعل مشتغل کے پہلے ایسے کلمات آئیں جو صدارت کلام کے مقتضی ہیں (کیوں کہ ان کا مابعد ماقبل میں عامل نہیں ہوسکتا، اور جو عامل نہیں ہوسکتا وہ محذوف کی تفسیر وتوضیح بھی نہیں کرسکتا)، مثلاً: کلمات شرط، کلمات عرض وتحضیض، لام ابتدا، تعجب اور " کم "، جیسے: زَيْدٌ إِنْ لَقِيْتَهٗ فَأَكْرِمْهُ۔

مثلا: إِنْ، لَوْ، مَتٰی، أَیْنَمَا، حَیْثُمَا کے آئے، یا کوئی حرفِ تحضیض مثلا: أَلَّا، هَلَّا، لَوْلَا، لَوْمَا آئے تو اس کو ضرور نصب آئے گا۔

۳-**تحذیر**: کے معنی ڈرانے کے ہیں، جس کو ڈرایا جائے اس کو " **محذَّر**" اور جس چیز سے ڈرائیں اسکو " **محذَّر منه**" کہتے ہیں، یہ مفعول " اِتَّقِ یا بَعِّدْ " وغیرہ افعال کے مقدر ماننے سے آتا ہے:

کبھی محذَّر اور محذَّر منہ دونوں مذکور ہوتے ہیں، جیسے: إِیَّاكَ وَ الْأَسَدَ [۱]، یہ اصل میں " اِتَّقِكَ وَالْأَسَدَ " تھا (اپنے آپ کو شیر سے بچا)۔[۲]

کبھی محذر منہ مکرر لایا جاتا ہے[۳]، جیسے: اَلطَّرِیْقَ، اَلطَّرِیْقَ، یہ اصل میں "

ترجیح رفع کے مقامات: ۱- مشتغل عنہ " أَمَّا " کے بعد، یا " إِذا " مفاجاتیہ کے بعد آئے ۲- اس پر نصب پڑھنے کا قرینہ معدوم ہو۔ شرح ابن عقیل میں " إِذَا " مفاجاتیہ کے بعد رفع پڑھنے کو واجب بتلایا ہے۔

اختیاری مقام: مشتغل عنہ کا ذو جہتین جملہ پر عطف ہو (یعنی ایسا جملہ جس میں مبتدا اسم ہو اور خبر بصورتِ جملہ فعلیہ ہو) تو جملہ اسمیہ پر عطف کا لحاظ کیا جائے تو رفع اور اگر جملہ فعلیہ پر عطف کا لحاظ کیا جائے تو نصب؛ دونوں اعراب درست ہیں۔[مستفاد: شرح ابن عقیل: ۲۴۸، القواعد الاساسیہ: ۱۴۶، ہادیہ شرح کافیہ: ۱۰۰]

[۱] " الْأَسَدَ " کا " إِیَّاكَ " پر عطف ہے، تقدیری عبارت یہ ہے: بَعِّدْكَ وَ الْأَسَدَ، اس صورت میں عطف المفرد علی المفرد ہوگا، عطف الجملہ علی الجملہ بھی درست ہے، اس صورت میں تقدیری عبارت یہ ہوگی: بَاعِدْ نَفْسَكَ وَ احْذَرِ الْأَسَدَ۔[النحو الواضح الثالث للثانویہ] فعلِ امر تنگیٔ وقت کی وجہ سے حذف کر دیے گئے اور "ك" ضمیر متصل کو ضمیر منفصل سے بدل دیا گیا تو " اِیَّاكَ وَ الْأَسَدَ " ہوگیا۔ **نوٹ**: " بَعِّدْكَ " میں ضمیر فاعلی اور مفعولی کا اتصال ہے جو خلاف اصول ہے، اس لیے " ك " سے پہلے " نَفْسَ " کا اضافہ کرکے " بَعِّدْ نَفْسَكَ وَ الْأَسَدَ " بھی اصل نکالی جاتی ہے۔[التسہیل السامی: ۳۰۷]۔

[۲] اِتَّقِكَ وَالْأَسَدَ اور بَعِّدْ الطَّرِیْقَ اصل نکالنے کے بجائے بَعِّدْ نَفْسَكَ وَالْأَسَدَ اور اِتَّقِ الطَّرِیْقَ اصل نکالنا زیادہ مناسب ہے، کیوں کہ " اَلْاِتِّقَاءُ " مصدر لازم ہے اس کا معنی پہلی مثال میں منطبق نہیں ہوتا، اور " بَعِّدِ الطَّرِیْقَ " میں راستہ کو دور کیا جا سکتا نہیں ہے[شرح جامی، غایۃ التحقیق، حبیبیہ شرح کافیہ]۔ پھر "اِتَّقِ الطَّرِیْقَ" میں " اَلطَّرِیْقَ " یا تو منصوب بنزع الخافض ہے یا حذف ایصال کے قبیل سے ہے، اصل میں "اِتَّقِ عَنِ الطَّرِیْقِ " ہے[التسہیل السامی: ۳۰۸]۔ منصوب بنزع الخافض اور حذف ایصال کی تفصیل کے لیے وافی: ۱۶۲ ج ۲ ملاحظہ ہو۔

[۳] اگر محذر منہ بجائے مکرر ہونے کے معطوف علیہ و معطوف کی صورت ہو تو وہ بھی اسی قسم میں شامل ہے، جیسے: ﴿نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقْیَاهَا﴾ [شرح شذور الذہب]

بَعِّدْ الطَّرِيْقَ " تھا (راستہ سے دور رہ)۔

××× **تنبیہ**: " إِيَّاكَ وَ الْأَسَدَ " کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں: " إِيَّاكَ مِنَ الْأَسَدِ "، لیکن " إِيَّاكَ الْأَسَدَ " کہنا درست نہیں۔[۱]

سبق۔ ۲۵

باقی ماندہ مفعول:

۲۔ **مفعول مطلق**: وہ مصدر ہے جو فعل کے بعد آئے[۲]، اور اس کا مادّہ (یعنی مصدر) فعل کا ہم معنیٰ ہو، جیسے: ضَرَبْتُ ضَرْبًا، قَعَدْتُ جُلُوْسًا۔

﴿**فائدہ**﴾: یہ مفعول تین طرح سے مستعمل ہوتا ہے۔

۱۔ تاکیدِ فعل کے واسطے[۳]، جیسے: اوپر کی مثال میں مذکور ہوا۔[۴]

۲۔ بیانِ نوع کے واسطے، جیسے: جَلَسْتُ جِلْسَةَ الْقَارِيْ (میں قاری کی نشست بیٹھا)۔[۵]

۳۔ بیانِ عدد کے واسطے، جیسے: جَلَسْتُ جَلْسَةً (میں ایک نشست بیٹھا)۔

××× **ق**: جب قرینہ پایا جائے تو مفعول مطلق کے پہلے فعل محذوف ہوتا ہے، جیسے: - باہر سے آنے والے کے واسطے کہیں - " خَيْرَ مَقْدَمٍ "، اس پر " قَدِمْتَ " محذوف ہے (آپ کا آنا باعث خیر و برکت ہے)، اور دعا کے موقع پر کہتے ہیں: " رَعْيًا " اور مراد یہ ہوتی ہے: " رَعَاكَ اللّٰهُ رَعْياً " (اللہ آپ کا حامی و مددگار رہو)۔

۳۔ **مفعول فیہ**: وہ زمان یا مکان جس میں فعل واقع ہو، اس کو ظرف بھی

---

[۱] کیوں کہ " إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ " میں محذر منہ اسم صریح ہے، اور اسم صریح سے پہلے " مِنْ " کو مقدر ماننا کلام عرب میں ممنوع ہے۔[غایۃ التحقیق]۔ [۲] کچھ مواقع میں پہلے بھی آتا ہے۔[القواعد الاساسیہ، جامع الدروس العربیہ]

[۳] تاکید کے واسطے ہونے کی پہچان یہ کہ مصدر کے معنی ومفہوم میں فعل کے معنی ومفہوم کے مقابلہ میں کوئی زیادتی نہ پائی جائے، اگر مصدر کے معنی ومفہوم میں فعل کے معنی ومفہوم کے بنسبت کمی یا زیادتی پائی جائے تو بیان تاکید کے لیے نہیں کہا جائے گا، اگر اس میں عدد کا مفہوم پایا جاتا ہو تو بیان عدد کے واسطے، ورنہ بیان نوع کے واسطے کہا جائے گا۔[ہدیۃ النحو:۳۲]۔

[۴] قرآن مجید میں ہے: ﴿كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾ (بات کی اللہ تعالی نے موسیٰ سے بول کر)، یہاں یہ احتمال تھا کہ وحی کرنے، یا الہام کرنے کو بات کرنے سے تعبیر کر دیا گیا ہو؛ مفعول مطلق نے اس احتمال کو دور کر دیا۔

[۵] قرآن مجید میں ہے: ﴿أَخَذْنَاهُمْ أَخْذَ عَزِيْزٍ مُقْتَدِرٍ﴾۔

کہتے ہیں، اس کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ظرف زمان: جس میں وقت کے معنی ہوں، **جیسے**: صُمْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ (میں نے جمعہ کے دن روزہ رکھا)، سِرْتُ حِيْنًا (میں ایک مدت تک چلا)۔

۲۔ ظرف مکان: جس میں جگہ کے معنی ہوں، **جیسے**: قُمْتُ خَلْفَكَ (میں تیرے پیچھے کھڑا ہوا)، جَلَسْتُ فِيْ الدَّارِ (میں گھر میں بیٹھا)۔

××× **ق: ظرف زمان خواہ محدود ہو، یا غیر محدود**[۱] **یہ دونوں " فِـــيْ " کے مقدر**[۲] **ہونے سے منصوب ہوتے ہیں، جیسے**: سَافَرْتُ شَهْرًا، قُمْتُ دَهْرًا، أَيْ: فِيْ شَهْرٍ، وَ دَهْرٍ، **لیکن ظرفِ مکان محدود میں " فِيْ " کا ذکر کرنا ضروری ہے**[۳]، **جیسے**: جَلَسْتُ فِيْ الدَّارِ، فِيْ السُّوْقِ، فِيْ الْمَسْجِدِ، [**اس جگہ " جَلَسْتُ الدَّارَ " وغیرہ نہیں کہہ**

[۱] غیر محدود یعنی جس کی کوئی حد متعین نہ ہو، اس کو ظرف مبہم بھی کہا جاتا ہے۔

[۲] یہاں دو باتوں کا ذہن نشین رکھنا ضروری ہے: **۱۔** زمان اور مکان پر دلالت کرنے والے کلمات کا مفعول فیہ بننا۔ اس میں تمام نحات کا اتفاق ہے کہ: یہ کلمات اس وقت مفعول فیہ بن سکتے ہیں جب کے وہ "فِيْ" کی تقدیر کو قبول کر سکتے ہوں (یعنی "فِيْ" کے ذکر کرنے سے معنی میں کوئی خرابی لازم نہ آتی ہو)، جیسے: صُمْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ /فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ۔ اگر "فِيْ" کی تقدیر کو قبول نہ کر سکتے ہوں تو مفعول فیہ نہیں بن سکتے، جیسے: ﴿وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ﴾ یہاں "فِـــيْ" کے ذکر کرنے سے معنی میں خرابی لازم آتی ہے، کیوں کہ " انذار کا حکم " وقوع قیامت کے پہلے کا ہے، وقوعِ قیامت کے دن میں نہیں، لہٰذا " يومَ الآزفة "مفعول بہ ہے، مفعول فیہ نہیں ہوگا۔ اور " يَوْمُ الْجُمُعَةِ يَوْمٌ مُبَارَكٌ " میں بھی خرابی لازم آتی ہے، (کیوں کہ " فِـــيْ "کو ذکر کرنے سے جمعہ کا دن مبارک نہ رہے گا، بلکہ دوسرا کوئی دن مبارک ہوگا جس میں جمعہ واقع ہوگا، یہ خلاف حقیقت ہے)، لہٰذا" يَوْمُ الْجُمُعَةِ " مبتدا ہے، اور "يَوْمٌ مُبَارَكٌ " خبر ہے، نہ کہ عاملِ محذوف کا مفعول فیہ۔ [شرح ابن عقیل، شرح شذور الذہب]۔ **۲۔** مفعول فیہ کا منصوب ہونا۔ اس میں اختلاف ہے: صاحب کافیہ اور صاحب ہدایۃ النحو فرماتے ہیں: "فِيْ" مقدر ہو (یعنی لفظاً مذکور نہ ہو) تو مفعول فیہ منصوب ہوگا، اور اگر "فِيْ" لفظوں میں مذکور ہو تو لفظاً مجرور ہوگا مگر محلاً وہ مفعول فیہ کہا جائے گا، اس کو "مفعول بہ متعدی بحرف جر" نہیں کہیں گے۔ جمہور نحات فرماتے ہیں: اگر " فِـــيْ " لفظوں میں مذکور ہو تو اس کو مفعول فیہ نہیں کہا جائے گا، بلکہ اب وہ "مفعول بہ متعدی بحرف جر" کہا جائے گا۔ حاصل یہ کہ ان کے نزدیک مجرور کلمہ مفعول فیہ نہیں ہوسکتا ہے، البتہ وہ " مفعول بہ متعدی بحرف جر" ہوسکتا ہے، جیسے: ﴿ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ﴾ میں "ذَهَبَ" لازم ہے، اور " نُوْرِهِمْ " مفعول بہ متعدی بحرف جر واقع ہے۔ [غایۃ التحقیق ۱۸۰]

[۳] مگر ظرفِ مکان غیر محدود میں "فِيْ" کا ذکر کرنا ضروری نہیں ہے، جیسے: قُمْتُ أَمَامَكَ۔

سکتے]، البتہ بابِ " دَخَلْتُ "[۱] کے بعد یہ الفاظ بلحاظ وسعتِ کلام کے[۲] منصوب مستعمل ہوتے ہیں[۳]، جیسے: دَخَلْتُ الدَّارَ وَ الْمَسْجِدَ وغیرہ۔

۴۔ **مفعول لہ**[۴]: وہ اسم ہے جس کے سبب سے فعل واقع ہو، جیسے: ضَرَبْتُہٗ تَادِیْبًا (میں نے اس کو ادب دینے کے واسطے مارا)، اس جگہ " تادیباً " مفعول لہ ہے، ایسا ہی حَارَبْتُ شُجَاعَۃً (میں بسبب شجاعت کے لڑا)۔

[۱] باب دخلت سے مراد ایسے افعال ہیں جن کے مصدر " فُعُولٌ " مصدر لازم کے وزن پر ہوں اور ان کے بعد آنے والا ظرف " مکانِ محدود " ہو، مثلاً: نُزُول، سُکُون، دُخُول، قُعُود، جُلُوس، مُرُور وغیرہ میں ﴿دَخَلَ المدینۃ علی حینِ غفلۃٍ﴾، نَزَلْتُ الْوَادِيَ، سَکَنْتُ الدَّارَ، أَتَیْتُ الْمَدِیْنَۃَ، أَمُرُّ الدِّیَارَ کلامِ عرب میں مستعمل ہیں۔[حاشیہ کافیہ، حبیبیہ شرح کافیہ، کتاب الصرف سبق: ۶۸، المعجم المفصل: ۱۰۷۷]، ان مکان محدود کو مفعولِ بہ بھی کیا گیا ہے۔

[۲] یعنی کلام عرب میں ان کا استعمال " فِيْ " کے حذف کے ساتھ کثرت سے وارد ہوا ہے۔

[۳] اور یہ کلمات مفعول فیہ واقع ہوتے ہیں، کیوں کہ باب دخلت کے بعد واقع ہونے والے ظروف مکان محدود کو ظروف مکان مبہم (غیر محدود) پر محمول کیا گیا ہے، لہٰذا ظروف مکان مبہم کا حکم ان پر بھی جاری ہوگا اور یہ کلمات بھی " فِيْ " کی تقدیر پر مفعول فیہ ہوں گے؛ یہ اصح قول ہے۔ بعض نحات نے " دَخَلَ، یَدْخُلُ " کو متعدی مانا ہے اور اس کے بعد آنے والے کلمات کو مفعول بہ قرار دیا ہے، مگر یہ قول غیر اصح ہے [غایۃ التحقیق]۔ دیگر بعض نحات نے ان کو منصوب بنزع الخافض کہا ہے (یعنی عاملِ جار کو حذف کر دیا گیا ہے اس وجہ سے نصب آیا ہے) [شرح ابن عقیل: ۲۸۲، النحو الوافی: ۱۶۲ ج ۲]۔

[۴] مفعولِ لہ بننے کے لیے چند شرائط ہیں **۱۔** وہ مصدر ہو۔ **۲۔** معلَّل لہ (یعنی فعل) کا اور اس مصدر کا فاعل ایک ہو۔ **۳۔** دونوں کا زمانہ ایک ہو، یا قریب قریب ہو۔ **۴۔** وہ مصدر فعل کی علت بھی بن رہا ہو، (یعنی " لِمَ فَعَلْتَ؟ " کے جواب میں اس کو ذکر کرنے سے معنًا کوئی فتور پیدا نہ ہو)، بایں شرط " عَظَّمْتُ الْعُلَمَاءَ تَعْظِیْمًا " میں فتور پیدا ہوتا ہے اس لیے مفعول مطلق واقع ہے (میں نے علماء کی صحیح قدر دانی کی)، [کافیہ، شرح شذور الذہب، شرح ابن عقیل، جامع الدروس العربیہ ۴۵ ج ۲]۔ مذکورہ شرائط کے ساتھ مفعول لہ منصوب اس وقت ہوگا جب کہ حرف تعلیل مقدر (لفظوں میں مذکور نہ) ہو، اگر لفظوں میں مذکور ہو تو صاحب کافیہ اور صاحب ھدایۃ النحو کے نزدیک وہ کلمہ لفظا مجرور مگر محلا مفعول لہ واقع ہوگا۔ اور جمہور نحات کے نزدیک وہ مفعول لہ نہیں ہوگا، بلکہ مفعول لہ غیر صریح کہا جائے گا۔ نیز اگر مذکورہ شرائط سے کوئی ایک شرط نہ پائی جائے تو حرف تعلیل کا ذکر کرنا ضروری ہوگا، اس وقت مفعول لہ غیر صریح ہوگا، جیسے: دَخَلَتِ امْرَأَۃٌ نِ النَّارَ فِيْ ھِرَّۃٍ......، جِئْتُكَ لِلْماءِ وَ الْعُشْبِ ان دونوں میں مصدر نہیں ہے، جِئْتُكَ الْیَوْمَ لِلسَّفَرِ غَداً اس میں زمانہ ایک نہیں ہے، قُمْتُ لِاِکْرَامِكَ اِیَّايَ اس میں فاعل الگ الگ ہے۔[شرح شذور الذہب، شرح ابن عقیل، وافی ۲۳۶ ج ۲، جامع الدروس العربیہ ۴۶ ج ۳]۔ ترجمہ:- ایک عورت بلّی کے سبب آگ میں داخل ہوئی، میں گھاس پانی کی تلاش کے لیے آپ کے پاس آیا، آئندہ کل سفر درپیش ہونے کی وجہ سے آج میں آپ کے پاس آیا، آپ نے میرا اکرام کیا تھا اس وجہ سے میں کھڑا ہوا۔

۵۔ **مفعول معہ**: وہ اسم ہے جو " واو" بمعنی مع کے بعد فاعل یا مفعول کی مصاحبت[۱] کے واسطے آئے، جیسے: جَاءَ الْبَرْدُ وَالطَّيَالِسَةَ (جاڑا چادروں کے ساتھ آیا)، اس جگہ " الطَّيَالِسَةَ " مفعول معہ ہے، ایسا ہی کَفَاكَ وَ زَيْدًا دِرْهَمٌ (تجھ کو زید سمیت ایک درہم کافی ہو گیا)۔

سبق۔ ۲۶

حال: وہ اسم ہے جو فاعل، مفعول بہ یا دونوں کی ہیئت کو بیان کرے، جیسے: جَاءَ زَيْدٌ رَاكِباً (زید آیا اس حال میں کہ وہ سوار تھا)، [اس جگہ " رَاكِباً " نے زید کی ہیئتِ فاعلیت کو بیان کیا]، ضَرَبْتُ زَيْدًا مَشْدُوْدًا (میں نے زید کو مارا بحالیکہ وہ بندھا ہوا تھا)، [اس جگہ " مَشْدُوْدًا " نے زید کی حالتِ مفعولیت کو بیان کیا]، لَقِيْتُ زَيْدًا رَاكِبَيْنِ (میں زید سے ملا اس حال میں کہ ہم دونوں سوار تھے)، [اس جگہ " رَاكِبَيْنِ" دونوں سے حال ہے]۔

﴿**فائدہ**﴾: فاعل اور مفعول کو ذوالحال (صاحبِ حال) کہتے ہیں۔[۲]

ق: حال ہمیشہ نکرہ[۳] اور ذوالحال اکثر معرفہ ہوتا ہے، لیکن جب ذوالحال نکرہ[۴] ہو تو

---

[۱] مصاحبت کا مطلب یہ ہے کہ مفعول معہ حصول فعل (مصدری معنی حاصل ہونے) کے زمان میں یا مکان میں فاعل یا مفعول کے ساتھ موجود ہو، خواہ وہ دونوں حکم میں شریک نہ ہوں، جیسے: سِرْ وَ الطَّرِيْقَ، یا حکم میں شریک ہوں، جیسے: جِئْتُ وَ سَعِيْدًا۔ نوٹ:- معطوف کو معطوف علیہ کے ساتھ حکم میں شرکت تو پائی جاتی ہے، مگر مصاحبت زمانی و مکانی ان میں ضروری نہیں ہے۔[شرح جامی، وافی: ۳۰۵ ج ۲ مفہوماً] حروف کے بیان میں " واو " کا حاشیہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

[۲] فاعل اور مفعول کبھی معنوی بھی ہوتے ہیں (یعنی ترکیب میں فاعل یا مفعول نہیں ہوتے مگر جملے کے معنی و مفہوم میں غور کیا جائے تو فاعل یا مفعول بنانا صحیح ہو جاتا ہے)، جیسے: هٰذَا زَيْدٌ قَائِماً، اسم اشارہ "أُشِيرُ" کے معنی میں ہے اور "زید" مفعول بہ ہے[ہدایۃ النحو]

[۳] اگر معرفہ ہو تو بھی نکرہ کی تاویل میں ہوگا، جیسے: مَرَرْتُ بِزَيْدٍ وَحْدَه أَيْ: مُنْفَرِدًا (میں زید کے پاس سے گذرا اس حال میں کہ وہ تنہا تھا)، أَرْسَلَهَا الْعِرَاكَ أَيْ: تَعْتَرِكُ الْعِرَاكَ۔ (فعل مع فاعل و مفعول مطلق- جملہ فعلیہ- حال واقع ہے جو نکرہ کا حکم رکھتا ہے)، یا اَلْعِرَاكَ " مُعْتَرِكَةً " کے معنی میں ہے۔[کافیہ: حاشیہ ۱۴] ترجمہ: اس نے (حمر وحشی نے) ان کو (اپنی مادنیوں کو) پانی پر چھوڑ دیا اس حال میں کہ وہ ایک دوسرے میں گھسی جا رہی تھیں۔

[۴] یہاں نکرہ سے مراد نکرہ محضہ ہے، ورنہ نکرہ مخصصہ ذوالحال واقع ہو تو تقدیم ضروری نہیں ہے، جیسے: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ عَالِمٍ قَائِمًا (میں ایک عالم مرد کے پاس سے گذرا دراں حالیکہ وہ کھڑا تھا)۔[ہدایۃ النحو حاشیہ: ۳۹]

حال کومقدم لانا واجب ہے، جیسے: جَاءَ نِيْ رَاكِبًا رَجُلٌ (میرے پاس ایک شخص سوار ہوکر آیا)۔

ق: کبھی حال جملہ اسمیہ ہوتا ہے، اس وقت "واو اور ضمیر" کا یا صرف "واو" [۱] کا اس میں ہونا ضروری ہے، جیسے: ﴿لَا تَقْرَبُوْا الصَّلٰوةَ وَ أَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾، كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ۔

ق: جب حال جملہ فعلیہ ہو اور فعل اس میں مضارع مثبت ہو [۲] تو صرف ضمیر اس میں کافی ہے، جیسے: جَاءَ زَيْدٌ يَسْعٰى (زید دوڑتا ہوا آیا)۔

ق: جب فعل ماضی مثبت حال ہو تو اس پر " قَدْ " [۳] کا آنا ضروری ہے، جیسے: جَاءَ زَيْدٌ قَدْ خَرَجَ غُلَامُهٗ۔

❁ **تمیز:** ایک اسم نکرہ ہے جو کسی مبہم شی کے بعد اس کے ابہام اور پوشیدگی کو دور کرے، جیسے: جَلَّ زَيْدٌ نَسَبًا (زید از روئے نسب بزرگ ہوا)، ﴿فَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُوْنًا﴾ (ہم نے زمین کو از روئے چشموں کے جاری کیا)، [ان مثالوں میں " نَسَبًا " اور " عُيُوْنًا " تمیز ہیں] [۴]

فائدہ: تمیز صرف فعلوں کا معمول نہیں، بلکہ اسم تام [۵] کا بھی معمول ہوتی ہے، یہ کبھی مفرد مقدار [۶] سے آتی ہے، جیسے: عِشْرُوْنَ رَجُلًا (بیس آدمی [۷])، قَفِيْزَانِ

---

[۱] صرف ضمیر کا ہونا صاحب کافیہ نے ضعیف لکھا ہے، مگر آیات قرآنیہ میں صرف ضمیر کا استعمال وارد ہے: ﴿تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللهِ وُجُوْهُهُمْ مُسْوَدَّةٌ﴾، ﴿وَاللهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِه﴾۔ [مغنی ۵۰۵ ج:۲، شرح ابن عقیل ۳۱۶]

[۲] اگر فعل مضارع منفی ہو یا فعل ماضی مثبت یا منفی ہو تو اس میں " واو اور ضمیر " کا یا صرف " واو " کا یا صرف " ضمیر " کا ہونا ضروری ہے۔ یہ کل نو صورتیں ہوں گی، جن کی امثلہ شرح ابن عقیل: ۳۱۶ میں ملاحظہ ہوں۔

[۳] خواہ تقدیراً ہو، جیسے: ﴿جَاءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ﴾ أَيْ: قد حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ۔ [کافیہ]

[۴] یہاں " جَلَّ " فعل کی نسبت " زيدٌ " کی طرف ہے، اس میں بایں معنی ابہام تھا کہ: زید کا بزرگ ہونا مختلف اعتبار سے ہوسکتا ہے، مثلاً: علم و معرفت، مال و دولت، جود و سخاوت، حسن و جمال، حسب و نسب وغیرہ؛ " نَسَباً " نے اس ابہام کو دور کر دیا۔ **اس تمیز کو تمیز جملہ یا تمیز محول کہتے ہیں۔** [۵] **اسم تام:** اسم کے ایسی حالت میں ہونے کہتے ہیں کہ اس کے ہوتے ہوئے اس کو مضاف نہ بنایا جا سکے، ایسا اس وقت ہوتا ہے جب اس کے آخر میں تنوین ہو، یا نونِ تثنیہ یا نونِ جمع ہو، یا وہ خود حالتِ اضافت میں ہو، مثالیں کتاب میں مذکور ہیں۔

[۶] مقدار یعنی بعض کلمات ایسے ہیں ان کے معانی میں وضع یا عرف کے اعتبار سے خاص تعیین و تحدید ہے، مثلا:

بُرًّا (دو پیمانے گیہوں)، رِطْلٌ زَيْتًا (آدھا سیر روغن زیتون)، مِلْئُهٗ عَسْلًا [١](اس کے برابر بھرا ہوا شہد)، مِتْـرٌ ثَوْبًـا (ایک میٹر کپڑا)، کبھی مفرد غیر مقدار سے، جیسے: خَـاتَمٌ فِضَّةً، مگر اس کو مجرور باضافت پڑھتے ہیں، یعنی " خَاتَمُ فِضَّةٍ " (چاندی کی انگوٹھی)۔

سبق ۔ ۲۷

مستثنیٰ: وہ اسم ہے جس کو "إِلَّا" یا اس جیسے الفاظ استثناء کے ساتھ ماقبل کے حکم سے خارج کریں، جیسے: جَاءَ نِـيْ الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا (میرے پاس قوم آئی مگر زید نہیں آیا)، اس میں زَیْد: **مستثنیٰ** ہے، [جو قوم میں داخل تھا، مگر "إِلَّا" کے ساتھ اس سے الگ ہوا اور آنے کا حکم جو قوم پر جاری تھا اس سے مستثنیٰ ہوگیا]، اور "قَوْم" **مستثنیٰ منه** ہے، یعنی وہ اسم جس سے کوئی چیز الگ کی گئی ہو۔

﴿فائده﴾: الفاظ استثناء دس ہیں: غَيْـر، سِوٰى، سَواء، حَاشا، خَلَا، عَدَا، مَاخَلَا، مَاعَدَا، لَيْسَ، لَايَكُوْن۔

مستثنیٰ کی دو قسمیں ہیں: **١۔ متصل:** جو مستثنیٰ منہ کی جنس [٢] سے ہو، جیسے اوپر کی مثال میں "زید" قوم کی جنس سے تھا۔ **٢۔ منقطع:** [٣] جو مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہ ہو، جیسے: جَاءَ نِيْ الْقَوْمُ إِلَّا حِمَاراً (میرے پاس قوم آئی مگر گدھا نہیں آیا)، [اس میں حِماراً مستثنیٰ قوم کی جنس سے نہیں]۔

ق: مستثنیٰ منقطع ہمیشہ منصوب ہوتا ہے، جیسے: جَاءَ الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا۔

اعداد (واحدٌ، عشرۃٌ وغیرہ)، اوزان (گرام، کیلو، کوئنٹل)، کیل یعنی گنجائش (لیٹر، گیلن)، مساحت (مربع فٹ، مربع میٹر، بیگھا، ایکڑ)، مسافت (انچ، فٹ، میٹر، کیلومیٹر) وغیرہ، مقادر کے استعمال سے لین دین میں سہولت ہوتی ہے۔

[۷] "عشرون، قفیزان، رطلٌ، مترٌ" وغیرہ کی ایک متعین مقدار ہے، مگر یہ متعین مقدار کس چیز کی ہوگی؟ اس میں ابہام تھا، ان کی تمیزوں نے اس ابہام کو دور کر دیا ہے۔ **اس کی تمیز کو تمیزِ مفرد کہا جاتا ہے۔**

[١] اور علیٰ التمرۃِ مِثْلُها زُبَدًا، یہ دونوں شبہ مقدار (مقیاس) کی مثالیں ہیں، جس میں تعیین وتحدید ہوتی ہے مگر وضعی نہیں ہوتی، بلکہ متکلم یا مخاطب کسی چیز کو متعین کر کے اس کے بقدر ہونے کا تخمینہ بتلا دتے ہیں جسے متکلم اور مخاطب بخوبی سمجھ لیتے ہیں۔ [٢] یہاں جنس سے مراد جنس منطقی نہیں ہے، بلکہ عرفِ عام میں مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے افراد میں شمار کیا جانا مراد ہے۔

ق: مستثنیٰ متصل جب " إِلَّا " کے بعد آئے، اور کلام مثبت تام ہو [یعنی نفی، نہی اور استفہامِ انکاری اس میں نہ ہو[١]] **تو منصوب ہوگا، جیسے:** ﴿فَشَرِبُوْا مِنْهُ إِلَّا قَلِيْلًا﴾۔

ق: اگر کلام غیر مثبت ہو تو اس کے اعراب کی دو صورتیں ہیں:

١۔ اگر مستثنیٰ منہ مذکور اور متصل ہو تو مستثنیٰ کو منصوب پڑھنا اور مستثنیٰ منہ کے موافق اعراب دینا [یعنی بدل بنانا] **دونوں جائز ہیں، جیسے:** ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ﴾[٢]، [اس جگہ " شُهَدَاءُ " کے لحاظ سے " إِلَّا أَنْفُسُهُمْ[٣]" کو مرفوع بھی پڑھتے ہیں]۔[٤]

٢۔ اگر مستثنیٰ مفرَّغ ہو [یعنی مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو] **تو پھر مستثنیٰ کا اعراب عامل کے مطابق ہوگا، جیسے:** ﴿فَهَلْ يُهلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُوْنَ﴾، ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ﴾، ﴿وَلَا تُجَادِلُوْا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ﴾۔

××× پہلی مثال میں " أَحَدٌ " مستثنیٰ منہ محذوف ہے جو نائب فاعل واقع ہوا ہے، اس واسطے "إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُوْنَ" مرفوع ہوگا، دوسری مثال میں " شَيْئاً " مستثنیٰ منہ محذوف ہے جو مفعول واقع ہوا ہے، اس واسطے " إِلَّا الْحَقَّ " منصوب ہوگا، اور تیسری مثال میں " بِشَيْءٍ" مستثنیٰ منہ محذوف ہے جو مجرور واقع ہوا ہے، اس واسطے "إِلّا بِالَّتِيْ" مجرور ہوگا۔

××× **ق: اگر مستثنیٰ لفظِ " خَلَا و عَدَا " کے بعد آئے تو اکثر منصوب ہوتا ہے**[٥]، **جیسے:** أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ، **اور اگر " غَيْر " اور "سِوٰى" و"سَواء" کے بعد آئے تو ہمیشہ مجرور ہوگا، جیسے:** ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِم﴾۔

---

[٣] یہ استدراک کا فائدہ دیتا ہے، اسی وجہ سے اس کا مستثنیٰ منہ کے ساتھ گہرا تعلق ہونا ضروری ہے۔[جامع الدروس:٣]

[١] یہ مثبت کا مطلب ہے، اور تام کا مطلب ہے: مستثنیٰ منہ بھی مذکور ہو۔[حاشیہ: ہدایۃ النحو]

[٢] بفتح السین [املاء ما من بہ الرحمٰن: سورة النور]۔[٣] بضم السین، یہی اعراب روایۃ حفص میں ہے۔

[٤] ﴿وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا امْرَأَتَك﴾ ابن کثیر اور ابو عمرو بصری "إِلَّا امْرَأَ تك" کو "أَحَدٌ " مستثنیٰ منہ کے لحاظ سے مرفوع پڑھتے ہیں، اور باقی قرّا مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھتے ہیں۔[البدور الزاہرہ: ١٥٧ از النحو القرآني:

سبق ۔ ۲۸

اسمائے اعداد کی تمیز کا بیان :

﴿**پہلی بحث**﴾ : [تمیز کے واحد، جمع اور اعراب کے متعلق][۱] [شرح شذور الذہب:۴۵۷]

اسمائے اعداد کی تمیز تین طرح سے آتی ہے:

۱۔ " ثَلٰثَةٌ سے عَشَـرَةٌ " تک مجرور اور مجموع خواہ عدد مذکر ہو یا مؤنث، جیسے: ﴿سَبْعَ لَيَالٍ وَ ثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ﴾ (سات راتیں اور آٹھ دن)۔

۲۔ " أَحَدَ عَشَرَ " سے " تِسْعٌ وَتِسْعُوْنَ " تک منصوب اور مفرد، جیسے: رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا (میں نے گیارہ ستارے دیکھے)، ﴿فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾ (اس سے بارہ چشمے پھوٹے)۔[۲]

۳۔ " مِـأَةٌ و أَلْفٌ " اور ان کے تثنیہ وجمع کی مجرور ومفرد، جیسے: عِنْدِيْ مِأَةُ دِرْهَمٍ وَ مِائَتَا ثَوْبٍ وَ مِآتُ فَرَسٍ وَ أَلْفُ بَقَرٍ وَ أَلْفَا عَبْدٍ وَ آلَافُ حِمَارٍ۔

××× **شعر:۔** ممیّز از عدد بر سہ جہت داں ❁ ز سہ تا دہ ہمہ مجموع ومکسور
××× زدہ تا صد ہمہ منصوب ومفرد ❁ ز صد برتر ہمہ فرد ست ومجرور

تنبیہ: " وَاحِدٌ اور اِثْـنَان " بغیر معدود (تمیز) کے مستعمل ہوتے ہیں، البتہ ان میں مذکر کی تاکید کے واسطے عددِ مذکر اور مؤنث کی تاکید کے واسطے عددِ مؤنث آتا ہے، جیسے: ﴿إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَاحِدٌ﴾، ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾[۳]۔[روایۃ النحو]

﴿**دوسری بحث**﴾ : [عدد ومعدود کی تذکیر وتانیث کے متعلق][۴] [شرح شذور الذہب:۴۵۷]

۱۔ " ثَلٰثَةٌ سے عَشَـرَةٌ " تک مذکر " ة " سے اور مؤنث بغیر " ة " کے خلافِ

۳۳۰] [۵] اور مَاخَلَا، مَاعَدَا، لَيْس، لَا يَكُوْن کے بعد بھی منصوب ہوتا ہے۔

[۱] کون سے اسمائے اعداد کی تمیز منصوب ہوگی اور کن کی مجرور ہوگی؟، کن کی مفرد ہوگی اور کی کی مجموع؟۔

[۲] قرآن مجید میں ہے: ﴿وَ وَاعَدْنا موسى ثلاثين ليلةً وَ أتممناها بِعَشْرٍ فتمَّ ميقاتُ ربِّهٖ أرْبَعِيْن ليلةً﴾ ، ﴿إِنَّ هٰذا أَخِيْ لَهٗ تِسْعٌ وَ تِسْعُوْنَ نَعْجَةً﴾۔[شرح شذور الذہب:۴۵۹]

[۳] ﴿إِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ﴾، ﴿نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ﴾۔ واحدُ رجلٍ، اثنا رجلَيْنِ نہیں کہا جائے گا، کیوں کہ خود معدود کا

قیاس آتا ہے، جیسے: ثَلٰثَةُ رِجَالٍ، ثَلٰثُ نِسَاءٍ۔[۱]

۲۔ "أَحَدَ عَشَرَ اور اِثْنَا عَشَرَ" **کی تذکیر و تانیث موافقِ قیاس ہوتی ہے،** **جیسے:** أَحَدَ عَشَرَ رَجُلًا، إِحْدٰى عَشَرَةَ امْرَأَةً۔[۲]

۳۔ "ثَلٰثَةَ عَشَرَ سے تِسْعَةٌ وَتِسْعُوْنَ" **(۱۳ سے ۹۹) تک پھر خلافِ قیاس،** **جیسے:** "ثَلٰثَةَ عَشَرَ" **مذکر کے واسطے اور** "ثَلٰثَ عَشَرَةَ" **مؤنث کے واسطے۔**[۴]

﴿**تنبیہ**﴾: **اس ترکیب میں مذکر کے لیے** "عَشَرَ" **اور مؤنث کے لیے** "عَشَرَةَ" **کا استعمال قائم رہے گا۔**

﴿**فائدہ**﴾: **عقود (یعنی دہائیوں[۳]) میں مذکر اور مؤنث دونوں برابر ہوتے ہیں، جیسے:** عِشْرُوْنَ رَجُلاً وَ عِشْرُوْنَ امْرَأَةً۔

ق: عقود کے ساتھ جب اکائی لگائی جائے تو" واو" عاطفہ بڑھایا جاتا ہے، جیسے: أَحَدٌ وَعِشْرُوْنَ رَجُلاً، إِحْدٰى وَعِشْرُوْنَ امْرَأَةً۔

سبق ۔ ۲۹، ۳۰

مجرورات:

مجرور: وہ اسم ہے جس کو بواسطۂ حرف جر "زیر" آئے، اس کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ اگر حرف جر لفظ میں ظاہر ہو تو اس کو جار- مجرور کہتے ہیں، جیسے: فِيْ الدَّارِ،

لفظ واحد اور تثنیہ پر دلالت کرتا ہے تو عدد کا ذکر کرنا فضول اور لغو ہوگا۔ [شرح شذور الذہب: ۴۵۸، ہدایۃ النحو: حاشیہ ۶۹]

[۴] کون سے عدد معدود کی تذکیر و تانیث موافقِ قیاس ہوگی؟، کہاں مخالفِ قیاس؟۔

[۱] قرآن مجید میں ہے: ﴿آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا﴾ [مریم: ۱۰]، ﴿فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ﴾، ﴿سَبْعَ لَيَالٍ وَ ثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ﴾ ۔

[۲] قرآن مجید میں ہے: ﴿فَانْفَجَرَتْ مَنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾، ﴿وَبَعَثْنا منهمُ اثْنَىْ عَشَرَ نَقِيْباً﴾ ۔ **یہی حکم ہر** اس "وَاحِدٌ اور اِثْنَانِ" **کا ہے جو دہائی کے ساتھ آتے ہیں، جیسے: ۲۱-۲۲، ۳۱-۳۲، ۴۱-۴۲، ۵۱-۵۲، ۶۱-۶۲، ۷۱-۷۲، ۸۱-۸۲، ۹۱-۹۲ میں، جیسے:** أَحَدٌ وَعشرُون، إِحْدٰى وَعشرُون، أَحَدٌ وَ ثَلَاثُوْن، إِحْدٰى وَ ثَلَاثُوْن۔

[۳] عشرُون، ثلثُون، أربعون، خمسون، ستّون، سبعون، ثمانون، تسعون؛ دہائی کہیں جاتے ہیں۔

[اس میں " فِيْ " جار ہے اور " الدّار " مجرور ہے]۔ حروفِ جارہ اسم کے خواص میں ملاحظہ ہوں

۲۔ اگر حرف جر لفظ میں ظاہر نہ ہو تو اس کو مضاف - مضاف الیہ کہتے ہیں، جیسے: کِتَابُ زَیْدٍ، [اس میں " کِتَابُ " مضاف اور " زَیْدٍ " مضاف الیہ ہے، گویا مضاف کے بعد " ل " حرف جر چھپا ہوا ہے جو مضاف الیہ کو " جر " دیتا ہے]۔

ق: مضاف الیہ ہمیشہ مجرور ہوتا ہے، مگر مضاف کا اعراب عامل کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے، [کبھی اس کو " رفع " آتا ہے، کبھی " نصب " اور کبھی " جر "]، مثلا:

۱......ذَهَبَ صَاحِبُ الْكَرَمِ (صاحب بخشش گیا)، [اس جگہ " صاحِبُ " مضاف اور فاعل ہے اس واسطے اس کو " رفع " آیا]۔

۲......قَرَأَ خَالِدٌ كِتَابَ اللّٰهِ (خالد نے خدا کی کتاب پڑھی)، [اس جگہ " كِتَابَ " مضاف اور مفعول ہے اس واسطے اس کو " نصب " آیا]۔

۳......مَرَرْتُ بِوَلَدِ الرَّشِيْدِ (میں رشید کے بیٹے کے پاس سے گذرا)، [اس جگہ " وَلَدِ " مضاف اور مجرور ہے اس واسطے اس کو " جر " آیا]۔

ق: مضاف ہمیشہ " أل " تعریف سے خالی ہوتا ہے، اور اضافت کے وقت تنوین، نونِ تثنیہ و نونِ جمع اس سے گر جاتا ہے، جیسے: خَرَجَ غُلَامَا زَيْدٍ (زید کے دو غلام نکلے) [" غُلَامَا " اصل میں " غُلامَانِ " تھا]، جَاءَ مُسْلِمُوْ مِصرَ (مصر کے مسلمان آئے) [" مُسْلِمُوْ " اصل میں " مُسْلِمُوْنَ " تھا]۔

اضافت کی دو قسمیں ہیں: لفظی و معنوی۔

۞ **۱۔ اضافت معنوی:** جس میں اسم فاعل، اسم مفعول اور صفت مشبہ کے سوا کوئی اور اسم، مضاف ہو[۱]۔ یہ اضافت بتقدیر حرف جر تین طرح سے آتی ہے:

---

[۴] قران مجید میں ہے: ﴿عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ (مَلَكًا)﴾، ﴿ لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُوْنَ نَعْجَةً ﴾۔

[۱] یعنی مضاف اسم جامد ہو، جیسے: غُلَامُ زَيْدٍ، (یا اسم مشتق ہو، جیسے: مَسْجِدُ الْقَرْيَةِ، مِفْتَاحُ الْقُفْلِ)، یا مصدر ہو، جیسے: ضَرْبُ زَيْدٍ، یا صیغۂ صفت ہو مگر وہ اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو، جیسے: كَرِيْمُ الْبَلَدِ، مُصَارِعُ مِصْرَ[شرح

١۔ تقدیرِ "مِنْ" سے، **جب کہ مضاف الیہ جنسِ مضاف سے ہو** [١]، **جیسے**: خَاتَمُ فِضَّةٍ [**یعنی** خَاتَمٌ مِنْ فِضَّةٍ]۔ [١] یعنی مضاف الیہ عام خاص من وجہٍ ہو اور مضاف کے لیے اصل ہو۔ [شرح جامی]

٢۔ تقدیرِ "فِيْ" سے، **جب کہ مضاف الیہ ظرف ہو، جیسے**: ضَرْبُ الْيَوْمِ [**یعنی** ضَرْبٌ فِي الْيَوْمِ]۔

٣۔ تقدیرِ "لام" سے، **جب کہ اوپر کی دونوں صورتیں نہ ہوں، جیسے**: كِتَابُ زَيْدٍ [**یعنی** كِتَابٌ لِزَيْدٍ]۔

اس اضافت کا فائدہ یہ ہے کہ **اگر اسمِ نکرہ معرفہ کی طرف مضاف ہو تو تعریف حاصل کرتا ہے، جیسے**: كِتَابُ زَيْدٍ **اور نکرہ کی طرف مضاف ہو تو تخصیص، جیسے**: غُلَامُ رَجُلٍ۔

﴿تنبیہ﴾: **مگر لفظِ** "مِثْل، غَيْر، سِوَا" **اور ان کے اشباہ**[٢] **کے مضاف ہونے سے تعریف یا تخصیص نہیں ہوتی**[٣]، **جیسے**: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ غَيْرِ زَيْدٍ۔[٤]

۞٢۔ اضافت لفظی: **جس میں صفت کا صیغہ**[٥] **اپنے فاعل یا مفعول بہ کی طرف مضاف ہو، جیسے**: ضَارِبُ زَيْدٍ، حَسَنُ الْوَجْهِ **وغیرہ**۔

اس اضافت کا فائدہ صرف تخفیف لفظی ہے،[٦] [**یعنی تنوین وغیرہ گر جاتے**

شذور الذہب: ٣٢٧، درایۃ النحو]۔ معمول سے مراد فاعل اور مفعول بہ ہے۔ [القواعد الاساسیہ: ٢٠٩، غایۃ التحقیق]

[٢] اس سے "الاسماء المتوغلہ في الابہام" مراد ہیں، یعنی وہ کلمات جن میں بہت زیادہ ابہام پایا جاتا ہے، مثلاً: "نظیرٌ، شبهٌ، سوٰی" وغیرہ [النحو الوافی ٢٤: ج ٣]۔ [٣] لیکن ایک صورت میں: جبکہ لفظ "غَيْر" کا ماقبل مابعد سے متضاد مفہوم رکھتا ہو اور معرفہ ہو تو مفید تعریف ہوتا ہے، جیسے: عرفت العالمَ غيرَ الجاهل، .... الذين أنعمتَ عليهم غيرِ المغضوب [وافی: ٢٤ ج ٣]۔ [٤] اس مثال میں "رَجُلٍ" موصوف نکرہ ہے اور "غَيْرِ زَيْدٍ" تعریف و تخصیص حاصل نہ ہونے کی وجہ سے نکرہ ہے، اس لیے موصوف اور صفت میں مطابقت پائی جاتی ہے۔

[٥] صیغۂ صفت سے مراد اسم فاعل، اسم مفعول اور صفت مشبہ ہیں [شرح ابن عقیل: ٣٤٠ ج ١، شرح شذور الذہب]۔ اسم مبالغہ بھی صیغۂ صفت ہے مگر وہ اسم فاعل میں شامل ہے اس لیے مستقل شمار نہیں کیا گیا۔ [٦] تخفیف تین طرح حاصل ہو سکتی ہے: (١) مضاف سے بذریعہ حذف تنوین، یا بذریعہ حذف نون تثنیہ و جمع، جسے: ضَارِبُ زَيْدٍ، ضَارِبَا زَيْدٍ، ضَارِبُوْ زَيْدٍ۔ (٢) مضاف الیہ سے بذریعہ حذف ضمیر، جیسے: اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ، یہ اصل میں اَلْحَسَنُ وَجْهُهٗ تھا، "هٗ" کو حذف کر کے حَسَن میں مستتر مان لیا، (کیوں کہ استعمال فصیح میں صفت مشبہ بغیر رابط یعنی ضمیر کے مستعمل نہیں ہے [وافی: ٣٢،

ہیں، تعریف یا تخصیص حاصل نہیں ہوتی]، اسی واسطے اس میں مضاف پر" أل " بھی آجاتا ہے، جیسے: الضَّارِبُ الرَّجُلِ ،﴿وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ﴾۔

﴿اضافت کے چند اقسام﴾[۱]

ت]..... **۱۔ ﴿اضافة الموصوف إلى الصفة﴾**: موصوف صفت کی طرف -باوجودِقیام معنیٔ وصفی- مضاف نہیں ہوسکتا، [کیوں کہ ترکیبِ توصیفی اور ترکیبِ اضافی دوعلاحدہ علاحدہ چیزیں ہیں[۲] جوایک دوسرے کی جگہ مستعمل نہیں ہوسکتیں]۔ اور مَسْجِدُ الْجَامِعِ، جَانِبُ الْغَرْبِيِّ، صَلٰوةُ الْأُوْلٰى، بَقْلَةُ الْحَمْقَاءِ (خُرفہ)وغیرہ[مثالوں میں گوبظاہر موصوف صفت کی طرف مضاف ہے، مگر یہاں حقیقت میں موصوف کومحذوف مانا گیا ہے، یعنی یہ] الفاظ اصل میں " مَسْجِدُ الْوَقْتِ الْجَامِعِ، جَانِبُ الْمَكَانِ الْغَرْبِيِّ، صَلٰوةُالسَّاعَةِ الْأُوْلٰى، بَقْلَةُ الْحَبَّةِ الْحَمْقَاءِ " تھے، پس اس صورت میں یہ اضافت موصوف کی صفت کی طرف نہ ہوئی۔

ت]..... **۲۔ ﴿اضافة الصفة إلى الموصوف﴾**: ایسے ہی صفت موصوف کی طرف مضاف نہیں ہوسکتی۔ اور جَرْدَةُ قَطِيْفَةٍ (چادرِکہنہ)، أَخْلَاقُ ثِيَابٍ (پرانے کپڑے)، یہ اصل میں قَطِيْفَةٌ جَرْدَةٌ، ثِيَابٌ أَخْلَاقٌ تھا، [گوصفت کوموصوف پرمقدم کرکے مضاف کیا ہے،] مگراس جگہ "جَرْدَةٌ " اور " أَخْلَاقٌ " صفت نہیں، بلکہ مطلق اسم[۳] کے طورپر مستعمل ہیں[، اور "

۱۱۳ج ۳]، اورالحسن کو وجہ کی طرف مضاف کردیا، پھر حذف ضمیر کے عوض مضاف الیہ کے شروع میں"أل" لے آئے۔ (۳) یادونوں میں حاصل ہو، جیسے: حَسَنُ الْوَجْهِ، یہ اصل میں حَسَنٌ وَجْهُهٗ تھا، حَسَنٌ سے تنوین حذف ہوئی، اور وَجْهُه سے " ہٗ " حذف ہوئی، (جیسے نمبر دو میں مذکور ہوا) [حبیبیہ، حاشیہ هداية النحو]۔ نوٹ:-اگر تخفیف حاصل نہ ہوتو اضافت جائز نہیں ہے۔صفت مشبہ میں ملاحظہ ہو۔

[۱] اضافۃ الموصوف الی الصفۃ، اضافۃ الصفۃ الی الموصوف اور اضافۃ المترادفین کا عدم جواز نحات بصریین کا مذہب ہے، البتہ نحات کوفیین اس کے جواز کے قائل ہیں، ان کا استعمال قرآن مجید میں بھی وارد ہے: اول کی مثال﴿إِسْتِكْبَاراً فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّءِ﴾أَيْ: اَلْمَكْرَ السَّيِّءَ، وَقَدْ جَاءَ هٰذَا فِي الْقُرْآنِ﴿وَ لَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّءُ إِلَّا بِأَهْلِه﴾ دوم کی مثال﴿يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ﴾أَيْ: اَلْأَعْيُنَ الْخَائِنَةَ، سوم کی مثال﴿إِنَّ هٰذَا لَهُوَحَقُّ الْيَقِيْنِ﴾أَيْ: اَلْحَقُّ الْيَقِيْنُ۔[النحو القرآنی:۴۳۰]۔

[۲] کیوں کہ مرکب توصیفی میں موصوف اور صفت کا مصداق ایک ہوتا ہے، یعنی اس میں عینیت کی نسبت پائی جاتی ہے، اور مرکب اضافی میں مضاف اور مضاف الیہ کا مصداق الگ الگ ہوتا ہے، یعنی اس میں غیریت کی نسبت پائی جاتی ہے۔

قَـطِيْـفَةٍ“ و”ثِيَـابٍ“ ان کی تمیز ہیں، جو رفعِ ابہام کے واسطے اضافت کے طور پر مجرور آئی ہیں[۱]، [۳] پس یہ اضافت ممیِّز کی تمیز کی طرف ہے، نہ کہ صفت کی اضافت موصوف کی طرف]۔

××× ۳۔ ﴿اضافة المترادفَين﴾: جب ایک اسم دوسرے اسم کا ہم معنیٰ ہو، یا دونوں کا مصداق ایک ہو تو ان میں بھی اضافت جائز نہیں، کیوں کہ اس اضافت سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، مثلاً: أَسدٌ و لَيْثٌ (شیر)، مَنْعٌ وحَبْسٌ (روکنا)، إِنْسَانٌ و نَاطِقٌ (نوعِ انسانی)؛ پس لَيْثُ أَسَدٍ، أَسَدُ لَيْثٍ کہنا بے فائدہ ہوگا، [یہی حال باقی الفاظ کا ہے]۔

سبق ۔ ۳۱

اجزاء جملہ کی تقسیم بلحاظ رفع و نصب و جر:

××× [اوپر کے سبقوں میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ:] جملہ اسمیہ و فعلیہ کے اصلی جزء صرف دو ہوتے ہیں: **مسند الیہ** اور **مسند**، ان کے سوا باقی جس قدر ہوں وہ متعلقاتِ جملہ کہلاتے ہیں، ان میں سے بعض مرفوع ہوتے ہیں، بعض منصوب اور بعض مجرور۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ مرفوعات: یہ آٹھ ہیں: ۱۔ مبتدا، ۲۔ خبر، ۳۔ فاعل، ۴۔ نائب فاعل، ۵۔ کان اور اس کے اخوات کا اسم، ۶۔ إِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر، ۷۔ مَا و لَا مشابہ بلیس کا اسم، ۸۔ لائے نفی جنس کی خبر۔

۲۔ منصوبات: یہ بارہ ہیں: ۱۔ مفعول بہ، ۲۔ مفعول مطلق، ۳۔ مفعول فیہ، ۴۔ مفعول لہ، ۵۔ مفعول معہ، ۶۔ حال، ۷۔ تمیز، ۸۔ مستثنیٰ، ۹۔ کان اور

[۳] یعنی اسم صفت سے عرف عام میں ایسا اسم ذات مراد لیا جائے جو اس صفت سے متصف ہو، مثلا: جوّالٌ صیغۂ صفت (اسم مبالغہ) ہے بمعنی ”بہت زیادہ گھومنے والا“، لیکن موجودہ عرف میں بغیر کسی قید کے مطلق اسم (اسم ذات): موبائل کے معنی میں مستعمل ہے، اسی طرح مَسْحُوْقٌ صغیۂ صفت (اسم مفعول) ہے بمعنی ”پسا ہوا“، یہ بھی عرف میں اسم مطلق یعنی ”پوڈر (سفوف)“ کے معنی میں مستعمل ہے، مگر رفع ابہام کے واسطے جَوّالُ هَاتِفٍ (موبائل)، جوالُ سيّارَةٍ (گاڑی) اور مَسْحُوْقُ حِنَّاءٍ (مہندی)، مسحوقُ كُرْكُمٍ (ہلدی) بولا جاتا ہے، اور مسحوقُ الاسنان: توتھ پاؤڈر کو کہا جاتا ہے۔

[۱] کیوں کہ تمیز جب مفرد غیر مقدار سے ہو تو اس کو مجرور باضافت پڑھنا جائز ہے، وعن غير مقدار مثل

اس کے اخوات [ساتھیوں] کی خبر، ۱۰۔ إِنَّ اور اس کے اخوات [ساتھیوں] کا اسم، ۱۱۔ مَا و لَا مشابہ بلیس کی خبر، ۱۲۔ لائے نفی جنس کا اسم۔

۳۔ مجرورات: یہ دو ہیں: ۱۔ مضاف الیہ، ۲۔ مجرور بحرف جر۔

××× ﴿**فائدہ**﴾: منجملہ ان کے جہاں مسند الیہ اور مسند دونوں مرفوع ہیں (یعنی مبتدا و خبر) موجودہ کتب نحو میں ان کا بیان ایک جگہ: مرفوعات میں لکھا ہے، اور [جہاں ایک مرفوع، دوسرا منصوب ہے اس کو رفع نصب کے لحاظ سے دو جگہ: مرفوعات و منصوبات میں درج کیا ہے، یہ آٹھ ہیں:] ۱،۲۔ " کان " کا اسم مرفوعات میں اور خبر منصوبات میں، جیسے: كَانَ اللهُ غَفُوْراً ، ۳،٤۔ " إِنَّ " کا اسم منصوبات میں اور خبر مرفوعات میں، جیسے: إِنَّ زَيْداً قَائِمٌ ، ۵،٦۔ " مَا و لَا " مشابہ بلیس کا اسم مرفوعات میں اور خبر منصوبات میں، جیسے: مَا زَيْدٌ بَشَراً ، ۷،۸۔ " لائے نفی جنس" کا اسم منصوبات میں اور خبر مرفوعات میں، جیسے: لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ ۔ مگر اس کتاب میں تسہیل مطالب کی غرض سے ان آٹھوں کا بیان اپنے اپنے موقع پر سلسلہ وار درج کیا گیا ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

سبق۔۳۲ ﴿ مشقی حکایت ﴾

اس حکایت کا ترجمہ کرو اور مرفوعات، منصوبات اور مجرورات کو علیحدہ علیحدہ مع قسم کے بیان کرو۔

قِيْلَ: إِنَّ بَعْضَ الْأُدَبَاءِ مَرَّذَاتَ يَوْمٍ [۱] عَلٰى نَحْوِيٍّ يُدَرِّسُ فِيْ دَارِهٖ، وَبَيْنَ يَدَيْهِ صَبِيٌّ يَقْرَءُ النَّحْوَ. فَوَقَفَ بِإِزَاءِ [۲] بَابِهٖ لِيَسْمَعَ قِرَاءَةَ الصَّبِيِّ فَسَمِعَهٗ، يَقُوْلُ : يَاسَيِّدِيْ إِذَا قُلْتُ خَرَجَ النَّاسُ إِلَّا زَيْداً وَقِيْلَ لِيْ لِأَيِّ سَبَبٍ لَمْ يَخْرُجْ زَيْدٌ؟، فَمَا أَقُوْلُ؟.

فَقَالَ الشَّيْخُ: قُلْ: إِنَّهٗ مُشْتَغِلٌ بِضَرْبِ عَمْرٍو.

فَقَالَ الصَّبِيُّ: أَحْسَنْتَ. فَإِذَا قُلْتُ: قَامَ الْقَوْمُ إِلَّا حِمَاراً وَقِيْلَ لِيْ لِأَيِّ عِلَّةٍ لَمْ يَقُمِ الْحِمَارُ؟، فَمَا أَقُوْلُ؟.

فَقَالَ الشَّيْخُ: قُلْ: إِنَّهٗ مُشْتَغِلٌ بِأَكْلِ الْعَلَفِ.

"خاتمٌ حديداً" و الخفضُ اكثرُ، اى: "خاتمُ حديدٍ"۔ کافیہ] [۱] ذات یوم: ایک دن۔ [۲] إزاء: مقابل۔

قَالَ الصَّبِيُّ : أَحْسَنْتَ. فَإِذَا قُلتُ: جَاءَ الْاَمِيْرُ وَالْجَيْش وقِيلَ لِي مَا الَّذِيْ جَاءَ بِالْأَمِيْرِ وَجَيْشَهٗ؟، فَما أَقُوْلُ؟.

قَالَ الشَّيْخُ:قَلْ: إِنَّهُمْ جَآءُوْا لِيَحْكُمَ هذَا الشيخُ بِضَرْبِي. فَصَرَخَ [٣]الصَّبِيُّ وَنَادٰى:يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ! أَدْرِكُوْنِي، [٤]أَىْ أَخِي! أَغِثْ أَخَاكَ، يَا أَبَتِ! اَلْوَحَا،اَلْوَحَا[٥]،هَيَا[٦]قَوْمِي! اَلْعَجَلَ، اَلْعَجَلَ [٧]. فَإِنَّ الشَّيْخَ قَدْ جُنَّ، [٨] وَلِذَا أَمَرَ بِضَرْبِيْ، ثُمَّ وَلىّٰ هَارِباً. فَضَحِكَ الْأَدِيْبُ مِنْهُ وَمَضٰى لِشَأْنِهٖ.

سبق۔۳۳ (تمرین مع اضافہ بحوالۂ قدیم نسخہ)

۱۔ سوالات کے جوابات دیجیے۔

[۱]مفعول کتنے ہیں؟ ان کے نام اور تعریف لکھو۔

[۲] منادی کی رفع ونصب کی حالتیں بیان کرو۔

[۳] حال کسے کہتے ہیں؟ وہ کیسا ہوتا ہے؟ اور کس کی حالت بیان کرتا ہے؟اس کی ایک مثال دو۔

[۴] مستثنیٰ کن صورتوں میں منصوب ہوتا ہے؟۔

[۵] کن اعداد کی تمیز مجرور ہوتی ہے؟۔

[٦] جار، مجرور اور مضاف، مضاف الیہ میں کیا فرق ہے؟۔

[۷] اضافت سے تنوین اور نونِ تثنیہ وجمع پر کیا اثر پڑتا ہے؟۔

۲۔ ان فقروں کا اُردو میں ترجمہ کرو اور جن لفظوں پر خط کھینچا گیا ہے ان کا اعراب بیان کرو۔

[۱]﴿يَا جِبَالُ أَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ﴾. يَاحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ﴾.

[۲]﴿إِنَّا كُلَّ شَيْئٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ. ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾.

[۳]خَرَجْتُ مَخَافَةَ الشَّرِّ. دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ.

---

[۳]صرخ: چیخا چلایا۔ [۴]ادرکونی: میرے پاس پہنچو۔ [۵]الوحا الوحا: جلدی کرو جلدی کرو۔ [٦]هيا: حرف ندا ہے۔ [۷]العجل العجل: جلدی کرو جلدی کرو۔ [۸]جُن: دیوانہ ہوگیا ہے۔[مؤلف]

[٤] ﴿وَ ذَا النُّوْن إِذْ ذَهَب مُغَاضِباً﴾.

[٥] ﴿مَافَعَلُوْه إِلَّا قَلِيْلٌ مِنْهم﴾. ﴿لَاعَاصِم الْيَوْم مِنْ أَمْرِ اللهِ إِلَّا مَنْ رَحِمَ﴾.

[٦] ﴿عَلَيْهَا تِسْعَة عَشَر﴾. ﴿إِنَّ هٰذَا أَخِي لَهٗ تِسْع وتِسْعُوْن نَعْجَة﴾.

[٧] ﴿تَبَّت يَدَا أَبِيْ لَهَبٍ﴾. ﴿يَا بَنِي إِسْرَائِيْلَ﴾.

[٨] ضَرَبَ زَيْد عَمْرا فِيْ دَارِه ضَرْبا شَدِيْداً أَمَام الْأَمِيْرِ تَادِيْبا يَوْم الْجُمُعَةِ.

٣۔ ذیل کے جملوں کو صحیح کرو۔

يالِزَيْدَاه. مَاجَاءَ نِي أَحَدٌ زيداً. رَأَيْتُ أَحدَ عَشَرَ امْرَأَةً.

٤۔ ذیل کے جملوں کا تسلسل درست مان کر ان کے اعراب درست کرو۔

يَاعَبْدُ اللّٰه. جَاءَ نِي زَيْداً إِلَّا حِمَارٌ. رَأَيْت أَحَدَ عَشَرَ رَجُلٍ.

٥۔ ذیل کے جملوں کا اعراب صحیح مان کر کلمات کی ترتیب درست کرو۔

تَحْتَ الشَّجَرَةِ نَامَ زَيْدٌ. جَلَسَ اِسْتِرَاحَةً بَكْرٌ. كَفَاكَ وَ دِرْهَمٌ زَيْداً. جَاءَ نِي رَجُلٌ رَاكِباً.

❁❁❁❁❁❁❁

رَدِّدُوْا هٰذَا النَّشِيْدَ عَلٰى أَلْسِنَتِكُمْ

أَرْسَلَ اللّٰهُ رَسُوْلا   سَيِّداً بَرًّا جَمِيْـــلا
رَحْمَةً لِلْعَــالَمِيْنا   قُــــدْوَةً لِلْمُـؤْمِنِيْنَا
قَدْ هَـدَانَا أَجْمَعِيْنـــا

عَلَّمَ الرِّفْقَ الْجَمِيْلا   وَ ارْتَضَى الْعَفْوَ الْأَصِيْلا
إِنْ رَأَى فَرْدًا حَزِيْنا   جَفَّفَ الدَّمْعَ السَّخِيْنــا
ثُمَّ نَادَى الْمُسْلِمِيْنـــا

حَرِّرُوْا الْعَبْدَ الذَّلِيْـلا   وَ ارْفِـقُوْا رِفْقًـا نَبِيْــلا
ثُمَّ وَاسُوْا الْعَاجِزِيْنـا   وَ ارْحَمُوْا الْمُسْتَضْعَفِيْنـا
كَيْ تَعِيْشُوْا آمِنِيْنـــا

آپ کو معلوم ہے امام کسائی نحوی اور ابوعمرو بصری نحوی کون ہیں؟۔ یہ دونوں وہ ہی ہیں جو فن تجوید وقراءت کے بھی بڑے امام مانے گئے ہیں، اور مشہور قرّاءِ سبعہ ان ہی اسمائے گرامی کا ذکر ہیں ۔

سبق ۔ ۳۷

توابع کا بیان:

تابع : اس لفظ کو کہتے ہیں جس کا اعراب ایک جہت سے اسم سابق کے اعراب کے موافق ہو، اسم سابق کو **متبوع** کہتے ہیں۔ توابع پانچ ہیں: ۱۔صفت ۲۔عطف بالحرف ۳۔تاکید ۴۔بدل ۵۔عطف بیان۔

۞ **۱۔ صفت**: وہ تابع ہے جو متبوع کی یا متعلق متبوع کی بھلائی یا برائی بیان کرے، جیسے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾، [اس مثال میں لفظ "رَب" اللہ کی صفت واقع ہے اور اعراب میں اپنے اسم سابق: "الله" کے تابع ہے، پس الله: متبوع (موصوف) اور رَبّ: اس کا تابع (صفت) ہے]۔ (ہدایۃ النحو)

﴿**فائدہ**﴾: صفت کو "نعت" بھی کہتے ہیں، اور تخصیص کا فائدہ دیتی ہے جبکہ دونوں نکرہ ہوں، جیسے: تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ، اور توضیح کا فائدہ اس سے حاصل ہوتا ہے جبکہ دونوں معرفہ ہوں، جیسے: ﴿وَامْرَأَتُهٗ حَمَّالَةُ الْحَطَبِ﴾ [۱]، زَيْدُنِ الْعَالِمُ، کبھی صرف تاکید مقصود ہوتی ہے، جیسے: نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ۔

ق: ہر لفظ جو وصفی [۲] معنی پر دلالت کرے "نعت" واقع ہوسکتا ہے، پس صفات مثلِ: اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، اسم مبالغہ اور اسم تفضیل بلحاظ اصل وضع کے نعت مستعمل ہوں گے، جیسے: رَجُلٌ صَالِحٌ، زَيْدُنِ الْمَضْرُوْبُ، زَمَانٌ طَوِيْلٌ۔

۞ ایسا ہی اسمائے جامد بھی "نعت" واقع ہوسکتے ہیں جب کہ ان سے وصفی معنیٰ حاصل ہوں خواہ استعمالِ عام ہو [۳]، جیسے: شَهْرٌ قَمَرِيٌّ [۴]، رَجُلٌ ذُوْ مَالٍ [۵]، یا استعمالِ

---

[۱] روایۃ حفص میں (امام عاصم کوفی) "حَمَّالَةَ الْحَطَب" نصب کے ساتھ پڑھتے ہیں، اور باقی قرّاء "حَمَّالَةُ الْحَطَبِ" رفع کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ [البدور الزاہرہ] [۲] مصدر وصف محض پر دلالت کرتا ہے، اور اسم فاعل وغیرہ ذات مع الوصف پر دلالت کرتے ہیں۔ [التسہیل السامی: ۳۶،۹۰] (لہٰذا مصدر بلا تاویل صفت اور خبر واقع نہ ہوگا) [۳] یعنی جمیع احوال میں ان کا استعمال معنی وصفی کے لیے ہوتا ہو۔ [حبیبیہ] [۴] اس سے مراد اسم منسوب ہے جو "یاء مشدد" ماقبل مکسور لگانے سے بنتا ہے۔ [۵] "ذُوْ" کو وضع ہی اس لیے کیا گیا ہے تاکہ مضاف الیہ سے مل کر وصفی معنیٰ

خاص[٦]، **جیسے**: هٰذَا الرَّجُلُ ، جَاءَ نِيْ رَجُلٌ أَيُّ رَجُلٍ[١] (میرے پاس باکمال مرد آیا)۔

﴿**فائدہ**﴾: صفت کی دو قسمیں ہیں:

✿ **ایک باعتبار اس وصف کے جو خود موصوف میں ہو، جیسے**: رَجُلٌ صَالِحٌ ، اس کو **صفت بحالِ موصوف** کہتے ہیں۔

✿ **دوسری باعتبار اس وصف کے جو متعلقِ موصوف میں ہو، جیسے**: جَاءَ زَيْدُ نِ الْعَالِمُ أَبُوْهُ (زید آیا جس کے والد عالم ہیں)، [اس جگہ "عِلم" **زید کے والد کی ذات میں** قائم ہے، خود زید میں نہیں]، اس کو **صفت بحالِ متعلقِ موصوف** کہتے ہیں۔

ق: پہلی قسم دس باتوں میں متبوع کے موافق ہوتی ہے: رفع، نصب، جر؛ **تعریف وتنکیر**؛ واحد، تثنیہ، جمع؛ **تذکیر وتانیث، جیسے**: رَجُلٌ عَالِمٌ، رَجُلَانِ عَالِمَانِ، رِجَالٌ عَالِمُوْنَ، زَيْدُنِ الْعَالِمُ، اِمْرَأَةٌ عَالِمَةٌ، النِّسَاءُ الْعَالِمَاتُ ، **اور دوسری قسم پہلی پانچ باتوں میں متبوع کے موافق ہوتی ہے**[٢]، **جیسے**: هُوَ رَجُلٌ عَالِمَةُ نِ ابْنَتُهٗ (وہ ایسا شخص ہے جس کی بیٹی عالمہ ہے)، مَرَرْتُ بِرِجَالٍ ذَاهِبٍ غِلْمَانُهُمْ (میں ان لوگوں کے پاس سے گذرا جن کے غلام جانے والے ہیں)۔[ہدایۃ النحو حاشیہ][٣]۔

فائدہ: **کبھی نکرہ کی صفت میں جملہ خبریہ واقع ہوتا ہے اور اس جملہ میں ضمیر** ہوتی ہے جو موصوف کی طرف عائد ہوتی ہے، **جیسے**: جَاءَ رَجُلٌ أَبُوْهُ عَالِمٌ.

پیدا کرے۔[ہدایۃ النحو ۴۲ حاشیہ] [٦] یعنی بعض احوال میں صفت واقع ہو اور بعض احوال میں صفت واقع نہ ہو[حبیبیہ]، چنانچہ اسم اشارہ کا مشار الیہ اگر معرف باللام ہو تو اسم اشارہ ترکیب کلام میں موصوف اور مشار الیہ صفت واقع ہوتا ہے۔ تاہم مشار الیہ اسم جامد ہو تو بدل اور عطف بیان بنانا زیادہ بہتر ہے۔[شرح شذور الذھب:۱۴۹، النحو الوافی:۴۶۵ ج ۳]۔

[١] "أَيُّ" کے ماقبل جو نکرہ ہو اسی نکرہ کی طرف "أَيُّ" مضاف ہو تو وصفی معنی دیتا ہے۔[وافی:۳۶۶ ج ا حروف کے بیان میں "أَيُّ" ملاحظہ ہو]۔ [٢] باقی پانچ چیزوں: واحد، تثنیہ، جمع اور تذکیر وتانیث میں صفت پر فعل اور فاعل کے احکام جاری ہوں گے[شرح ابن عقیل:۴۱۰، کافیہ]، اسی وجہ سے مثال اول میں اِبْنَتُهٗ : فاعل مؤنث حقیقی ہونے کی وجہ سے عَالِمَةٌ : صفت مؤنث لائی گئی ہے، هِيَ اِمْرَأَةٌ عَالِمُ نِ ابْنُهَا (وہ ایسی عورت ہے جس کا بیٹا عالم ہے) اس مثال میں اس کا برعکس ہے، اور مثال ثانی میں غِلْمَان: فاعل اسم ظاہر جمع ہونے کی وجہ سے العالم: صفت واحد لائی گئی ہے۔ [٣] "هٰذَا

سبق ۔۳۵

۲۔ **عطف**: وہ تابع ہے جو متبوع کے بعد بواسطۂ حرفِ عاطفہ آتا ہے اور یہ تابع اپنے متبوع کے ساتھ نسبت میں مقصود ہوتا ہے، جیسے: جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، [اس میں " زَيْدٌ" معطوف علیہ اور "عمرٌو" معطوف ہے، اور " آنے" کی نسبت میں دونوں مقصود ہیں]۔

فائدہ: حروف عاطفہ دس ہیں: واو، فاء، ثُمَّ، حَتّٰی، إِمَّا، أَوْ، أَمْ، لا، بَلْ، لٰكِنْ۔

ق: جب ضمیر مرفوع متصل پر عطف کیا جائے تو پہلے ضمیر منفصل سے اس کی تاکید لانی چاہیے، جیسے: ضَرَبْتُ أَنَا وزَيْدٌ، [اس جگہ " أَنَا "ضمیر منفصل ہے جو حرف عطف سے پہلے تاکید کے واسطے آئی ہے]۔

تنبیہ: مگر جب معطوفین کے بیچ میں فاصلہ ہوجائے تو پھر اس تاکید کا ترک کردینا بھی جائز ہے، جیسے: ﴿مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا﴾، ﴿سَيَصْلٰى نَاراً ذَاتَ لَهَبٍ وَّ امْرَأَتُهٗ﴾،[۱]

××× **ق**: جب ضمیر مجرور پر عطف کریں تو "جار" کا اعادہ واجب ہوتا ہے،[۲] جیسے: مَرَرْتُ بِكَ وَ بِزَيْدٍ، [اس جگہ "زید" مجرور " كَ" ضمیر مجرور پر معطوف ہے، اس واسطے " ب" جارہ کا اعادہ کر کے " بِزَيْدٍ" کہا]۔

ق: معطوف ہمیشہ معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے۔[۳]

ق: ایک عامل کے دو معمولوں پر ایک حرفِ عطف سے عطف کرنا بالاتفاق جائز ہے، جیسے: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْراً وَ بَكْرٌ خَالِداً ، البتہ دو مختلف عاملوں کے معمولوں پر عطف کرنا اس وقت جائز ہوگا جبکہ مجرور مقدم ہو، جیسے: فِي الدَّارِ زَيْدٌ وَالْحُجْرَةِ عَمْرٌو۔[۴] (کافیہ)

لِلرِجَالِ الْعَالِمِ غِلْمَانُهُمْ" قدیم نسخوں کی یہ مثال زیادہ واضح نہیں ہے۔ [۱] پہلی مثال میں " لَا" سے، اور دوسری مثال میں "نَاراً ذَاتَ لَهَب" سے فاصلہ پایا جاتا ہے۔ [۲] یہ جمہور نحات کا مذہب ہے، مگر نحات کوفہ اور صاحب الفیہ نے اس اعادہ کو جائز کہا ہے، قرآن مجید میں آیا ہے: ﴿تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامِ﴾، ﴿وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾۔ [شرح ابن عقیل: ۴۳۵، النحو القرآني: ۴۹۰]۔ [۳] لہٰذا معطوف علیہ صفت واقع ہو تو معطوف بھی صفت واقع ہوگا، اور اگر خبر، صلہ، حال یا فاعل واقع ہو تو معطوف بھی وہی واقع ہوگا۔ [ہدایۃ النحو: ۵۰]

۳۔ **تاکید**: وہ تابع ہے جو اپنے متبوع کو پختہ کرتا ہے،[۱] اس کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ **تاکید لفظی**: جس میں لفظ مکرر ہو، جیسے: ﴿كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا﴾، [اس میں پہلا "دَكًّا" مؤکَّد ہے اور دوسرا "دکًّا" تاکید ہے]۔

۲۔ **تاکید معنوی**: جو لفظِ "نَفْسٌ، عَيْنٌ، كِلَا، كِلْتَا، كُلٌّ اور أَجْمَعُ" میں سے کسی کے ساتھ آئے، جیسے: ﴿سَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ﴾۔

نَفْسٌ اور **عَيْنٌ** واحد، تثنیہ اور جمع کی تاکید کے واسطے مستعمل ہوتے ہیں، [مطابقتِ ضمیر مؤکَّد کے ساتھ تینوں میں شرط ہے، اور مطابقتِ صیغہ صرف واحد اور جمع میں شرط ہے اور تثنیہ کے واسطے جمع کا صیغہ آئے گا،] جیسے: قَامَ زَيْدٌ نَفْسُهُ، قَامَ الزَّيْدَانِ أَنْفُسُهُمَا، قَامَ الزَّيْدُوْنَ أَنْفُسُهُمْ، قَامَتْ هِنْدٌ نَفْسُهَا، قَامَتِ الْهِنْدَانِ أَنْفُسُهُمَا، قَامَتِ الْهِنْدَاتُ أَنْفُسُهُنَّ، [یہی کیفیت "عَيْنٌ" کے استعمال کی ہے]۔

كِلَا تثنیہ مذکر اور **كِلْتَا** تثنیہ مؤنث کی تاکید کے واسطے آتا ہے، جیسے: جَاءَ الرَّجُلَانِ كِلَاهُمَا، جَاءَتِ الْمَرْأَتَانِ كِلْتَاهُمَا۔

كُلٌّ اور **أَجْمَعُ** دونوں واحد اور جمع کی تاکید کے واسطے مستعمل ہیں، فرق اس قدر ہے کہ "كُلٌّ" مطابقتِ ضمیر سے تاکید واقع ہوتا ہے[۲]، اور "أَجْمَعُ" مطابقتِ صیغہ سے[۳]، جیسے: قَرَأْتُ الْكِتَابَ كُلَّهُ، وَجَاءَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ، اِشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ

---

[۴] ایک عامل "فِيْ" ہے اور دوسرا عامل "عامل معنوی" ہے جو رفع دیتا ہے۔ اگر معمولِ مجرور منصوب پر مقدم ہو تو بھی جائز ہے، جیسے: إِنَّ فِيْ الدَّارِ زَيْداً وَ الْحُجْرَةِ عَمْرًا [شرح جامی]، اس میں ایک عامل "إِنَّ" ہے، اور دوسرا "فِيْ" ہے۔

[۱] لہٰذا (۱) یا تو حکم متبوع ہی کی طرف منسوب ہوگا، غیر متبوع کا احتمال باقی نہ رہے گا، مثلاً: جَاءَ الْأَمِيْرُ نَفْسُهُ میں نائبِ امیر کے آنے کا احتمال تاکید سے ختم ہوگیا، (۲) یا تو تاکید سے حکم میں تمام افراد و اجزا شامل ہو جائیں گے کوئی باقی نہ رہے گا۔

[۲] لفظ "کل" کے صیغہ میں تبدیلی نہیں ہوسکتی اس لیے واحد، جمع اور تذکیر و تانیث پر دلالت کے لیے ضمیر کو مؤکد کے مطابق لایا جائے گا۔

[۳] لفظ "أَجْمَعُ" اسم مشتق ہونے کی وجہ صیغہ میں تبدیلی ہوسکتی ہے، لہٰذا واحد مذکر کے لیے "أَجْمَعُ"، جمع مذکر کے لیے "أَجْمَعُوْنَ"، واحد مؤنث کے لیے "جَمْعَاءُ"، اور جمع مؤنث کے لیے "جُمَعُ"

أَجْمَعَ، وَجاءَ النَّاسُ أَجْمَعُوْنَ۔

××× ﴿فائدہ﴾: " أَكْتَعُ، أَبْتَعُ اور أَبْصَعُ" بھی تاکید کے واسطے ہیں اور " كُلٌّ" کے معنی دیتے ہیں، مگر یہ تینوں " أَجْمَعُ" کے تابع ہوتے ہیں، [جب تک " أَجْمَعُ " نہ آئے ان میں سے کوئی استعمال میں نہیں آتا، اور نہ " أَجْمَعُ " پر مقدم ہوتا ہے]، جیسے:
جَاءَ النَّاسُ أَجْمَعُوْنَ أَكْتَعُوْنَ أَبْتَعُوْنَ أَبْصَعُوْنَ۔

سبق ۔۳۶

ت]..... ۴۔ **بدل**: [۱] وہ تابع ہے جو نسبتِ حکم میں مقصود ہوتا ہے، متبوع صرف توطیہ وتمہید کے طور پر آتا ہے، جیسے: جَاءَ زَيْدٌ أَخُوْكَ (زید: تیرا بھائی آیا)، اس میں " زید" مبدل منہ اور " أَخُوْكَ" اس کا بدل ہے، اس کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ **بدلِ کل**: جس میں بدل اور مبدل منہ کا مدلول ایک ہو، جیسے: جَاءَ زَيْدٌ أَخُوْكَ، [اسی قسم سے ہے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾]۔

۲۔ **بدلِ بعض**: جو مبدل منہ کا جزء ہو، جیسے: ضَرَبْتُ زَيْداً رَأْسَهٗ، [اسی قسم سے ہے: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلاً﴾]۔

۳۔ **بدلِ اشتمال**: جو مبدل منہ سے کوئی علاقہ (تعلق) رکھتا ہو، جیسے: سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهٗ[۲]، [اسی قسم سے ہے: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ﴾]۔

۴۔ **بدلِ غلط**: جو سبقت لسانی یا غلطی سے کوئی بات منھ سے نکل جائے تو

آئے گا[کافیہ]۔ [۱] اقسام توابع میں بدل تکرار عامل کے حکم میں ہوتا ہے۔ تکرار عامل کے حکم میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مبدل منہ سے پہلے عامل ہوتا ہے، اسی طرح بدل سے پہلے بھی اُس عامل کو مانا جاتا ہے، گویا دونوں کا عامل نیت میں الگ الگ شمار ہوتا ہے، چوں کہ مبدل منہ مقصود نہیں ہوتا، بطورِ تمہید کے ہوتا ہے، لہٰذا عامل اول اور اس کا حکم بھی مقصود نہیں ہوگا، البتہ عامل ثانی اور اس کا حکم مقصود ہوگا، جب بدل تکرارِ عامل کے حکم ہوگا تو غیر مقصود (مبدل منہ) سے اس کا فروتر ہونا لازم نہیں آئے گا۔[وافی: ۶۶۵، ۶۷۸ ج ۳] [۲] "سلب" متعدی بدو مفعول ہے، جیسے: ﴿وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْأً﴾ اس لیے بدل کی مثال بنانا درست نہ ہونا چاہیے۔ واللہ اعلم

-متصلاً اس کی- تلافی کے لیے لایا جائے، جیسے: جَاءَ رَجُلٌ ،حِمَارٌ (آدمی آیا،نہیں نہیں گدھا)۔

فائدہ: بدل ومبدل منہ کبھی دونوں معرفہ ہوتے ہیں، جیسے: جَاءَ زَيْدٌ أَخُوْكَ، کبھی دونوں نکرہ، جیسے: جَاءَ نِيْ رَجُلٌ غُلاَمٌ لَكَ ۔[۱]

ق: جب بدل "نکرہ" اور مبدل منہ " معرفہ" ہو تو اس کی نعت لانا ضروری ہے، جیسے: ﴿لَنَسْفَعاً بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ﴾، [اس جگہ دوسرا" نَاصِيَة " بدل نکرہ ہے، اور " كَاذِبَةٍ " سے موصوف ہے]۔

××× **ق**: ۱- بدلِ کل میں بدل کی مطابقت تذکیر وتانیث اور صیغہ میں مبدل منہ سے لازم ہے، ۲- بدلِ بعض اور بدلِ اشتمال میں صرف ضمیر کی مطابقت لازم ہے، [اور وہ بھی تذکیر وتانیث اور واحد، تثنیہ اور جمع میں کر لیتے ہیں]، اور ۳- بدل غلط میں- سوائے اتحادِ اعراب کے- کوئی شرط نہیں ہے۔

۵- عطف بیان : وہ تابع ہے جو صفت نہ ہو[۲]، اور اپنے متبوع کی وضاحت کرے، جیسے: جَاءَ نِي زَيْدٌ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰـهِ، ﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ﴾، [پہلی مثال میں " أَبُـوْ عَبْدِ الله" اور دوسری میں " اَلْبَيْتَ الْحَرَامَ " عطف بیان ہیں، " زَيْدٌ " اور " اَلْكَعْبَةَ " معطوف مبیَّن ہیں]۔

××× **﴿فائدہ﴾**: کبھی اس سے تخصیص مقصود ہوتی ہے، جیسے: ﴿أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِيْنَ﴾، کبھی توضیح یا تخصیص مقصود نہیں ہوتی بلکہ صرف ازالۂ وہم مدِ نظر ہوتا ہے، جیسے: ﴿اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ﴾، [فرعون کے ساحروں نے " رَبِّ مُوسٰى وَ هٰرُوْن" کا لفظ اس واسطے بڑھایا کہ فرعون بھی ربوبیت کا دعویٰ کرتا تھا، اس لیے اس پر ایمان لانے کا وہم ہوسکتا تھا جو دور ہو گیا]۔

[۱] اور کبھی دونوں مختلف ہوتے ہیں، یعنی مبدل منہ معرفہ اور بدل نکرہ، جیسے: ﴿لَنَسْفَعاً بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ﴾، یا مبدل منہ نکرہ اور بدل معرفہ، جیسے: جَاءَ رَجُلٌ غُلاَمُ زَيْدٍ۔[حبیبیہ:۸۸]

[۲] یعنی اسماءِ صفات: اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، اسم مبالغہ، اسم تفضیل اور اسم منسوب میں سے کوئی نہ ہو۔

سبق ۔۳۷

اسمائے مبنیہ: اسمائے غیر متمکنہ

اسمائے مبنیہ کی آٹھ قسمیں ہیں: ۱۔مضمرات، ۲۔اسمائے اشارہ، ۳۔ اسمائے موصولہ، ۴۔اسمائے افعال، ۵۔اسمائے اصوات، ۶۔مرکبات امتزاجی، ۷۔کنایات، ۸۔ظروف مبنیہ۔

××× ﴿**فائدہ**﴾: ان اسموں کا آخر عامل کے بدلنے سے متغیر نہیں ہوتا، تفصیل یہ ہے۔

مضمرات:

ضمیر: وہ اسم ہے جو متکلم یا مخاطب یا غائب پر دلالت کرے، اس کی تین قسمیں ہیں: مرفوع، منصوب اور مجرور۔[۱]

﴿**فائدہ**﴾: "ضمیر مرفوع" فاعل یا مبتدا کے موقع پر آتی ہے، "ضمیر منصوب" مفعول کے موقع پر یا عامل ناصب کے بعد اور "ضمیر مجرور" مضاف الیہ کے موقع پر یا حرف جار کے بعد آتی ہے، یہ سب غائب کی ضمیریں واحد، تثنیہ، جمع اور تذکیر و تانیث میں مرجع[۲] کے مطابق ہوتی ہیں۔

ضمائر مرفوعات: [کتاب الصرف]

ضمیر مرفوع منفصل	ضمیر مرفوع متصل بفعلِ ماضی	❁	ضمیر مرفوع متصل بفعلِ مضارع	❁
هُوَ	نَصَرَ	مستتر	يَنْصُرُ	مستتر
هُمَا	نَصَرَا	ا	يَنْصُرَانِ	ا
هُمْ	نَصَرُوْا	و	يَنْصُرُوْنَ	و

[۱] پھر مرفوع کی دو قسمیں ہیں: مرفوع متصل، مرفوع منفصل۔ اور منصوب کی بھی دو قسمیں ہیں: منصوب متصل، منصوب منفصل۔ اور مجرور کی صرف ایک قسم: مجرور متصل۔ [۲] مرجع وہ ہوتا ہے جو ضمیر سے پہلے لفظاً، معناً یا حکماً مذکور ہو اور اس کی مراد کو متعین کرے [شرح شذور: ۱۳۵]، جیسے: زَيْدٌ ضَرَبَ میں لفظاً مذکور ہے، اور ﴿اعدلوا هو (العدل) أقرب للتقوى﴾ میں معنیً اور ﴿قل هو الله أحد﴾ میں حکماً مذکور ہے۔ [ہدایۃ النحو حاشیہ]

هِیَ	نَصَرَتْ	مستتر	تَنْصُرُ	مستتر
هُمَا	نَصَرَتَا	ا	تَنْصُرَانِ	ا
هُنَّ	نَصَرْنَ	ن	يَنْصُرْنَ	ن
أَنْتَ	نَصَرْتَ	تَ	تَنْصُرُ	مستتر
أَنْتُمَا	نَصَرْتُمَا	تُمَا	تَنْصُرَانِ	ا
أَنْتُمْ	نَصَرْتُمْ	تُمْ	تَنْصُرُوْن	واو
أَنْتِ	نَصَرْتِ	تِ	تَنْصُرِيْن	ی
أَنْتُمَا	نَصَرْتُمَا	تُمَا	تَنْصُرَانِ	ا
أَنْتُنَّ	نَصَرْتُنَّ	تُنَّ	تَنْصُرْنَ	ن
أَنَا	نَصَرْتُ	تُ	أَنْصُرُ	مستتر
نَحْن	نَصَرْنَا	نَا	نَنْصُرُ	مستتر

ضمائر منصوبات و مجرورات :[کتاب الصرف]

منصوب منفصل	منصوب متصل بفعل	منصوب متصل بعامل ناصب	مجرور متصل بحرف جار	مجرور متصل باِسْم
إِیَّاهُ	نَصَرَهٗ	إِنَّهٗ	لَهٗ	كِتَابُهٗ
إِيَّاهُمَا	نَصَرَهُمَا	إِنَّهُمَا	لَهُمَا	كِتَابُهُمَا
إِيَّاهُمْ	نَصَرَهُمْ	إِنَّهُمْ	لَهُمْ	كِتَابُهُمْ
إِيَّاهَا	نَصَرَهَا	إِنَّهَا	لَهَا	كِتَابُهَا
إِيَّاهُمَا	نَصَرَهُمَا	إِنَّهُمَا	لَهُمَا	كِتَابُهُمَا
إِيَّاهُنَّ	نَصَرَهُنَّ	إِنَّهُنَّ	لَهُنَّ	كِتَابُهُنَّ
إِيَّاكَ	نَصَرَكَ	إِنَّكَ	لَكَ	كِتَابُكَ
إِيَّاكُمَا	نَصَرَكُمَا	إِنَّكُمَا	لَكُمَا	كِتَابُكُمَا
إِيَّاكُمْ	نَصَرَكُمْ	إِنَّكُمْ	لَكُمْ	كِتَابُكُمْ
إِيَّاكِ	نَصَرَكِ	إِنَّكِ	لَكِ	كِتَابُكِ

کِتَابُکُمَا	لَکُمَا	إِنَّکُمَا	نَصَرَکُمَا	إِیَّاکُمَا
کِتَابُکُنَّ	لَکُنَّ	إِنَّکُنَّ	نَصَرَکُنَّ	إِیَّاکُنَّ
کِتَابِيْ	لِيْ	إِنَّنِيْ	نَصَرَنِيْ	إِیَّایَ
کِتَابُنَا	لَنَا	إِنَّنَا	نَصَرَنَا	إِیَّانَا

﴿**فائدہ**﴾ : **جب مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں یا خبر اسم تفضیل "مِنْ" [۱] سے مستعمل ہو تو مبتدا اور خبر کے درمیان ضمیر مرفوع منفصل مبتدا کے مطابق لاتے ہیں، اس کو ضمیر فصل [۲] کہتے ہیں، جو گویا خبر اور صفت کے بیچ میں فاصل ہوتی ہے، جیسے:** ﴿أُوْلٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾، زَیْدٌ هُوَ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو۔

﴿**فائدہ**﴾: **جملہ کے پہلے کبھی ایک ضمیر غائب بلا مرجع آیا کرتی ہے، جب مذکر ہو تو اس کو "ضمیرُ الشَّان" اور جب مؤنث ہو تو "ضمیرُ الْقِصَّہ" کہتے ہیں، یہ مبہم ہوتی ہے، اور جملۂ مابعد اس کی تفسیر کرتا ہے، جیسے:** هُوَ زَیْدٌ قَائِمٌ، کَانَ زَیْدٌ قَائِمٌ، إِنَّهَا هِنْدٌ قَاعِدَةٌ۔[کافیہ]

❁❁❁❁❁❁❁

[۱] اسم تفضیل جب "من" کے ساتھ مستعمل ہو تو معرفہ کا حکم رکھتا ہے۔[مغنی:۷۹۴ج۲، غایۃ التحقیق]

[۲] ضمیر فصل لانے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ: مابعدِ ضمیر حیز خبر میں واقع ہے جو رکن کلام میں سے ہے، اگر ضمیر فصل نہ لاتے تو وہ بجائے رکن کلام (خبر) ہونے کے مبتدا کا کوئی تابع شمار ہوتا اور جملہ کا معنی خلاف مقصود ہو جاتا، مثلاً ﴿أُوْلٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾: مرکب مفید ہے، هُمْ: ضمیر فصل نہ لانے سے "أُوْلٰئِکَ الْمُفْلِحُوْنَ" **موصوف وصفت** ہو کر مرکب غیر مفید (مرکب توصیفی) ہو جائے گا، لہٰذا یہ ضمیر خبر اور صفت کے درمیان حدِ فاصل ہو جاتی۔ **یہ اس کا اہم فائدہ ہے۔ کبھی** اس ضمیر سے اختصاصِ حکم اور تاکید کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، یعنی حکم صرف مسندالیہ کے لیے ثابت ہے، کسی غیر کے لیے ثابت نہیں، مثلاً: ﴿کُنْتَ أَنْتَ الرَّقِیْبَ﴾ میں ضمیر فصل نہ لانے سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی ہے، (یہاں الرَّقِیْبَ تاء ضمیر بارز کی نہ صفت واقع ہو سکتا ہے اور نہ بدل) کیوں کہ تابع اور متبوع کا اعراب میں متفق ہونا ضروری ہے، اور یہاں اعراب مختلف ہے، نیز ضمیریں نہ موصوف بن سکتی ہیں اور نہ صفت، اس لیے "أَنْتَ" "کُنْتَ" میں واقع ضمیر مرفوع متصل سے تاکید واقع ہے[وافی:۲۴۲ج۱، الزیادۃ و الاحسان فی علوم القران: ۱۸۶ ج۸]۔ بعض نحات نے ان جیسی مثالوں کو بھی طرداً للباب "ضمیر فصل" ہی کہا ہے۔[غایۃ التحقیق:۲۸۳]

سبق - ۳۸

اسماء الاشارة و الموصولات:

❁**اسمائے اشارہ**: وہ ہیں جو کسی چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لیے وضع کیے گئے ہیں، اس کی دو قسمیں ہیں: **اسم اشارہ قریب، اسم اشارہ بعید**۔[کتاب الصرف]

اسمائے اشارہ قریب یہ ہیں: هٰذَا، هٰذَانِ/هٰذَيْنِ، هٰؤُلَاءِ (**مذکر کے واسطے**)، هٰذِهٖ، هاتَانِ/هَاتَيْنِ، هٰؤُلَاءِ (**مؤنث کے واسطے**)۔[کتاب الصرف]

اسمائے اشارہ بعید یہ ہیں: ذٰلِكَ، ذَانِكَ/ذَيْنِكَ، أُولٰئِكَ (**مذکر کے واسطے**)، تِلْكَ، تَانِكَ/تَيْنِكَ، أُولٰئِكَ (**مؤنث کے واسطے**)۔[کتاب الصرف]

﴿**فائدہ**﴾: جس کی طرف اشارہ کیا جائے اس کو **مشارٌالیہ** کہتے ہیں۔

ق: اسم اشارہ ترکیب کلام میں " **موصوف**" ہوتا ہے ،اور مشارالیہ اس کی " **صفت**" [۱]، **جیسے**:﴿ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ﴾۔ **کبھی** اسم اشارہ " **مبتدا** " ہوتا ہے، اور مشارالیہ " **خبر**" [۲]، **جیسے**:﴿ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴾۔

فائدہ: " هُنَا " اور " ثَمَّ " بھی اسم اشارہ ہیں، پہلا مکان قریب کی طرف اشارہ کے واسطے اور دوسرا مکان بعید کی طرف اشارہ کرنے کے واسطے **مستعمل** ہے۔[کتاب الصرف]

اسمائے موصولہ:

❁**اسم موصول**: تنہا بغیر صلہ اور عائد کے جملہ کا پورا جزء نہیں ہوسکتا، **صلہ**: اس کا جملہ خبریہ ہوتا ہے[۳]، اور **عائد** **ایک ضمیر ہوتی ہے** جو اسم موصول کی طرف لوٹتی ہے، **جیسے**: ﴿الْخَنَّاسِ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ﴾، **اس میں** " الَّذِيْ "**اسم موصول اور** " يُوَسْوِسُ "**فعل اور اس میں**

---

[۱] اس وقت اس کا معرف باللام ہونا ضروری ہے۔[کافیہ، اور توابع میں صفت کا حاشیہ ملاحظہ ہو]

[۲] اگر اسم اشارہ " معرفہ " کے بعد واقع ہو تو وہ " معرفہ " موصوف اور اسم اشارہ اس کی " صفت " واقع ہوتا ہے، جیسے: مَرَرْتُ بِزَيْدٍ هٰذَا[**وافی**: ۴۶۵ج۳]، یا پھر " هٰذَا " المشار الیه کی تاویل میں ہو کر صفت واقع ہوگا۔[شرح ابن عقیل: ۴۱۲] مَرَرْتُ بِزَيْدٍ هٰذَا أَيْ: مَرَرْتُ بِزَيْدٍ المشارِ اليه۔

[۳] یہ صلہ اسم موصول سے کیا مراد ہے؟ اس کی تعیین وتوضیح کرتا ہے۔

ضمیر راجع بطرفِ اسم موصول اس کا فاعل اور "عائد" ہے، فعل مع فاعل کے جملہ صلہ ہوا، [قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ، اس میں "اَلَّتِيْ" اسم موصول اور " تُجَادِلُكَ " جملہ صلہ ہے]۔

اسماء موصولہ یہ ھیں: اَلَّذِيْ، اَللَّذَانِ/اللَّذَيْنِ، اَلَّذِيْنَ/اَلْأُلٰى (**مذکر کے واسطے**)، اَلَّتِيْ، اَللَّتَانِ/اَللَّتَيْنِ، اَللَّاتِيْ/ اَللَّوَاتِيْ/ اَللَّائِيْ (**مؤنث کے واسطے**)، مَنْ، مَا، أَيٌّ: **بمعنی** اَلَّذِيْ، أَيَّةٌ: **بمعنی** اَلَّتِيْ، **اور** " أَلْ " **جبکہ اسم فاعل و اسم مفعول کے شروع میں ہو**۔ [کتاب الصرف]

ق: ضمیر عائد جب مفعول بہ[۱] **ہو تو اس کا حذف کرنا جائز ہے، جیسے** قَامَ الَّذِيْ ضَرَبْتُ، أَيْ: ضَرَبْتُهٗ ۔

ق: ضمیر عائد اسم موصول کے مطابق ہوتی ہے۔[۲]

﴿**فائدہ**﴾: "مَنْ" **اکثر ذوی العقول کے واسطے مستعمل ہوتا ہے، جیسے**: ﴿اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾، **اور** " مَا " **اکثر غیر ذوی العقول کے واسطے، جیسے**: ﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾۔

اسم فاعل اور اسم مفعول کی مثالیں یہ ہیں: جَاءَ الضَّارِبُ زَيْداً، **یعنی**: اَلَّذِيْ يَضْرِبُ زَيْداً، قَامَ الْمَضْرُوْبُ غُلَامُهٗ، **یعنی**: اَلَّذِيْ يُضْرَبُ غُلَامُه[۳]۔ [ہدایۃ النحو]

سبق ۔ ۳۹

❁اسماء الافعال:

اسم فعل: وہ ہے جو وضع کے اعتبار سے اسم ہو مگر معنی اور عمل میں فعل کے قائم

[۱] عائد کا حذف کرنا جائز ہے بشرطیکہ التباس لازم نہ آئے خواہ وہ عائد مرفوع واقع ہو یا منصوب یا مجرور۔ [شرح ابن عقیل: ۱۱۲، النحو القرآنی: ۱۱۷]

[۲] البتہ مَنْ اور مَا میں لفظ کی رعایت کرتے ہوئے ضمیر عائد کا واحد لانا اور معنی کی رعایت کرتے ہوئے واحد، تثنیہ، جمع اور مذکر و مؤنث لانا بھی درست ہے، جیسے: برعایتِ لفظ ﴿وَمِنْهُمْ مَنْ يُؤْمِنُ بِهٖ﴾، برعایتِ معنی ﴿وَمَنْ يَقْنُتْ مِنْكُنَّ﴾، ﴿وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُوْنَ إِلَيْكَ﴾۔ [شرح الاشمونی: ۱۳۴ ج ۱، شرح ابن عقیل: ۱۰۸]

[۳] روایۃ النحو، غایۃ التحقیق: ۱۹۲۔ ترجمہ: وہ شخص آیا جو زید کو مارتا ہے۔ وہ شخص کھڑا ہوا جس کا غلام مارا جاتا ہے

مقام ہو[۱](شرح ابن عقیل)۔ یہ نو(۹)اسم ہیں: دُوْنَك، بَلْــهَ، عَـلَيْكَ، حَيَّهَلْ، هَـا، رُوَيْدَ، هَيْهَاتَ، شَتَّانَ، سَرْعَانَ،اور یہ فعل کے محل میں مستعمل ہوتے ہیں،ان کی دوقسمیں ہیں:

۱۔ بمعنی امر حاضر : یہ اسم کونصب دیتے ہیں اور تعداد میں چھ ہیں:

۱۔ دُوْنَكَ: بمعنی خُذْ، جیسے:دُوْنَكَ اللَّبَنَ (دودھ لے)۔

۲۔ بَلْهَ:بمعنی دَعْ ،جیسے:بَلْهَ التَّفَكُّرَ فِيْمَالَا يَعْنِيْكَ(بے فائدہ چیز میں فکر کرنا چھوڑ)

۳۔ عَلَيْكَ:بمعنی اِلْزَمْ،جیسے:عَلَيْكَ الرِّفْقَ(نرمی اختیار کر)۔

٤۔ حَيَّهَلْ[۲]:بمعنی اِيْتِ،جیسے:حَيَّهَلِ الثَّرِيْدَ(ثرید لاؤ)۔[ثرید وہ کھانا ہے جس میں روٹی،دودھ یا شوربے میں ملی ہوئی ہو]۔

٥۔ هَا:بمعنی خُذْ،جیسے:هَا زَيْداً(زید کو پکڑ لے)۔

××× **تنبیه**: یہ لفظ تین طرح سے آتا ہے: هَاءْ[۳]، هاءِ، هاءَ ، ان میں سے تیسرا فصیح تر ہے،اوراس سے واحد،تثنیہ وجمع کے صیغے مستعمل ہوتے ہیں،جیسے::هَـاءَ، هَاؤُمَا، هَاؤُمْ، هَاءِ، هَاؤُمَا، هَاؤُنَّ[۴]،خداتعالی فرماتے ہیں:﴿هَائُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ﴾۔

٦۔ رُوَيْدَ بمعنی أَمْهِلْ،جیسے:رُوَيْدَ زَيْداً(زید کو جانے دو)۔

﴿**فائدہ**﴾: کبھی یہ مصدر کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے،جیسے:﴿أَمْهِلْهُمْ رُوَيْداً﴾۔

[۱] لہٰذا جس طرح فعل، لازم اور متعدی ہوتا ہے اور عمل کرتا ہے،اور بعض افعال متعدی بحرف جر ہوتے ہیں اور ان میں حذف وایصال پایا جاتا ہے،اسی طرح اسمائے افعال بھی لازم اور متعدی ہوتے ہیں اور عمل بھی کرتے اور متعدی بحرف جر ہوتے ہیں،(اور ان میں بھی حذف وایصال ہوتا ہے)، نیز اگر کوئی اسم فعل لازم اور متعدی ہونے میں مشترک ہوتو اس میں دونوں حکم جاری ہوں گے۔ فـإنه يُساير فِيْ التعدي و اللزوم الفعلَ الذي يؤدي معناه، نحو:حيَّهَلِ المائدةَ، أيْ:اِئْتِ الْمائدةَ (دسترخوان لاؤ)[وافی:۱۵۵ج ۴]۔ "اِئْتِ" یہاں متعدی بحرف جر ہے یعنی اِئْتِ بِالْمائدةِ ،مگرحذف وایصال ہوا ہے۔ حذف وایصال کی تفصیل کے لیے النحو الوافی:۱۶۲ج ۲ ملاحظہ ہو۔

[۲] یہ مرکب ہے "حَيَّ اور هَلَا" سے،الف حذف ہوکر "حَيَّهَلْ" رہ گیا۔ یہ کبھی متعدی ہوتا ہے،جیسے:حَيَّهَلِ الثَّرِيْدَ،کبھی (لازم ہوتا ہےاور) عَلٰی ،إِلٰی،لام اور باء کے ساتھ استعمال ہوتا ہے،جیسے حَيَّ على الصلوةِ ، أی: أَقْبِلْ عَلَيْها (آؤ نماز کے لیے) جامع الدروس العربیۃ:۱۵۸ج ۱۔

[۳،۴] " هَأْ " بھی ایک لغت ہے۔[مغنی ۳۴۹ ج ۲،رضی:۳۰۷ ج ۳،شرح مأۃ عامل]

۲۔ **بمعنی فعل ماضی**[۱]: یہ اسم کو رفع دیتے ہیں اور تعداد میں تین ہیں:

۱۔ هَيْهَاتَ: بمعنی بَعُدَ، جیسے: هَيْهَاتَ زَيْدٌ (زید دور ہوا)۔

۲۔ شَتَّانَ: بمعنی اِفْتَرَقَ، جیسے: شَتَّانَ زَيْدٌ وعَمْرٌو (زید اور عمرو الگ ہوئے)۔

۳۔ سَرْعَانَ: بمعنی أَسْرَعَ، جیسے: سَرْعَانَ زَيْدٌ (زید نے جلدی کی)۔

تنبیہ: ان اسموں میں فعل کی بنسبت کسی قدر مبالغہ ہوتا ہے[۲]، مثلاً: شَتَّانَ مَابَيْنَ خَمْرٍ وخَلٍّ، أيْ: اِفْتَرَقَا جِدّاً۔

××× **فائدہ:** ان کے سوا چند اور اسم بھی اسمائے افعال کے معنی دیتے ہیں، [۳] مثلاً:

آمِيْن: اِسْتَجِبْ، مَهْ: اُكْفُفْ، صَهْ: اُسْكُتْ، فَقَطْ[۴]: اِكْتَفِ/اِنْتَهِ، إِلَيْكَ: تَبَعَّدْ عَنِّيْ، عَلَيَّ بِهِ: جِئْ بِهِ، هَيْتَ لَكَ: أَسْرِعْ، هَلُمَّ: أَقْبِلْ/أُحْضُرْ، هَاتِ: أَعْطِ۔

××× **ایک نحوی کا قول ہے:** "هَاتِ" **اصل میں** "آتِ" **باب** "آتَى يُؤْتِيْ" **سے امر کا صیغہ ہے، اس سے واحد، تثنیہ اور جمع کے صیغے مستعمل ہیں، جیسے:** هَاتِ، هَاتِيَا، هَاتُوْا، **اللہ تعالی فرماتے ہیں:** ﴿ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ﴾]۔[القواعد الأساسيه، المعجم......في الإعراب]

سبق ۔ ۴۰ (ایک مشقی حکایت)

شَكَا بَعْضُ الشُّيُوْخِ[٥] سُوْءَ الْهَضْمِ إِلى الطَّبِيْبِ.

فَقَالَ لَهُ: رُوَيْدَ سُوْءَ الْهَضْمِ، فَإِنَّهُ مِنْ خَوَاصِّ الشَّيْخُوْخَةِ.[٦]

---

[۱] بمعنی فعل مضارع بھی آتے ہیں، مثلاً: آهْ: بمعنی أَتَوَجَّعُ، أُفٍّ/ أُفْ: بمعنی أَتَضَجَّرُ، وَيْ: بمعنی أَعْجَبُ [جامع الدروس العربیۃ، ۱۵۸ ج:۱] **نوٹ:** وَيْ کے بعد "کاف" برائے خطاب، یا "کاف" حرف جار برائے تعلیل آتا ہے، جیسے: ﴿وَيْكَأَنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُوْنَ ﴾۔[مغنی، ۳۶۹ ج:۲، ۱۷۶ ج ۱]۔

[۲] اسماء افعال کے معنی میں-مختصر کلمہ ہونے کے باوجود-قوت اور تاکید کا مفہوم پایا جاتا ہے جو عام افعال میں نہیں پایا جاتا۔[اوضح المسالک، النحو القرآنی، النحو الوافی: ۱۴۲ ج ۴]

[۳] آمِيْن: اِسْتَجِبْ (قبول کر)، مَهْ: اُكْفُفْ (رک جا، ٹھہر)، فَقَطْ: اِكْتَفِ/ اِنْتَهِ (بس، صرف، کافی ہے)، إِلَيْكَ: تَبَعَّدْ عَنِّيْ (مجھ سے دور ہو)، عَلَيَّ بِهِ: جِئْ بِهِ (مجھے دو)، هَيْتَ لَكَ: أسرع (جلدی کر)، هَلُمَّ: أقبل/أحضر (آ، لاؤ، چلے آؤ، بلالاؤ)، هَاتِ: أَعْطِ (دے، لاؤ)[القاموس الوحید]

[۴] اس میں "ف" فصیحیہ / جزائیہ ہے اور شرط محذوف ہوتی ہے۔[شرح مأۃ عامل: ص ۵ فارسی حاشیہ]

فَشَكَا لَهٗ ضُعْفَ الْبَصَرِ.

فَقَالَ لَهٗ: بَلْهَ ضُعْفَ الْبَصَرِ، فَإِنَّهٗ مِنْ خَوَاصِّ الشَّيْخُوْخَةِ.

فَشَكَا لَهٗ ثِقْلَ السَّمْعِ.[١]

فَقَالَ: هَيْهَاتَ السَّمْعُ مِنَ الشُّيُوْخِ، فَإِنَّ ضُعْفَ السَّمْعِ مِنْ خَوَاصِّ الشَّيْخُوْخَةِ.

فَشَكَا لَهٗ قِلَّةَ الرُّقَادِ.[٢]

فَقَالَ لَهٗ: شَتَّانَ الرُّقَادُ وَ الشُّيُوْخُ، فَإِنَّ قِلَّةَ الرُّقَادِ مِنْ خَوَاصِّ الشَّيْخُوْخَةِ.

فَشَكَا لَهٗ ضُعْفَ الْبَاهِ.[٣]

فَقَالَ: سَرْعَانَ ضُعْفُ الْبَاهِ إِلَى الشُّيُوْخِ، فَإِنَّ ضُعْفَ الْبَاهِ مِنْ خَوَاصِّ الشَّيْخُوْخَةِ.

فَقَالَ الشَّيْخُ لِأَصْحَابِهٖ: دُوْنَكُمْ الْأَحْمَقَ وَ عَلَيْكُمْ الْجَاهِلَ وَ هَاكُمْ الْبَلِيْدَ[٤] الَّذِي لَا فَهْمَ لَهٗ. فَإِنَّهٗ لَا فَرْقَ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ الدُّرَّةِ[٥] إِلَّا بِالْمُصَوَّرَةِ[٦] الْإِنْسَانِيَّةِ، لِأَنَّهٗ لَا يَسْتَطِيْعُ أَنْ يَتَكَلَّمَ إِلَّا بِهَاتَيْنِ الْكَلِمَتَيْنِ.

فَتَبَسَّمَ الطَّبِيْبُ، وَ قَالَ: حَيَّهَلْ الْغَضَبَ يَا شَيْخُ! ، فَإِنَّ هٰذَا أَيْضًا مِنْ خَوَاصِّ الشَّيْخُوْخَةِ.

❁❁❁❁❁

اِقْرَأْ وَاحْفَظْ: حُكِيَ أَنَّ عَبْدَ الْمَلِكِ بْنَ مَرْوَانَ جَلَسَ يَوْمًا وَعِنْدَهٗ جَمَاعَةٌ مِنْ أَصْدِقَائِهٖ وَ أَهْلِ مُسَامَرَتِهٖ، فَقَالَ أَيُّكُمْ يَأْتِيْنِي بِحُرُوْفِ الْمُعْجَمِ فِي الْبَدَنِ وَ لَهٗ عَلَيَّ مَا يَتَمَنَّاهُ.

فَقَامَ إِلَيْهِ سُوَيْدُ بْنُ غَفْلَةَ، فَقَالَ: أَنَا لَهَا يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ. فَقَالَ: هَاتِ، قَالَ: أَنْفٌ، بَطْنٌ، تَرْقُوَةٌ، ثَغْرٌ، جُمْجُمَةٌ، حَلْقٌ، خَدٌّ، دِمَاغٌ، ذَقَنٌ، رَقَبَةٌ، زَنْدٌ، سَاقٌ، شَفَةٌ، صَدْرٌ، ضِلْعٌ، طِحَالٌ، ظَهْرٌ، عَيْنٌ، غُدَّةٌ، فَمٌ، قَفًا، كَبِدٌ، لِسَانٌ، مَعِدَةٌ، نَابٌ، هَامَةٌ، وَجْهٌ، يَدٌ، وَهٰذِهٖ آخِرُ حُرُوْفِ الْمُعْجَمِ، وَ السَّلَامُ عَلٰى أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ.

فَضَحِكَ عَبْدُ الْمَلِكِ، وَ أَنْعَمَ عَلَيْهِ وَ بَالَغَ فِي الْإِحْسَانِ إِلَيْهِ.

---

[٥]شَيْخٌ: *بوڑھا، (بڑے میاں)* [٦]شَيْخوخة: *بڑھاپا۔* [١]ثِقْل السمع: *بہراپن۔* [٢]قلة الرقاد: *کم خوابی۔* [٣]ضعف الباه: **قوت مردی کی کمی۔** [٤]بليد: *جاہل۔* [٥]درة: *طوطی۔* [٦] مصورة: **شکل وصورت**[*مؤلف*]۔ *نوٹ*:-المصورة کے بجائے "الصُّوْرَة" *زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم*

سبق ۔۱۷

❁**اسمـاء الاصوات**: وہ اسم ہیں جن سے کسی جانور یا بے جان چیز کی آواز کی حکایت (نقّالی) کی جائے، **جیسے**: غَـاقْ ،غَـاقْ (کوے کی آواز کی نقل ہے)، أُحْ ،أُحْ (وہ آواز جو کھانسی کے وقت منہ سے نکلتی ہے)، یا کسی جانور وغیرہ کو آواز دی جائے، **جیسے**: نِخْ ،نِخْ (وہ آواز ہے جس سے اونٹ کو بٹھاتے ہیں)۔[۱] [ہدایۃ النحو]

❁**مـرکبـاتِ امـتـزاجی**: وہ دو کلمے جو مرکب ہوکر ایک اسم بن گئے ہوں، اور ان دونوں میں کچھ نسبتِ اضافی یا اسنادی نہ ہو، اس کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ اگر دوسرا جزء متضمن حرف ہو تو دونوں جزء مبنی بر فتح ہوتے ہیں، جیسے: "أَحَـدَ عَشَرَ" سے "تِسْعَةَ عَشَرَ" تک سوائے "اِثْنَا عَشَرَ" کے، اس میں جزء اول معرب ہے۔[۲]

۲۔ اگر دوسرا جزء اسمِ صَوْت ہو تو پہلا جزء مبنی بر فتح اور دوسرا جزء مبنی بر کسر ہوگا، جیسے: سِيْبَوَيْهِ [جو "سیب" اور "ویہ" سے مرکب ہے]۔[۳]

۳۔ اگر دوسرا اسم صوت نہ ہو تو پہلا جزء مبنی بر فتح ہوگا[۴] اور دوسرا جزء معرب باعرابِ غیر منصرف، جیسے: بَعْلَبَكُّ [جو مرکب ہے "بعل" (نام بت) اور "بکّ" (نام بانی شہر) سے[۵]]۔

❁**کـنـایات**: وہ اسم ہیں جو مبہم چیز کی تعبیر کے واسطے آئیں، یہ چار لفظ

---

[۱] اسی طرح هَجَا-هَجَا: کتوں کو بھگانے کے لیے، كِخْ- كِخْ: بچوں کو کسی چیز کے کھانے سے روکنے لیے، یا کسی کھانے کی چیز سے کراہت پیدا کرانے لیے، اور هَلَا-هَلَا: گھوڑے کو جھڑکنے کے لیے بولتے ہیں)[وافی: ۱۶۲ ج ۴]، دَجْ- دَجْ: مرغیوں کو بھگانے کی لیے، جَـهْ- جَـهْ، دَهْ-دَهْ: اونٹ کو جھڑکنے کی لیے بولتے ہیں۔[رضی: ۸۷ ج ۱]۔ اس کے علاوہ اور بھی کلمات ہوسکتے ہیں جو مقامی عرف ومحاورہ پر موقوف ہیں۔

[۲] اس پہلی صورت کو مرکب بنائی کہتے ہیں۔ صَبَـاحَ مَسَـاءَ (صبح وشام)، يَوْمَ يَوْمَ (دن بدن)، بَيْنَ بَيْنَ (درمیان درمیان)، شَـذَرَ مَذَرَ (پارہ پارہ/تتر بتر) وغیرہ کلمات بھی اسی قسم سے ہیں۔[شرح شذور الذھب: ۲: ۷۱، المعجم المفصل فی الاعراب]۔ [۳] اس کو مرکب صوتی کہتے ہیں۔ [۴] یا دونوں معرب مضاف، مضاف الیہ ہیں [ہدایۃ النحو: ۶۰ حاشیہ]۔ یا مرکب ہونے سے پہلے والی حالت پر چھوڑ دیا جائے، لہٰذا آخر کا اعراب مرکب ہونے کے بعد بھی ضبط (متعین) نہ کیا جائے گا، اور اس پر معرب ومبنی کا حکم جاری نہ ہوگا۔[وافی: ۲۲۸ ج ۴]۔

[۵] اس کو مرکب منع صرف کہتے ہیں، مُحَمَّد طَيِّبُ، أَحْمَد آبَادُ وغیرہ مثالیں اسی قسم سے ہیں۔

ہیں: ان میں سے ” کَمْ اور کَذَا “ کنایہ عددِ مبہم سے[۱]، اور ” کَیْتَ و ذَیْتَ “ کنایہ امرِ مبہم سے ہوتے ہیں۔

ق: ” کَمْ “ کے واسطے صدر کلام ضروری ہے، اگر استفہامیہ ہو تو اس کی تمیز منصوب مفرد ہوگی، جیسے: کَمْ دِرْهَماً عِنْدَكَ؟ (تیرے پاس کس قدر درہم ہیں؟)، اگر خبریہ ہو تو اس کی تمیز مجرور مفرد ہوگی، جیسے: کَمْ دِيْنَارٍ عِنْدِيْ (میرے پاس بہت سی اشرفیاں ہیں) یا مجرور مجموع، جیسے: کَمْ رِجَالٍ لَقِيْتُهُمْ۔

﴿**تنبیہ**﴾: ”مِنْ“ جارہ دونوں کی تمیز پر آتا ہے،[۲] جیسے: کَمْ مِنْ رَجُلٍ ضَرَبْتَ؟، ﴿كَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ﴾، ﴿سَلْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ كَمْ آتَيْنٰهُمْ مِنْ اٰيَةٍ بَيِّنَةٍ؟﴾۔

﴿**تنبیہ**﴾: جب قرینہ پایا جائے تو کم کی تمیز حذف ہوتی ہے، جیسے کَمْ مَالُكَ؟ أَيْ: کَمْ دِيْنَاراً مَالُكَ؟، کَمْ ضَرَبْتُ، أَيْ: کَمْ ضَرْبَةٍ ضَرَبْتُ۔

ق: ” کَذَا “ مکرر آتا ہے[۳]، یہ خبریہ ہوتا ہے، اس کے واسطے صدر کلام کی ضرورت نہیں، اور اس کی تمیز منصوب مفرد آتی ہے، جیسے: قَبَضْتُ كَذَا وَكَذَا دِرْهَماً (میں نے اتنے اتنے درہم لیے)۔ [کَذَا کے معنی: اتنا سارا]

کَیْتَ ، ذَیْتَ (ایسا ویسا): **قولِ مبہم یا فعلِ مبہم سے کنایہ ہوتے ہیں اور مکرر استعمال ہوتے ہیں، جیسے:** قُلْتُ ذَيْتَ وَذَيْتَ، (میں نے ایسا ویسا کہا)، صَنَعَ الْعَامِلُ كَيْتَ وَكَيْتَ (مزدور نے ایسا ویسا کیا)۔ [وافی: ۵۸۳ ج ۴]

---

[۱] کذا غیر عدد سے بھی کنایہ ہوتا ہے، اس وقت اس کے بعد تمیز نہیں ہوتی، جیسے: يُقَالُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِلْعَبْدِ ..... فَعَلْتَ كَذَا وكَذَا ؟؟۔ ایک ” کذا “ وہ ہوتا ہے جس سے تشبیہ کا معنی مراد ہوتا ہے، یہ کاف جارہ اور اسم اشارہ سے مرکب ہوتا ہے، جیسے: کذا، هٰكذا (ایسا، اس طرح)، کذلك (اُس طرح، ویسا)۔ [مغنی: ۱۸۷ ج ۱]

[۲] اس وقت دونوں کی تمیز مجرور ہوگی، مگر قرینہ خارجیہ سے ان کی تعیین ہوسکتی ہے، مثلاً: عامۃً استفہامیہ کے مواقع میں ضمیر مخاطب اور خبریہ کے مواقع میں ضمیر غائب یا ضمیر متکلم ہوا کرتی ہے، یا موقع طلب استفہام کا ہو تو کم استفہامیہ ہوگا، اگر اطلاع واخبار کا ہو تو کم خبریہ ہوگا۔ چناں چہ پہلی اور تیسری مثال کم استفہامیہ کی ہے، اور دوسری کم خبریہ کی ہے۔

[۳] یہ ہمیشہ مکرر نہیں آتا، اس کا طریقۂ استعمال عربی کی جامعیت پر دلالت کرتا ہے، مغنی: ۱۸۸ ج: ۱، ملاحظہ ہو۔

سبق۔۴۲،۴۳

ظروف مبنیه:

إِذْ، إِذَا، مَتٰى، أَيَّانَ، كَيْفَ، أَمْسِ، مُذْ، مُنْذُ، قَطُّ، عَوْضُ، قَبْلُ، بَعْدُ؛ یہ ظروفِ زمان ہیں،اور تَحْتُ، فَوْقُ، قُدَّامُ، خَلْفُ، حَيْثُ، أَيْنَ، أَنّٰى، لَدٰى، لَدُنْ؛ یہ ظروفِ مکان ہیں۔

﴿**فائدہ**﴾: بعض ان میں سے ضمہ پر، بعض فتحہ پر اور بعض سکون پر مبنی ہیں۔

اسمائے جہاتِ ستّہ: قَبْلُ، بَعْدُ، تَحْتُ، فَوْقُ، قُدَّامُ، خَلْفُ **مبنی بر ضم** ہوتے ہیں جب کہ اِن کا مضاف الیہ محذوف ہو اور دل میں مقصود ہو[۱]، **جیسے**: ﴿سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ﴾ أَيْ: مِنْ قَبْلِ هٰذَا الزَّمَانِ ،[**پس**"هٰذَا الزَّمَان" "قَبْلُ" کا مضاف الیہ تھا جو اس جگہ سے محذوف ہے]۔

××× ﴿**فائدہ**﴾: اِن ظروفِ مقطوع الاضافت کو نحویوں کی اصطلاح میں **"غایات"**

---

[۱] اسمائے غایات کے مضاف کے اعراب کی چار حالتیں ہیں، تین حالتوں میں مضاف معرب ہوتا ہے اور ایک حالت میں مضاف مبنی بر ضم ہوتا ہے: (۱) مضاف الیہ مذکور ہو تو مضاف معرب ہوگا، جیسے ﴿لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا﴾[النحل]، ﴿لِكَيْلَا يَعَلَمَ مِنْ بَعْدِ عَلْمٍ شَيْئًا﴾[الحج]، (۲) مضاف الیہ محذوف ہو مگر اس کا لفظ اور معنی دونوں منوی (دل میں مقصود) ہوں تو مضاف معرب غیر منون ہوگا، جیسے: اِنْقَطَعَ الْمَطَرُ وَصَفَاالْجَوُّ بَعْدَ، أيْ: بَعْدَ انْقِطَاعِ الْمَطَرِ ،(۳) مضاف الیہ محذوف ہو مگر اس کا لفظ اور معنی دونوں منوی نہ ہوں تو مضاف معرب منون ہوگا، (جیسے :رُبَّ بعدٍ كان خيراً من قبلٍ (بہت سی بعد کی چیزیں پہلے کی چیزوں سے بہتر ہیں)[روایۃ النحو]، شُفِيَ الْمَرِيْضُ مِنْ بَعْدٍ (مریض بعد میں شفایاب ہوگیا)، یہ تنوین تنوین عوض ہوتی ہے جو مضاف الیہ کے محذوف ہونے پر دلالت کرتی ہے، تقدیری عبارت یہ ہے: ۱/ رُبَّ شيءٍ كائنٍ بعدَ زمنٍ موجودٍ كان خيراً من رب شيءٍ كائنٍ قبلَ زمنٍ ماضٍ، ۲/ شُفِيَ الْمَرِيْضُ مِن بَعدِ الْمعَالَجَة ،دوسری مثال میں چوں کہ اللہ تعالیٰ شافیِ حقیقی ہے اس لیے بَعد الْمعَالَجَة : کے مضاف الیہ کا لفظ اور معنی دونوں منوی نہیں، (٤) مضاف الیہ محذوف ہو؛ اس کا لفظ منوی نہ ہوں مگر اس کا معنی منوی و مقصود ہو- جو موقع و محل کے پیشِ نظر مناسب لفظ محذوف مان کر مراد لیا جائے گا-تو مضاف مبنی بر ضم ہوگا، جیسے: لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ، [مستفاد: شرح ابن عقیل:۳۵۳،النحو الوافی:۲۸۳ج۲،النحو القرآنی:۴۴۷] خلاصہ:" مضاف کا معرب منون ہونا" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مضاف الیہ کا لفظ اور معنی دونوں مقصود نہیں ہیں، اور" مبنی بر ضم ہونا" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مضاف الیہ معنی مقصود ہے، جو مناسب لفظ محذوف مان کر مراد لیا جائے گا۔

[۱] کہتے ہیں۔

××× **فائدہ**: اسمائے جہاتِ ستہ کے مضاف الیہ کا حذف کرنا سماعی ہے [قیاسی نہیں]، اسی واسطے لفظِ "یمینٌ اور شمالٌ" کی قطع اضافت مسموع نہیں ظروف مبنیہ کے شمار سے خارج ہیں۔

۞ **حَيْثُ** (جہاں): **ظرف مکان، مبنی برضم اور لازم الاضافت ہے، اور اکثر جملہ کی طرف مضاف ہوتا ہے** [۱۰]، **جیسے**: اِجْلِسْ حَيْثُ زَيْدٌ جَالِسٌ، قُمْ حَيْثُ قامَ زَيْدٌ۔

۞ **إِذَا** (جب، جس وقت): **مستقبل** [۲] **کے واسطے آتا ہے اگر چہ ماضی پر داخل ہو، اور اس میں شرط کے معنیٰ ہوتے ہیں** [۳]، **جیسے**: ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰہِ......﴾۔

××× ﴿**تنبیہ**﴾: **کبھی اس سے استمرار زمانی مراد ہوتا ہے** [۴]، **جیسے**: ﴿وإِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَاتُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ قَالُوْا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ﴾ [يَعْنِي هذَا دَأْبُهُمْ وَ عَادَتُهُمُ الْمُسْتَمِرَّةُ]۔ [۵]

××× ﴿**فائدہ**﴾: "إِذَا" **کبھی مفاجات کے معنی دیتا ہے، اس وقت اس کے بعد مبتدا کا ہونا ضروری ہے، جیسے**: خَرَجْتُ فَإِذَا السَّبُعُ وَاقِفٌ ۔

۞ **إِذْ** (جب، جس وقت): **ماضی کے واسطے آتا ہے اگر چہ مضارع پر داخل ہو** [۶]، **اس کے بعد کبھی جملہ اسمیہ ہوتا ہے، جیسے**: ﴿وَ اذْكُرُوْا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيْلٌ﴾، **کبھی جملہ فعلیہ، جیسے**: ﴿وإِذْ يَرْفَعُ إِبْرٰهِمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ و إِسْمٰعِيْلُ﴾۔

---

[۱] وجہ تسمیہ یہ ہے کہ غایت کے معنی انتہاء کے ہیں، جب ان کا مضاف الیہ مذکور ہوتا ہے تو خود مضاف الیہ پر مفہوم منتہی اور مکمل ہو جاتا ہے، اب جب کہ مضاف الیہ محذوف مگر منوی ہے تب بھی ان پر مفہوم منتہی اور مکمل ہو رہا ہے، ناقص نہیں رہتا، اس لیے مجازاً ان کا بھی "غایات" نام رکھ دیا گیا۔ [وافی: ۱۴۱ ج ۳]

[۱۰] حیثُ کا مابعد مفرد ہو تو مجرور اور مرفوع دونوں جائز ہے، مرفوع کی صورت میں خبر محذوف ہوگی اور مبتدو خبر مضاف الیہ شمار ہوگا۔ (مغنی: ج ۱)

[۲] کبھی ماضی اور حال کا معنی بھی دیتا ہے۔ [مغنی: ۹۵ ج ۱، النحو القرآنی: ۱۴۴]

[۳] یہ بھی لازم الاضافۃ ہے، اکثر جملہ فعلیہ کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ مضاف و مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ واقع ہوگا، اور اس کا عامل جواب شرط (جزاء) میں واقع "فعل یا شبہ فعل" ہوگا۔ [مغنی: ۹۶، ۱۰۰ ج ۱، النحو القرآنی: ۱۴۱]

[۴] لہٰذا کوئی مخصوص زمانہ مراد نہ ہوگا۔

[۵] ترجمہ: یہ ان کی ہمیشہ کی عادت رہی ہے کہ: جب بھی ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو وہ کہتے ہیں: بیشک ہم لوگ تو اصلاح کرنے والے (امن قائم کرنے والے) ہیں۔

××× 《**فائدہ**》:" إِذْ " کبھی مفاجات کے معنی دیتا ہے[۱] جب کہ " بَیْن یا بَیْنَما " کے جواب میں واقع ہو، جیسے: بَیْنَمَا أَنَا جَالِسٌ إِذْ أَقْبَلَ زَیْدٌ (میں بیٹھا تھا کہ اچانک زید آ پہنچا)۔

۞ **أَیْنَ وأَنّٰی** (کہاں، جہاں): دونوں ظرفِ مکان کے واسطے آتے ہیں خواہ استفہامیہ ہوں، جیسے: ﴿أَیْنَ الْمَفَرُّ؟﴾، ﴿أَنّٰی لَكِ هٰذَا؟﴾، خواہ شرط کے واسطے، [اس وقت مضارع کو جزم دیتے ہیں]، جیسے: أَیْنَ تَجْلِسْ أَجْلِسْ، أَنّٰی تَکُنْ أَکُنْ۔

《**فائدہ**》: " أَنّٰی " کبھی " کَیْفَ " کا معنیٰ دیتا ہے، جیسے: ﴿أَنّٰی یَکُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَلَمْ یَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ﴾؟۔

۞ **مَتٰی** (کب): زمان کے واسطے آتا ہے، کبھی استفہامیہ ہوتا ہے، جیسے: مَتٰی تُسَافِرُ؟ اور کبھی شرطیہ، [اس وقت مضارع کو جزم دیتا ہے]، جیسے: مَتٰی تَقُمْ أَقُمْ۔

۞ **أَیَّانَ** (کب): مبنی بر فتح، زمان کے واسطے آتا ہے اور استفہام کے معنی دیتا ہے، جیسے: ﴿أَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ؟﴾۔

فائدہ: " أَیَّانَ " زمانۂ مستقبل سے خاص ہے اور امور عظیمہ کے استفہام کے واسطے مستعمل ہوتا ہے، مگر " مَتٰی " عام ہے۔[۲]

۞ **کَیْفَ** (کیسا): مبنی بر فتح اور استفہام حال[۳] کے واسطے آتا ہے، جیسے: کَیْفَ أَنْتَ؟۔

ت]..... ۞ **مُذْ، مُنْذُ** (سے، میں): کبھی یہ دونوں اول مدت کے معنی دیتے ہیں، اس

---

[۵] یہ بھی لازم الاضافۃ ہے، اور مضاف، مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ واقع ہوتا ہے، جیسے: ﴿فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا﴾، کبھی مفعول بہ، جیسے: ﴿وإِذْ یَرْفَعُ إِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ﴾ (یہاں اُذْکُرْ فعل محذوف ہے)، یا اس کا بدل واقع ہوتا ہے، جیسے: ﴿وَاذْکُرْ فِيْ الْکِتَابِ مَرْیَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ......﴾۔[مغنی: ۸۰ج۱، وافی: ۸۶ج۳]

[۱] "إِذَا" اور " إِذْ " دونوں جب مفاجاتیہ ہوں تو حرف شمار ہوتے ہیں، اور لامحل لها من الاعراب (یعنی کسی عامل کا معمول نہیں) ہوتے ہیں[مغنی: ۸۷ج۱]۔ **فائدہ**: " إِذْ " تعلیلیہ بھی ہوتا ہے، جیسے: ﴿لَنْ یَنْفَعَکُمُ الْیَوْمَ إِذْ ظَلَمْتُمْ﴾ أَيْ: لِأَجَلِ ظُلْمِکُمْ (سب کے عذاب میں مبتلا ہونے سے) تم کو آج کچھ فائدہ نہ ہوگا کیوں کہ تم نے دنیا میں ظلم کیا ہے)۔

[۲] لہٰذا تینوں زمانوں کے واسطے اور امور عظیمہ (ہولناک) اور غیر عظیمہ کے واسطے بھی استعمال ہوسکتا ہے۔[مختصر المعانی]

[۳] لہٰذا" کیف" کے ذریعہ کسی کی ذات کے متعلق استفہام نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کے لیے "مَنْ، یا مَا" کا

صورت میں ان کے بعد مفرد معرفہ آتا ہے، جیسے: مَارَأَيْتُهٗ مُذْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ/ مُنْذُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ۔ کبھی تمام مدت کے معنی، اس صورت میں ان کے بعد مقصود بالعدد ہوتا ہے خواہ مفرد ہو یا تثنیہ یا جمع، جیسے: مَارَأَيْتُهٗ مُذْ يَوْمٌ/ مُنْذُ يَوْمٌ۔ [۱]

××× **فائدہ**: جمہور نحوی مُذْ اور مُنْذُ کو ترکیب میں مبتدا اور ان کے مابعد کو خبر کہتے ہیں[۲]۔

لَدٰی و لَدُنْ (پاس): یہ دونوں لازم الاضافت ہیں اور "عِنْدَ" کے معنیٰ دیتے ہیں، جیسے: اَلْمَالُ لَدَيْكَ۔

××× **﴿فائدہ﴾**: اِن کا استعمال "عِنْدَ" کے مقابلہ میں خاص ہے، کیوں کہ چیز کی موجودگی اِن میں شرط ہے اور "عِنْدَ" میں شرط نہیں، [پس "اَلْمَالُ عِنْدَ زَيْدٍ" ہر حالت میں کہہ سکتے ہیں خواہ مال زید کے سامنے موجود ہو یا اس کے گھر میں رکھا ہوا ہو، مگر "اَلْمَالُ لَدٰی زَيْدٍ" صرف اس وقت کہیں گے جب کہ مال زید کے سامنے موجود ہو]۔

استعمال ہوگا، جیسے: مَنْ أَنْتَ؟، مَاهٰذا؟۔ حرف الکاف میں بھی "کیف" ملاحظہ ہو۔

[۱] تثنیہ ہو تو: مَارَأَيْتُهٗ مُذْ يَوْمَانِ/ مُنْذُ يَوْمَانِ، جمع ہو تو: مَارَأَيْتُهٗ مُذْ ثَلٰثَةُ أَيَّامٍ/ مُنْذُ ثَلٰثَةُ أَيَّامٍ۔

[۲] **تمہید**: ۱۔ مذ، منذ کا مابعد کبھی مفرد مرفوع ہوتا ہے، جیسے: مَا رَأَيْتُهٗ مُذْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ، کبھی جملہ، جیسے: مَا رَأَيْتُهٗ مُذْ غَادَرَ الْمَدْرَسَةَ۔ ۲۔ مذ، منذ محلاً منصوب اسم ظرف ہوں گے یا محلاً مرفوع اسم غیر ظرف۔

تفصیل: (۱) **اگر مابعد مفرد مرفوع ہو تو** جمہور نحات بصرہ اور زجاج نحوی فرماتے ہیں: "مذ، منذ" محلاً مرفوع -غیر ظرف- ہوں گے، کوفیین کے نزدیک دونوں محلاً منصوب اسم ظرف ہوں گے۔

پھر جمہور نحات فرماتے ہیں: وہ دونوں مبتدا واقع ہوں گے اور ان کا مابعد -مفرد مرفوع- خبر ہوگا۔ زجاج نحوی فرماتے ہیں: دونوں خبر مقدم ہیں اور مابعد مبتدا مؤخر ہوگا [حبیبیہ]، گویا مَا رَأَيْتُهٗ مُذْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ میں دو جملے ہیں: ایک: مَا رَأَيْتُهٗ، اور دوسرا: مُذْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ، یہ دوسرا جملہ بغیر واو کے مستانفہ ہے جو ایک سوال مقدر [ما أمد ذالك؟ یا متی مار أيته؟ یا کم مدةً مار أيته؟] کا جواب ہے۔ [تفصیل مغنی: ۴۹۷، ۳۸۲ ج ۲، وافی: ۳۹۰ ج ۴، حرف الواو ملاحظہ ہو]

کوفیین کے نزدیک دونوں محلاً منصوب اسم ظرف مضاف واقع ہیں اور مابعد: مفرد مرفوع فعل محذوف کا فاعل ہے، -تقدیری عبارت مذ كان يومان ہوگی- اور جملہ مضاف الیہ ہوگا، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر کلام سابق کا مفعول فیہ ہوگا۔ [اوضح المسالک: ۵۳ ج ۳ حاشیہ]

(۲) **اگر مابعد جملہ ہو تو** تمام نحات کے نزدیک "مذ، منذ" محلاً منصوب اسم ظرف مضاف ہوں گے، جملۂ مابعد مضاف الیہ اور کلام سابق کا مفعول فیہ واقع ہوں گے۔ [اوضح المسالک: ۵۳ ج ۳، النحو الوافی: ۵۱۸ ج ۲، ۵۴۴ ج ۲]

۞ **قَطُّ** (کبھی نہیں): مبنی بر ضم، اور زمانۂ ماضی منفی کے استغراق کے واسطے آتا ہے، جیسے: ما رَأَيْتُهٗ قَطُّ، (میں نے اس کو کبھی نہیں دیکھا)

۞ **عَوْضُ** (کبھی نہیں، ہرگز نہیں): مبنی بر ضم اور زمانۂ مستقبل منفی کے استغراق کے واسطے آتا ہے، جیسے: لَاأُعْطِيْهِ عَوْضُ، (میں اس کو کبھی نہیں دوں گا)۔[یہ لفظ بھی بسببِ قطع اضافت۔مثل اسمائے جہات ستہ کے۔ مبنی بر ضم ہے]۔

ق: ۱-ظروفِ غیر مبنی مثلاً: یَوْمٌ، حِیْنٌ وغیرہ کو جب جملہ کی طرف اضافت کریں تو مبنی بر فتح ہوجاتے ہیں، جیسے: ﴿هٰذَا يَوْمَ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ﴾[۱]۔

××× **تنبیہ**: یَوْمٌ اور حِیْنٌ کو جب "إِذْ" کی طرف مضاف کریں تو "إِذْ" تنوین جری کے ساتھ پڑھا جائے گا[۲]، جیسے: يَوْمَئِذٍ، حِيْنَئِذٍ[کہ اصل میں يَوْمَ إِذْ كَانَ كَذَا[۳] تھا۔

××× **ق: ۲**-اسی طرح لفظِ "مِثْل" اور "غَيْر"[۴] جب کہ "مَا" یا "أَنْ" یا "أَنَّ" کے پہلے آئیں تو وہ بھی مبنی بر فتح ہوجاتے ہیں، جیسے: ﴿إِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ﴾۔[۵]

سبق ۔ ٤٤ (سوالات)

۱۔ ذیل کے سوالات کے جواب دیجیے۔

[۱] اسمائے مبنیہ کی حرکات کے کیا نام ہیں؟۔

[۲] ضمیر فصل کا استعمال کس جگہ ہوتا ہے؟۔

[۳] اسم اشارہ خطابی کے واسطے کتنے حروف ہیں؟ اور کتنے صیغوں کے ساتھ مستعمل ہوتے ہیں؟۔

[۴] اسم موصول کے جزءِ تام بننے کے واسطے کتنی چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے؟۔

---

[۱] یہ امام نافع مدنی کی قراءت ہے، باقی قراء "يَوْمُ" بالرفع پڑھتے ہیں۔[البدور الزاھرہ:۹۹]

[۲] یہ تنوین عوض ہوتی ہے جو مضاف الیہ محذوف کے عوض میں لائی جاتی ہے۔

[۳] كَانَ كَذَا سے مراد مضاف الیہ ہے، جس کی تعیین سیاق وسباق سے کی جائے گی، مثلاً: ﴿يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا﴾ میں يَوْمَ إِذْ تَقَعُ السَّاعَةُ یا يَوْمَ إِذْ زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ یا يَوْمَ إِذْ أَخْرَجَتِ الْأَرْضُ محذوف نکالا جاسکتا ہے۔

[۴] اضافت معنوی اور حروف کے بیان میں ملاحظہ ہو۔

[۵] یہاں ﴿مِثْلُ مَا أَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ﴾ رفع کے ساتھ بھی قراءت آئی ہے۔الذاریات: ۲۶۔[البدور الزاھرہ]

[۵] اسماء الافعال اور فعل کے معنیٰ میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟۔

[٦] مرکب امتزاجی کا دوسرا جزء مبنی بر کسرہ کس صورت میں ہوتا ہے؟۔

[۷] كَذَا کے استعمال کے واسطے کتنی شرطیں ہیں؟۔

[۸] مَتٰى اور أَيَّانَ کے استعمال میں کیا فرق ہے؟۔

[۹] لَدٰى کی جگہ عِنْدَ کب مستعمل ہوسکتا ہے؟۔

[۱۰] قَطُّ اور عَوْضُ کس کس جگہ مستعمل ہوتے ہیں؟۔

۲۔ ان جملوں کا اُردو میں ترجمہ کرو اور جن الفاظ پر خط کھینچا گیا ہے ان کا استعمال بیان کرو۔

[۱] ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾. إِنَّهَا زَيْنَبُ قَائِمَةٌ.

[۲] ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ﴾. ﴿ذٰلِكَ الْكِتَابُ﴾.

[۳] أَنَا الَّذِيْ سَمَّتْنِيْ أُمِّيْ حَيْدَرَ. ﴿لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيّاً﴾.

[۴] ﴿غَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ﴾. يُقَالُ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ: أَ تَذْكُرُ يَوْمَ كَذَا وَ كَذَا.

[۵] ﴿إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِيْ الْغَارِ إِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ: لَاتَحْزَنْ﴾.

۳۔ ذیل کے جملوں کو صحیح کرو:

إِنَّهٗ هِنْدٌ قَاعِدَةٌ. هٰذِهٖ كِتَاب. جَاءَ الَّتِيْ ضَرَبْتُهٗ. عَلَيْكَ الرِّفْقُ. هٰذَا سِيْبَوَيْهٗ. عِنْدَكَ دِرْهَمٍ. أَيَّانَ تُسَافِرُ. لَاأَرَاه قَطُّ.

❁❁❁❁❁❁

اِقْرَأْ وَ تَفَكَّرْ:

أُنْظُرْ لِتِلْكَ الشَّجَرَةْ	ذَاتِ الغُصُوْنِ النَّضِرَةْ
كَيْفَ نَمَتْ من حَبَّةٍ	وَكَيْفَ صَارَتْ شَجَرَةْ ؟
فَابْحَثْ وَقُلْ مَن ذَا الَّذِيْ	يُخْرِجُ مِنْهَا الثَّمَرَةْ؟

سبق ۔ ٤٥

اسم کے متفرق احکام:

(تقسیم اول) **معرفہ و نکرہ**: عموم وخصوص کے اعتبار سے اسم کی دو قسمیں ہیں: ۱۔معرفہ ۲۔نکرہ [یعنی ایک خاص، دوسری عام]۔

معرفہ: وہ اسم ہے جو ایک معین چیز کے واسطے بنایا گیا ہو[۱]، اس کی چھ قسمیں ہیں: علَم، ضمیر، اسماءِ اشارہ، اسماءِ موصول، معرف باللام، مضاف الی المعرفہ۔

ت]..... **۱۔علَم** : وہ اسم ہے جو کسی خاص چیز کے واسطے موضوع ہو[۲]، اور وہ وضع واحد میں اپنے علاوہ کو شامل نہ ہو، جیسے: زَيْدٌ[۳]، مَدِيْنَةُ[۴]، فُرَاتُ۔[کافیہ]

۲۔ مضمرات: وہ اسماء جو متکلم یا مخاطب یا غائب پر دلالت کریں، جیسے: أَنَـــا، أَنْتَ، هُو وغیرہ۔

۳۔ اسماءِ اشارہ: وہ اسماء ہیں جن سے کسی چیز کی طرف اشارہ کریں، جیسے: هٰذا، ذَالِكَ وغیرہ۔

٤۔اسماءِ موصول: وہ اسماء جو صلہ کے بغیر جملہ کا جزءِ تام نہ ہو سکے، جیسے: اَلَّـذِيْ، اَلَّتِيْ وغیرہ۔

---

[۱] خواہ وضع اور استعمال دونوں جزئی ہو، جیسے: زید، بکر یا وضع کلی ہو مگر استعمال جزئی ہو، جیسے: ضمائر، اشارات، موصولات، علم جنس۔ **نوٹ**: معرفہ کے استعمال سے مدلول کا معین فرد مراد ہوتا ہے اور نکرہ میں غیر معین فرد مراد ہوتا ہے۔

[۲] یعنی اس طرح طے کیا گیا ہو کہ بلا کسی قرینہ کے اپنے مدلول پر دلالت کرے۔ **ملاحظہ**: علم اور دیگر اقسام میں اس قدر فرق ہے، **علم** بلا قرینہ اپنے مدلول کی تعیین پر دلالت کرتا ہے، دیگر اقسام قرینہ خارجیہ سے دلالت کرتے ہیں، مثلاً ضمائر ذات متکلم یا مخاطب یا غائب کے قرینہ سے، اسمائے اشارات مشارالیہ کے قرینہ سے، موصولات صلہ کے قرینہ سے، معرف باللام "أَلْ" کے قرینہ سے اور مضاف الی المعرفہ مضاف الیہ کے قرینہ سے اپنے مدلول کی تعیین پر دلالت کرتے ہیں۔[جامع الدروس العربیہ:۱۰۹ج۱]۔

[۴] اس سے مطلق شہر مراد نہیں؛ بلکہ شہر مدینہ منورہ مراد ہے۔

[۳] **سوال**: اس میں "زید" نامی تمام افراد شامل ہو جاتے ہیں؛ لہٰذا یہ تو نکرہ کے مانند ہو گیا؟۔ **جواب**: ہر زید نامی شخص کے لیے اسمِ "زید" کی وضع ان کے ماں باپ یا رشتہ داروں کی طرف سے مختلف ہوا کرتی ہے، لہٰذا وضع واحد کے اعتبار سے صرف ایک ہی فرد پر دلالت ہوگی، تمام افراد کا شامل ہونا مختلف وضع کے اعتبار سے ہوگا، اس لیے کوئی اشکال نہ ہوگا، بخلاف " فَرَسٌ ، رَجُلٌ "وغیرہ وضع واحد ہی کے اعتبار سے متعدد افراد پر دلالت کرتے ہیں۔[جامع الدروس:۱۰۹ج۱]

۵۔ معرف باللام: وہ اسم جس کے پہلے " أَلْ " تعریف آئے، جیسے: اَلرَّجُلُ، اَلْکِتَابُ، وغیرہ۔

٦۔ مضاف الی المعرفہ: وہ اسمِ نکرہ جو ان پانچوں قسموں میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہو، جیسے: غُلَامُ زَیْدٍ، کِتَابُ الرَّجُلِ، قَلَمُهُ، قَلَمُ هٰذَا، کُرَّاسَةُ الَّذِيْ عِنْدِيْ، (اس شخص کی کاپی جو میرے پاس ہے)

نکرہ: وہ اسم ہے جو غیر معین چیز کے واسطے بنایا گیا ہو، جیسے: رَجُلٌ، اِمْرَأَةٌ فَرَسٌ، کِتَابٌ وغیرہ۔ [اسم جنس اور نکرہ کا فرق صفحہ ۱۳۲؍ پر ملاحظہ ہو]

(تقسیم دوم) مذکر و مؤنث: [۱]

---

[۱] الفاظ کی تذکیر و تانیث کا فرق ہر زبان میں ملحوظ ہوتا ہے، اگر مذکر لفظ کو مؤنث استعمال کریں اور مؤنث کو مذکر استعمال کریں تو بہت معیوب اور برا سمجھا جاتا ہے، مثلاً: " بکری گھاس کھا رہا تھا " ، " گھوڑا تیز دوڑ رہی تھی "؛ ان دو جملوں سے آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔

یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ: زبان کی تبدیلی سے تذکیر و تانیث کا بھی فرق ہوتا ہے، مثلاً: " اَلْقِطَار " (گاڑی)، یہ لفظ عربی زبان میں " مذکر " ، اور اردو میں " مؤنث " مستعمل ہے۔ اسی طرح ایک ہی زبان کے لفظ کی تذکیر و تانیث علاقہ اور قبائل کے اعتبار سے بھی مختلف ہو سکتی ہے، مثلاً: " اَلإِبْهَام " (انگوٹھے) کو اکثر قبائل عرب مؤنث استعمال کرتے تھے، جب کہ قبیلہ بنی اسد اس کو مذکر استعمال کرتا تھا۔ نیز کبھی معنی اور مراد کے مختلف ہونے سے بھی لفظ کی تذکیر و تانیث میں فرق ہو جاتا ہے، مثلاً: " دِرْعٌ " (۱۔آہنی زرہ، ۲۔قمیصِ زن): اول معنی میں مؤنث اور دوسرے معنی میں مذکر استعمال ہوتا ہے، (نیز زمانہ اور عرف کا تغیر بھی تذکیر و تانیث کو متأثر کر سکتا ہے)۔ [المعجم المفصل في المذكر والمؤنث: ۸]۔

مذکورہ اعتباری فروق کے پیش نظر کسی نے ایک لفظ کو واجب التانیث ٹھرایا ہے، تو کسی دوسرے نے اسی لفظ کو جائز التانیث بتلایا ہے۔ سعید ابراہیم تستری اپنی کتاب " المذكر والمؤنث " میں فرماتے ہیں: کلمات کی تذکیر و تانیث کا مدار قیاس پر نہیں ہے، اور نہ ان کی تذکیر و تانیث کا کوئی محدود و محصور باب ہے، اور علامات تانیث تو بہت سے مذکر کلمات میں بھی پائی جاتی ہیں، (اور بہت سے مؤنث کلمات علامات تانیث سے خالی ہوتے ہیں،) لہٰذا علامات کے ذریعہ لفظ کے مذکر اور مؤنث ہونے کو متعین کر دینا کوئی ضروری امر نہیں ہے، بلکہ اس سلسلہ میں اہل زبان کے استعمال پر مدار ہوگا، اور ان کی حکایات و روایات اور محاورات کا اعتبار کیا جائے گا۔ [المعجم المفصل في المذكر والمؤنث: ۲۸، ۴۱]۔

مگر سہولت کے خاطر ائمۂ نحات نے پہچان کے لیے مندرجہ چیزوں کو مؤنث کہا ہے: ۱......جن میں علامت تانیث پائی جائے، ۲......جفت اعضائے انسانی کے نام، ۳......ہواؤں کے نام، ۴......گاؤں اور شہروں کے نام، ۵......قبائل کے نام، ٦......جمع مذکر سالم کے سوا تمام جمعیں، (۷......شرابوں کے نام، ۸......وہ نام اور صفات جو عورتوں کے لیے مخصوص

جنس کے اعتبار سے اسم کی دو قسمیں ہیں: ١۔ مذکر ٢۔ مؤنث۔

١۔ مؤنث: وہ ہے جس میں تانیث کی علامت لفظاً یا تقدیراً ہو، جیسے: اِمْـرَأَةٌ، أَرْضٌ، شَمْسٌ وغیرہ۔[١]

٢۔ مذکر: وہ ہے جس میں تانیث کی کوئی علامت نہ ہو، جیسے: رَجُلٌ، قَلَمٌ وغیرہ

فائدہ: علامت تانیث چار ہیں: [کتاب الصرف]

[١] "ۃ" مدورہ، جیسے: فَاطِمَةُ، عَائِشَةُ۔

[٢] الف مقصورہ، [٢] جیسے: سَلْمٰی، حُبْلٰی۔

[٣] الف ممدودہ، جیسے: حَمْرَاءُ، سَوْدَاءُ۔

[٤] "ۃ" مقدرہ، جیسے: أَرْضٌ، شَمْسٌ۔[١]

۞۞ پھر ذات کے اعتبار سے مؤنث کی دو قسمیں ہیں:

١۔ حقیقی: جس کے مقابلہ میں نر جاندار ہو، جیسے: اِمْرَأَةٌ، نَاقَةٌ، شَاةٌ، نَعْجَةٌ، دَجَاجَةٌ وغیرہ، [پہلے کے مقابلہ میں "رَجُلٌ"، اور دوسرے کے مقابلہ میں "جَمَلٌ" ہے] [٣]

٢۔ لفظی: جو حقیقی کے خلاف ہو [٤]، جیسے: ظُلْمَةٌ، بُشْرٰی، صَحْرَاءُ وغیرہ۔

۞۞ پھر علامت کے اعتبار سے مؤنث کی دو قسمیں ہیں:۔

١۔ قیاسی: جس میں تانیث کی علامت لفظوں میں موجود ہو، جیسے: اِمْـرَأَةٌ،

ہیں) ٩......حروف مبانی اور حروف معانی، ١٠......جمع مکسر، آخری دو چیزیں دونوں طرح: مذکر و مؤنث استعمال ہو سکتی ہیں۔ [المعجم المفصل في المذكر والمؤنث: ٨]

[١] ان کی تصغیر أُرَيْضَةٌ، شُمَيْسَةٌ آتی ہے، اور قاعدہ ہے کہ تصغیر میں حروف اصلیہ ظاہر ہو جاتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں میں " تاء " مقدر ہے۔

[٢] الف مقصورہ وممدودہ سے مراد وہ الف ہیں جو نہ حروف اصلیہ میں سے ہوں، نہ حرفِ اصلی سے بدل کر آئے ہوں، اور نہ الحاق کے واسطے ہوں۔ لہٰذا کِسَاءٌ، رِدَاءٌ، العصَا، أَسْمَاءٌ، الهدیٰ، الفَتی وغیرہ مؤنث نہیں ہیں، کیوں کہ ان میں "الف" حروف اصلیہ کا عوض ہے۔ [حبیبیہ: ١١١]

[٣] شَاةٌ کے مقابلہ میں تَيْسٌ، نَعْجَةٌ کے مقابلہ میں كَبْشٌ، خَرُوْفٌ، اور دَجَاجَةٌ کے مقابلہ میں دِيْكٌ ہیں۔

[٤] خواہ ان کے مقابلہ میں مذکر لفظ ہو، جیسے: نُوْرٌ اور ظُلْمَةٌ، أَسْوَدُ اور سَوْدَاءُ یا نہ ہو، جیسے: صَحْرَاءُ اور سَبُّوْرَةٌ۔

كُرَّاسَةٌ، حُبْلٰی ،حَمْرَاءُ وغیرہ۔

۲۔ سماعی: جس میں تانیث کی علامت لفظوں میں نہ ہو، مگر اہل لسان سے ان کا مؤنث ہونا مسموع ہو، جیسے: دَارٌ، رِیْحٌ، صَرْصَرٌ، جَهَنَّمُ، سَقَرُ وغیرہ۔

❁ (تقسیم سوم) **واحد، تثنیہ اور جمع:**

اَفراد کے اعتبار سے اسم کی تین قسمیں ہیں: واحد، تثنیہ اور جمع۔

۱۔ واحد: جو ایک پر دلالت کرے، جیسے: رَجُلٌ، اِمْرَأَةٌ۔[کتاب الصرف]

۲۔ تثنیہ: جو دو پر دلالت کرے، یہ صیغۂ واحد کے آخر میں علامت تثنیہ: الف ماقبل مفتوح اور نون مکسور زیادہ کرنے سے بنتا ہے، جیسے: رَجُلَانِ ،اِمْرَأَتَانِ۔[کتاب الصرف]

۳۔ جمع: جو دو سے زیادہ پر دلالت کرے بشرطیکہ اس کے واحد میں تغیر کیا گیا ہو، جیسے: رِجَالٌ، مُسْلِمُوْنَ۔[کتاب الصرف، نحو میر]

✡✡ پھر جمع کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ جمع سالم: جس میں واحد کی بِنا قائم رہے، جیسے: مُسْلِمٌ سے مُسْلِمُوْنَ ۔

۲۔ جمع مکسر: جس میں واحد کی بِنا ٹوٹ جائے، جیسے: قَوْلٌ سے أَقْوَالٌ۔

سبق ۔٤٦

مؤنثات سماعیہ:[ا]

۱۔ واجب التانیث:

اعضاءِ انسانی

عَیْنٌ	آنکھ	كَتِفٌ	کندھا	فَخِذٌ	ران	سِنٌّ	دانت
أُذُنٌ	کان	عَضُدٌ	بازو	سَاقٌ	پنڈلی	كَبِدٌ	جگر
خَدٌّ	رخسار	یَدٌ	ہاتھ	رِجْلٌ	پیر	كَرِشٌ	اوجھ
ثَدْیٌ	پستان	كَفٌّ	ہتھیلی	قَدَمٌ	گام	إِسْتٌ	مقعد
		وَرِكٌ	سرین	عَقِبٌ	ایڑی	إِصْبَعٌ	انگلی

[ا] مذکورہ مؤنثات کی فہرست علامہ ابن حاجبؒ کے قصیدہ سے ماخوذ ہے [کافیہ]

متفرقات							
		مِلْحٌ	نمک	عَصًا	لاٹھی	سَرَاوِلُ	پائے جامہ
عَقْرَبٌ	بچھو	ذَهَبٌ	سونا	فُلْكٌ	کشتی	جَهَنَّمُ	دوزخ
ثَعْلَبٌ	لومڑی	تِبْرٌ	کچاسوناچاندی	ذِرَاعٌ	گز	سَعِيْرٌ	دوزخ
أَرْنَبٌ	خرگوش	ضَرْبٌ	سفید شہد	فَأْسٌ	کلہاڑی	جَحِيْمٌ	دوزخ
أَفْعٰى	اژدہا	عَيْنٌ	چشمہ	قَوْسٌ	کمان	سَقَرُ	دوزخ
فَرَسٌ	گھوڑا	يَنْبُوْعٌ	چشمہ	مِنْجَنِيْقٌ	گوپھن	نَفْسٌ	جان
عَنْكَبُوْتٌ	مکڑی	شَمْسٌ	سورج	خَمْرٌ	شراب	غَوْلٌ	مصیبت
أَرْضٌ	زمین	يَمِيْنٌ	دایاں	بِئْرٌ	کنواں	فِرْدَوْسٌ	باغ
رِيْحٌ	ہوا	شِمَالٌ	بایاں	دِرْعٌ	زرہ	عَرُوْضٌ	میزانِ شعر
نَارٌ	آگ	دَارٌ	گھر	كَأْسٌ	پیالہ،گلاس	حَرْبٌ	لڑائی
لَظٰى	شعلہ	دَلْوٌ	ڈول	مُوْسٰى	استرہ	ضَبُعٌ	بجو

۲۔ جائز التانیث:

اعضاءِ انسانی		متفرقات					
				حَالٌ	وقت/زمانہ	طَرِيْقٌ	راستہ
عُنُقٌ	گردن	بَيْتٌ	گھر	ضُحًى	چاشت	سَبِيْلٌ	راستہ
لِسَانٌ	زبان	قِدْرٌ	ہانڈی	مِسْكٌ	مُشک	سِكِّيْنٌ	چھری
قَفًا	گدی	سَلْمٌ	صلح	سَمَاءٌ	آسمان	سَرْطَانٌ	کیکڑا
رَحِمٌ	بچہ دانی	صَلَاحٌ	بہتری	ثَرًى	خاکِ نمناک	✿✿	✿✿

××× **تنبیہ**: پہلی قسم کے مؤنثات کی طرف جب کوئی فعل یا اسم اسناد کیا جائے یا کوئی ضمیر ان کی طرف راجع ہو تو اُس عامل یا ضمیر کا مؤنث لانا واجب ہوتا ہے، **جیسے**: ﴿ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ ﴾، اور مؤنثات کی قسمِ دوم کی اسناد میں کلمہ کی تذکیر و تانیث اختیاری ہے، **جیسے**: ﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْ﴾، ﴿إِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا﴾۔

✿✿✿✿✿✿✿

سبق ۔۴۷

تذکیر و تانیث کے متعلق فقرے اور حکایتیں:

(**الف**) ان فقروں اور کہانیوں کا اردو میں ترجمہ کرو، مؤنثات سماعی وقیاسی کو پہچانو۔

[۱] اِتَّصَلَتِ السَّفِيْنَةُ إِلَى الْجَزِيْرَةِ.

[۲] اُنْظُرْ إِلَى الدَّجَاجَةِ كَيْفَ تَجْمَعُ فُرُوْخَهَا تَحْتَ أَجْنِحَتِهَا.

[۳] لَمَّا أَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ ﴿فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى﴾.

[۴] عِنْدَ احْتِكَاكِ الْأَحْجَارِ تَظْهَرُ النَّارُ.

[۵] ﴿أَوْحَيْنَا إِلٰى أُمِّ مُوْسٰى أَنْ أَرْضِعِيْهِ فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ﴾.

(**ب**) حکایت

صَبِيٌّ مَرَّةً كَانَ يَصِيْدُ الْجَرَادَ، فَنَظَرَ عَقْرَباً، فَظَنَّ أَنَّهَا جَرَادَةٌ كَبِيْرَةٌ، فَمَدَّ يَدَهُ لِيَأْخُذَهَا، ثُمَّ تَبَعَّدَ عَنْهَا. فَقَالَتِ الْعَقْرَبُ: لَوْ أَنَّكَ قَبَضْتَنِي فِي يَدِكَ لَخَلَّيْتُكَ عَنْ صَيْدِ الْجَرَادِ.

(**ج**) حکایت

اَلْبَطْنُ وَ الرِّجْلَانِ تَخَاصَمُوْا فِيْمَا بَيْنَهُمْ: أَيُّهُمْ يَحْمِلُ الْجِسْمَ؟.

فَقَالَتِ الرِّجْلَانِ: نَحْنُ بِقُوَّتِنَا نَحْمِلُ الْجِسْمَ.

وَ قَالَ الْجَوْفُ: أَنَا إِنْ لَمْ أُغَذِّ مِنَ الطَّعَامِ شَيْئاً فَلَا كُنْتُمَا تَسْتَطِيْعَانِ الْمَشْيَ، فَضْلاً عَنْ أَنْ تَحْمِلَا شَيْئاً.

(**د**) حکایت

سُلَحْفَاةٌ وَ أَرْنَبٌ مَرَّةً تَسَابَقَتَا فِي الْعَدْوِ، وَ جَعَلَتَا الْحَدَّ بَيْنَهُمَا " الْجَبَلَ "، لِتَتَسَابَقَا إِلَيْهِ. فَأَمَّا الْأَرْنَبُ لِأَجْلِ دَلَّتِهَا وَ خِفَّتِهَا وَ سُرْعَتِهَا تَوَانَتْ فِي الطَّرِيْقِ وَ نَامَتْ. وَ أَمَّا السُّلَحْفَاةُ فَلِأَجْلِ ثِقْلِ طَبِيْعَتِهَا لَمْ تَكُنْ تَسْتَقِرُّ وَ لَا تَتَوَانٰى فِي الْجَرْيِ، فَوَصَلَتْ إِلَى الْجَبَلِ. فَعِنْدَ مَا اسْتَيْقَظَتِ الْأَرْنَبُ مِنْ نَوْمِهَا وَجَدَتِ السُّلَحْفَاةَ قَدْ سَبَقَتْ، فَنَدِمَتْ حَيْثُ لَا تَنْفَعُهَا النَّدَامَةُ.

سبق۔ ۴۸، ۴۹

اسماء عاملہ مشبہ بالفعل: (اسماء عاملہ یا شبہ فعل)

یہ پانچ اسم ہیں: ۱۔مصدر، ۲۔اسم فاعل، ۳۔اسم مفعول، ۴۔صفت مشبہ، ۵۔اسم تفضیل۔

﴿**فائدہ**﴾: یہ پانچوں فعل کی طرح رفع ونصب کا عمل کرتے ہیں، اس وجہ سے ان کو مشبہ بالفعل کہا جاتا ہے۔ ان کا بیان حسب ذیل ہے:

۱۔ مصدر: [۱] **ق**: مصدر اپنے فعل کے مانند عمل کرتا ہے، اگر لازم ہو تو فاعل کو رفع دیتا ہے [۲]، جیسے: أَعْجَبَنِيْ قِيَامُ زَيْدٌ، اور اگر متعدی ہو تو فاعل کو رفع اور مفعول کو نصب دیتا ہے، جیسے: أَعْجَبَنِيْ ضَرْبُ زَيْدٌ عَمْرًوا۔ [ہدایۃ النحو]

﴿**تنبیہ**﴾: مگر مصدر اکثر اپنے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو کر مستعمل ہوتا ہے، جیسے: أَعْجَبَنِيْ قِيَامُ زَيْدٍ (زید کے کھڑے ہونے نے مجھے تعجب میں ڈال دیا)، اس جگہ قِیام: مصدرِ لازم اپنے فاعل: " زَيْدٍ " کی طرف مضاف ہے، [اور " زَيْدٍ " اگرچہ مضاف الیہ ہونے کے لحاظ سے مجرور ہے، مگر حقیقت میں محلِ رفع میں سمجھا جاتا ہے، کیوں کہ وہ مصدر لازم کا فاعل ہے]۔ عَجِبْتُ مِنْ دَقِّ الْقَصَّارِ الثَّوْبَ (میں حیران ہوا دھوبی کے کپڑا کوٹنے سے) [۳]، اس جگہ " اَلْقَصَّارِ ": فاعل لفظاً مجرور اور محلاً مرفوع ہے [۴]، عَجِبْتُ مِنْ ضَرْبِ اللِّصِّ الْجَلَّادُ (میں حیران ہوا جلاد کے چور کو مارنے سے)، اس جگہ اَللِّصِّ: مفعول بہ لفظاً مجرور اور محلاً منصوب ہے [۵]۔

[۱] وہ اسم ہے جس سے افعال اور اسماء مشتقہ نکلیں [کتاب الصرف] اور صرف معنیٰ حدثی پر دلالت کرے [وافی: ج۲]

[۲] مصدر کا فاعل اس میں ضمیر مستتر نہیں ہوا کرتا، نیز فاعل کا ذکر کرنا ضروری بھی نہیں ہے کیوں کہ مصدر کا تصور فاعل پر موقوف نہیں ہے۔ [کافیہ]

[۳] قرآن مجید میں ہے: ﴿ولولا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ﴾، ﴿تَخَافُوْنَ كَخِيْفَتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ﴾، ﴿وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا﴾ ان مثالوں میں مصدر فاعل کی طرف مضاف ہے اور مفعول لفظاً منصوب ہے۔ [النحو القرآنی: ۵۷۲]

[۴] کیوں کہ وہ "دقّ" مصدر متعدی کا فاعل ہے۔ [۵] کیوں کہ وہ "ضربُ" مصدر متعدی کا مفعول بہ ہے۔

۲۔ اسم فاعل :[۱]

ق: یہ اسم اپنے فعلِ معروف کے مانند عمل کرتا ہے، **جیسے**: أَ ذَاهِبٌ غُلاَمُنَا؟ (کیا ہمارا غلام جانے والا ہے؟)، اَلضَّارِبُ زَيْدٌ عَمْرًا[۲] (زید عمرو کو مارنے والا ہے)۔

﴿**تنبیه**﴾: اسم فاعل بھی اکثر اوقات اپنے فاعل یا مفعول بہ کی طرف مضاف ہو کر مستعمل ہوتا ہے، **جیسے**: كَامِلُ الْجُوْدِ، ضَارِبُ عَمْرٍو۔ (پوری ہونے والی سخاوت، مجازاً سخی مراد ہے)[۳]

۳۔ اسم مفعول :[۴]

[☆] فاعل، نائب فاعل اور مفعول بہ میں عمل کے واسطے یہ شرائط ہیں۔ وافی ت]..... **ق:** یہ اسم اپنے فعل مجہول کے مانند عمل کرتا ہے، یعنی نائب فاعل کو رفع دیتا ہے، **جیسے**: اَلْمَضْرُوْبُ غُلَامُهٗ زَيْدٌ[۵]۔ [-شرح-مأۃ عامل، اَلْمَضْرُوْبُ زَيْدٌ بھی صحیح ہے مگر یہ کافیہ کی بحث ہے]

﴿**تنبیه**﴾: یہ بھی اکثر باضافت مستعمل ہوتا ہے، **جیسے**: مَقْطُوْعُ الْأَنْفِ (کٹی ہوئی ناک والا)۔ [ہندی میں اس کو "نکٹا" کہتے ہیں]

تنبیه: اسم فاعل اور اسم مفعول کے عمل کرنے کے واسطے شرائط ذیل کا ہونا ضروری ہے[☆]: (۱) حال یا مستقبل کے معنی میں ہوں[۶]، (۲) مبتدا، ذوالحال، موصوف، اسم موصول: "اَلْ" بمعنی اَلَّذِيْ، ہمزہ استفہام یا حرف نفی میں سے کسی ایک کے پیچھے آئیں۔

---

[۱] وہ اسم مشتق ہے جو اس ذات کو بتائے جس سے فعل (معنیٔ حدثی) صادر ہو یا جس کے ساتھ قائم ہو، جیسے: ضَارِبٌ۔ اگر اسم فاعل کے معنی میں قرائن سے استمرار کے معنی سمجھ میں آتے ہوں تو وہ صفت مشبہ شمار ہوگا، اور صفت مشبہ کے احکام جاری ہوں گے۔ [وافی: ج۳]، (لہٰذا اس پر "ال" اسم موصول کے معنی میں نہ ہوگا۔ اشرف)

[۲] اَلضَّارِبُ زَيْدٌ عَمْرًا مثال مناسب نہیں ہے کیوں کہ صلے میں عائد نہیں پایا جاتا۔ -شرح-مأۃ عامل میں اس موقع پر اَلضَّارِبُ عَمْرًا فِيْ الدَّارِ ہے، اور ہدایۃ النحو میں مَرَرْتُ بِالضَّارِبِ أَبُوْهُ عَمْرًا ہے۔ ﴿مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا﴾، ﴿إِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيْفَةً﴾، ﴿فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصاً لَهُ الدِّيْنَ﴾؛ ان آیات میں فاعل ضمیر ہے اور مفعول لفظاً منصوب ہے [النحو القرآنی: ۵۷۷]۔ [۳] پہلی مثال میں فاعل کی طرف اور دوسری میں مفعول بہ کی طرف مضاف ہے۔ ﴿مُلَاقُوْا رَبِّهِمْ﴾، ﴿إِنَّا مُرْسِلُوْا النَّاقَةِ فِتْنَةً لهم﴾، ﴿فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾؛ ان آیات میں اسم فاعل مفعول بہ کی طرف مضاف ہے اور ان کا فاعل ان میں ضمیر ہے۔ [النحو القرآنی: ۵۷۸]

[۴] وہ اسم مشتق ہے جو اس ذات کو بتائے جس پر فعل واقع ہو، جیسے: مَضْرُوْبٌ۔ [کتاب الصرف]

[۵] قرآن مجید میں ہے: ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْأَبْوَابُ﴾، ﴿ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ﴾۔ ان

××× امثلۂ ذیل پر غور کرو۔

بیان شرط	امثلۂ اسم فاعل	امثلۂ اسم مفعول
مبتدا کے بعد	زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوْهُ الْآنَ أَوْ غداً (زید کہ اس کے والد کھڑے ہوتے ہیں [ابھی یا آئندہ])	زَيْدٌ مَضرُوْبٌ غُلَامُهُ الْآنَ أَوْ غداً (زید کہ اس کا غلام مارا جاتا ہے [ابھی یا آئندہ])
ذوالحال کے بعد	جَاءَ زَيْدٌ بَاكِياً غُلَامُهُ الْآنَ أَوْ غَداً (زید آیا اس حال میں کہ اس کا غلام روتا ہے [ابھی یا آئندہ])	جَاءَ زَيْدٌمَضْرُوْباً غُلَامُهُ الْآنَ أَوْ غداً (زید آیا اس حال میں کہ اس کا غلام مارا جاتا ہے [ابھی یا آئندہ])
موصوف کے بعد	هٰذَا رَجُلٌ ضَارِبٌ أَبُوْهُ خَالِداً اَلْآنَ أَوْ غَداً (یہ ایسا مرد ہے کہ اس کے والد مارتے ہیں خالد کو [ابھی یا آئندہ])	هٰذَا رَجُلٌ مَضْرُوْبٌ أَبُوْهُ الْآنَ أَوْ غَداً (یہ ایسا مرد ہے کہ اس کے والد مارے جاتے ہیں [ابھی یا آئندہ])
اسم موصول کے بعد	جَاءَ الضَّارِبُ أَبُوْهُ خَالِداً (وہ شخص آیا جس کے والد خالد کو مارنے والے ہیں)	جَاءَ الْمَضرُوْبُ أَبُوْهُ (وہ شخص آیا جس کے والد مارے جائیں گے)
استفہام کے بعد	أَ قَائِمٌ زَيْدٌ اَلْآنَ أَوْ غَداً؟ (کیا زید کھڑا ہونے والا ہے؟ [ابھی یا آئندہ])	أَمَضْرُوْبٌ أَبُوْهُ الْآنَ أَوْ غَداً؟ (کیا اس کے والد مارے جائیں گے؟ [ابھی یا آئندہ])
حرف نفی کے بعد	مَاضَارِبٌ زَيْدٌ خَالِدًا اَلْآنَ أَوْغَداً (زید خالد کو مارنے والا نہیں ہے [ابھی یا آئندہ])	مَامَضْرُوْبٌ أَبُوْهُ الْآنَ أَوْغَداً (اس کے والد نہیں مارے جائیں گے [ابھی یا آئندہ])

فائدہ: جب **اسم فاعل نکرہ** ہو اور **ماضی کے معنی** اس سے **مقصود** ہوں **تو اس کو مضاف بنانا ضروری ہے** [۱]، **جیسے**: زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍو أَمْسِ **(زید نے کل گذشتہ عمرو کو مارا)**۔

اور جب معرف باللام ہو تو پھر اس میں تمام زمانے برابر ہوتے ہیں، [۲]، **جیسے**: زَيْدُنِ الضَّارِبُ أَبُوْهُ عَمْرًا اَلْآنَ أَوْ غَداً أَوْ أَمْسِ۔

دونوں آیتوں میں **اسم مفعول کا نائب فاعل**: الْاَبْوَابُ، النّاسُ **مذکور** ہے۔ [النحو القرآنی]

[٦] **سوال**: ﴿كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ﴾ **میں** بَاسِطٌ **ماضی کے معنی میں ہے پھر بھی اس نے** ذِرَاعَيْهِ **میں عمل کیا ہے، اور اس کو نصب دیا ہے۔ جواب**: بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ **حکایتِ حالِ ماضی ہے، یعنی ماضی کی حالت کو زمانہ موجودہ میں بیان کیا جارہا ہے، لہٰذا زمانۂ حال کی شرط پائی جاتی ہے۔** [مفتاح العوامل: ۲۳۷، شرح شذور الذھب: ۳۸۷]

[۱] **یہ اضافت** اضافتِ معنوی **ہوگی جو تعریف و تخصیص کے لیے مفید ہوگی، جیسے**: مَرَرْتُ بِزَيْدٍ ضَارِبِ عَمْرًا أَمْسِ [ہدایۃ النحو، شرح مأۃ عامل]۔

[۲] **لہٰذا عمل کرنے کے واسطے حال و مستقبل کے معنی میں ہونے کی شرط نہیں ہوگی۔**

سبق ۔ ۵۰

۴۔ صفت مشبہ :[۱]

ق: یہ صفت اپنے فعل لازم کی طرح فاعل کو رفع دیتی ہے، **جیسے:** زَیْدٌ حَسَنٌ وَجْهُهٗ۔

﴿فائدہ﴾: اس کے عمل کے واسطے صرف یہ شرط ہے کہ مبتدا، ذوالحال، موصوف، استفہام یا حرف نفی میں سے کسی کے پیچھے آئے۔[۲]

﴿تنبیہ﴾: اس کا صیغہ کبھی معرف باللام ہوتا ہے، کبھی غیر معرف باللام۔ ہر صورت میں اس کا معمول مضاف ہوگا یا معرف باللام یا ان دونوں سے خالی، یہ چھ قسمیں ہیں، لیکن ان میں سے ہر ایک کا معمول باعتبار فاعل، شبیہ بمفعول[۳] اور مضاف الیہ ہونے کے یا تو مرفوع ہوگا یا منصوب یا مجرور، پس اس لحاظ سے صفت کی اٹھارہ صورتیں ہوئیں۔ [ان کی مفصل کیفیت نقشہ میں دیکھو]

××× **صفت مشبہ غیر معرف باللام ہو** اس کی صورتیں:

قسم معمول/بیان حالت	حالت رفعی	حالت نصبی	حالت جری
معمول مضاف ہو، جیسے:	حَسَنٌ وَجْهُهٗ (ا)	حَسَنٌ وَجْهَهٗ (ح)	حَسَنُ وَجْهِهٖ (مخ)
معمول معرف باللام ہو، جیسے:	حَسَنٌ نِ الْوَجْهُ (ق)	حَسَنٌ نِ الْوَجْهَ (ا)	حَسَنُ الْوَجْهِ (ا)
معمول ان دونوں سے خالی ہو، جیسے:	حَسَنٌ وَجْهٌ (ق)	حَسَنٌ وَجْهاً (ا)	حَسَنُ وَجْهٍ (ا)

---

[۱] وہ اسم مشتق ہے جو فعل لازم سے بنایا جائے اور ایسی ذات کو بتائے جس میں معنی مصدری بطور دوام کے پائے جائیں، جیسے: شَرِیْفٌ، سَعِیْدٌ [کتاب الصرف]۔ **سوال:** "سَمِیْعٌ" صفت مشبہ ہے مگر اس کا فعل متعدی ہے؟۔ **جواب:** فعل اگر متعدی ہو تو اس کو لازم کی تاویل میں کرلیا جائے گا یعنی باب کَرُمَ سے مان لیا جائے گا، پس سَمِیْعٌ، سَمُعَ سے مشتق ہے [غایۃ التحقیق: ۳۶۱]

[۲] اسم موصول کے بعد ہونے کی شرط نہیں ہے۔

[۳] صفت مشبہ لازم ہے، اس کو مفعول بہ کی حاجت نہیں ہے، مگر جب اس کو اسم فاعل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تو اس کے معمول منصوب کو اسم فاعل کے معمول منصوب سے تشبیہ دے کر اس پر بھی نصب لاتے ہیں، اس کو مشابہ مفعول بہ کہا جاتا ہے، نیز یہاں تمیز کی وجہ سے بھی معمول منصوب ہوسکتا ہے۔ [مفتاح العوامل علی شرح مأۃ عامل: ۲۵۸]

××× **صفت مشبہ معرف باللام ھو** اس کی صورتیں:

قسم معمول/بیان حالت	حالت رفعی	حالت نصبی	حالت جری
معمول مضاف ہو، جیسے:	اَلْحَسَنُ وَجْهُهُ(ا)	اَلْحَسَنُ وَجْهَه(ح)	اَلْحَسَنُ وَجْهِهِ(مم)
معمول معرف باللام ہو، جیسے:	اَلْحَسَنُ الْوَجْهُ(ق)	اَلْحَسَنُ الْوَجهَ (ا)	اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ(ا)
معمول ان دونوں سے خالی ہو، جیسے:	اَلْحَسَنُ وَجْهٌ(ق)	اَلْحَسَنُ وَجهاً(ا)	اَلْحَسَنُ وَجْهٍ(مم)

ق: جب صفت کا معمولِ مرفوع پایا جائے تو اس میں ضمیر مستتر "فاعل" نہیں ہوتی، کیوں کہ اس وقت معمولِ مرفوع اس کا "فاعل" ہوتا ہے، پس صفت کا صیغہ اس صورت میں ہمیشہ واحد آئے گا خواہ معمول واحد ہو یا تثنیہ یا جمع [۱]۔ اور اگر معمول منصوب یا مجرور ہو تو صفت میں ضمیر ہوگی جو موصوف کی طرف راجع اور اس کا "فاعل" ہوگی، پس یہ ضمیر یعنی صفت کا صیغہ تذکیر و تانیث اور واحد، تثنیہ و جمع میں موصوف [۲] کے مطابق آئے گا۔ [۳]

فائدہ: نو (۹) صورتیں جن میں ایک ضمیر ہے "احسن" کہلاتی ہیں [۴] اور دو صورتیں جن میں دو ضمیریں ہیں "حسن" [۵] اور چار صورتیں جن میں کوئی ضمیر نہیں "قبیح" ہیں [۶]، ان کے علاوہ ایک "مختلف فیہ" [۷] اور دو "ممتنع" ہیں [۸]۔

[۱] یہ ایسا ہی حکم ہے جیسے فاعل اسم ظاہر ہو تو فعل ہمیشہ واحد ہوگا اور تذکیر و تانیث میں فاعل کے مطابق۔ سبق: ۲۰

[۲] اصطلاحی موصوف مراد نہیں ہے بلکہ لغوی معنی مراد ہے جس میں مبتدا وغیرہ بھی شامل ہوں گے۔ محمد اشرف

[۳] اس تفصیل کے مطابق دس صورتوں ایسی ہوں گی جن میں ایک ضمیر ہوگی، ان میں سے ایک ممتنع اور ۹/احسن ہیں، اور چار میں دو ضمیریں ہوں گی، جن میں سے دو حسن، ایک مختلف فیہ اور ایک ممتنع ہے، اور چار میں کوئی ضمیر نہیں ہوگی، یہ قبیح ہیں۔

[۴] وجہ احسن یہ ہے کہ خبر یا صفت جب بصورت جملہ ہو تو مبتدا و خبر یا موصوف و صفت کے درمیان رابط (ضمیر) کا ہونا ضروری ہے، یہ ضرورت ایک ضمیر سے بلا کسی کراہت کے پوری ہو رہی ہے، لہٰذا وہ احسن ہیں۔

[۵] وجہ حسن یہ ہے کہ موصوف کے ساتھ ربط کے لیے ایک ضمیر کافی ہے، دوسری ضمیر زائد از ضرورت ہے، جس سے اجتناب کرنا چاہیے، مگر اس سے معنی میں کوئی خلل پیدا نہیں ہوتا ہے، لہٰذا احسن نہیں ہو سکتی ہیں تو حسن قرار پائیں۔

[۶] وجہ قبح یہ ہے کہ موصوف یا مبتدا کے ساتھ ان صورتوں میں کوئی رابط نہیں پایا جاتا ہے۔

[۷] وجہ اختلاف یہ ہے کہ اس میں اضافت لفظی ہے، اور اضافت لفظی بغیر تخفیف حاصل ہوئے جائز نہیں ہے، تخفیف کے دو درجے ہیں: ۱۔ اعلیٰ ۲۔ ادنیٰ، مضاف الیہ میں تخفیف کا حاصل ہونا یہ اعلیٰ درجہ ہے، ورنہ ادنیٰ۔ بصریین فرماتے ہیں: حسنُ وجهِهِ میں تخفیف ادنی پائی جاتی ہے، لہٰذا نثر میں تخفیف اعلی کے ممکن ہوتے ہوئے تخفیفِ ادنیٰ پر اکتفاء کرنا جائز نہیں ہے، البتہ نظم میں اس کو ضرورۃً جائز قرار دیتے ہیں، کوفیین ادنی کو بھی مطلقاً جائز کہتے ہیں۔ [حبیبیہ، حاشیہ ہدایۃ النحو]

﴿**نوٹ**﴾: نقشہ میں احسن کے واسطے (**ا**)، حسن کے واسطے (**ح**)، **قبیح** کے واسطے (**ق**)، مختلف فیہ کے واسطے (**مخ**) اور ممتنع کے واسطے (**مم**) لکھا گیا ہے۔

سبق۔ ۵۱

۵۔ اسم تفضیل:[١]

ق: یہ اسم اپنے فعل کے مانند عمل کرتا ہے، اور اس کا استعمال تین طرح سے ہے:

١......"مِنْ" سے، **جیسے**: زَيْدٌ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو (زید عمرو سے بہتر ہے)۔ اس صورت میں اسم تفضیل ہمیشہ "مفرد مذکر" ہوتا ہے[٢]، **جیسے**: زَيْدٌ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو، هِنْدٌ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو۔

٢......"اَلْ" سے، **جیسے**: زَيْدُنِ الْأَفْضَلُ (زید سب سے افضل ہے)۔ اس صورت میں اسم تفضیل کی مطابقت اپنے موصوف[٣] کے ساتھ صیغہ میں ضروری ہے، **جیسے**: زَيْدُنِ الْأَفْضَلُ، اَلزَّيْدَانِ الْأَفْضَلَانِ، هِنْدُنِ الْفُضْلٰى۔

٣......اضافت سے، **جیسے**: زَيْدٌ أَفْضَلُ الْقَوْمِ (زید قوم میں سب سے بہتر ہے)۔ اس صورت میں اسم تفضیل کی مطابقت موصوف سے اختیاری ہے[٤]، **جیسے**: اَلزَّيْدَانِ أَفْضَلُ النَّاسِ، هِنْدٌ أَفْضَلُ النِّسَاءِ یا یوں کہیں: اَلزَّيْدَانِ أَفْضَلَا النَّاس، هِنْدٌ فُضْلَى النِّسَاءِ۔[٥]

---

[٨] وجہ امتناع یہ ہے مثال مذکور: الحسنُ وجهٍ میں معرفہ کی اضافت نکرہ کی طرف ہے، جو اضافت معنوی میں جائز نہیں، اس کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے اضافت لفظی میں بھی ناجائز قرار دیا۔ اور الحسنُ وجهِه میں اضافت سے جو تخفیف مطلوب ہے وہ مفقود ہے، لہٰذا دونوں ممتنع ہیں۔ [روایۃ النحو] تخفیف کی تفصیل کے لیے اضافت لفظیہ ملاحظہ ہو۔

[١] اسم تفضیل وہ اسم مشتق ہے جو اس ذات کو بتائے جس میں دوسرے کے مقابلہ میں وصفی معنی کی زیادتی پائی جائے، جیسے: أَكْبَر، أَصْغَرُ [کتاب الصرف]۔ [٢] خواہ "مفضَّل" مذکر ہو یا مؤنث، خواہ واحد ہو، تثنیہ یا جمع ہو، قرآنِ مجید میں ہے: ﴿وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾۔ [٣] یہاں موصوف کا لغوی معنی مراد ہے جس سے "مفضَّل" مراد ہے، لہٰذا مثالِ مذکور میں اسمِ تفضیل مبتدا کی خبر واقع ہے، اور ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى﴾، الید العلیا خیر من الید السفلی میں موصوف کی صفت واقع ہے [وافی: ۱۲/۴ ج ۲، موسوعہ: ۶۱ مفہوماً]۔ [٤] یہ اختیاری ہونا اس وقت ہے جبکہ مضاف الیہ معرفہ ہو، اگر مضاف الیہ نکرہ ہو تو "مِــنْ" کے ساتھ استعمال ہونے کے مانند مفرد مذکر ہی ہوگا۔ [شرح ابن عقیل: ۴۰۴، شرح شذور الذہب] [٥] قرآنِ مجید میں ہے: ﴿أَشَدُّ النَّاسِ عَدَاوَةً﴾۔

ق: اسم تفضیل کا استعمال مذکورہ بالا صورتوں کے سوا جائز نہیں، مگر جب "مفضَّل علیہ" معلوم اور معین ہو تو اس وقت "مِنْ" یا "اضافت" کا حذف جائز ہوتا ہے، جیسے: اَللّٰہُ أَکْبَرُ۔ [یعنی: أَکْبَرُ کُلِّ شَيْءٍ یا أَکْبَرُ مِنْ کُلِّ شَيْءٍ [۱]]، اور منجملہ تین صورتوں میں سے دو کا جمع کرنا بھی ناجائز ہے، جیسے: "زَیْدُنِ الْأَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو" کہنا درست نہ ہوگا۔

××× ت]..... **فائدہ**: تینوں صورتوں میں اسم تفضیل کا فاعل "ضمیر" ہوتی ہے، اور اسم تفضیل اسم مضمر میں عمل کرتا ہے؛ اسم مظہر میں نہیں کرتا، مگر تین شرطوں کے ساتھ اس میں عمل کرتا ہے: **۱۔** اسم تفضیل باعتبار لفظ موصوف کی صفت ہو اور باعتبار معنی متعلق موصوف کی، **۲۔** متعلق موصوف ایک اعتبار سے مفضَّل ہو اور دوسرے اعتبار سے مفضَّل علیہ، **۳۔** اسم تفضیل کلامِ منفی میں واقع ہو، جیسے: مَا رَأَیْتُ رَجُلاً أَحْسَنَ فِي عَیْنِهِ الْکُحْلُ مِنْهُ فِي عَیْنِ زَیْدٍ، [اس مثال میں "أَحْسَنَ" باعتبار لفظ "رَجُلاً" کی صفت ہے اور حقیقت میں "اَلْکُحْلُ" کی جو باعتبار چشمِ رجل مفضل ہے اور باعتبار چشمِ زید مفضل علیہ ہے [۲]، اور اسم تفضیل کلامِ منفی میں ہے، پس "أَحْسَن" نے اس جگہ "اَلْکُحْلُ": اسم مظہر میں عمل کیا]۔

××× ﴿**فائدہ**﴾: یہ فقرہ یوں بھی کہا جا سکتا ہے: مَا رَأَیْتُ رَجُلاً أَحْسَنَ فِیْ عَیْنِهِ الْکُحْلُ مِنْ عَیْنِ زَیْدٍ۔

سبق ۔ ۵۲

۱۔ سوالات کے جوابات دیجیے۔

[۱] جب مصدر مضاف ہو تو حالت فاعلیت میں اس کے معمول پر کیا اعراب آئے گا؟۔

[۲] اسم فاعل اور اسم مفعول کے عامل ہونے کے واسطے کیا شرط ہے؟۔

[۳] صفت مشبہ کے کون سے صیغے احسن ہیں اور ان کے احسن کہلانے کی کیا وجہ ہے؟۔

[۴] جب اسم تفضیل "مِنْ" سے مستعمل ہو تو وحدت وجمعیت کی کیا صورت ہوگی؟۔

---

[۱] پہلی مثال میں اسم تفضیل باضافت مستعمل ہے، اور دوسری میں "مِنْ" کے ساتھ مستعمل ہے۔

[۲] کحل چشم زید کا "مفضل علیہ" ہونا وقوع فی العبارۃ کے اعتبار ہے کیوں کہ اسم تفضیل کے بعد آنے والا کلمہ مفضل

[۵] جب اسم فاعل معرف باللام ہوتو اس سے کون سا زمانہ مفہوم ہوگا؟۔

۲۔ ذیل کے جملوں کا ترجمہ کرواور جن الفاظ میں اسماءمشبہ بالفعل نے عمل کیا ہے ان کو ظاہر کرو۔

[۱]﴿اَلْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

[۲]خَيْرُ الْأُمُوْرِ أَوْسَاطُهَا، ﴿أَشَدُّ تَنْكِيْلاً﴾.

[۳]﴿دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ﴾، ﴿وَالْمُقِيْمِيْ الصَّلوٰةِ﴾.

[۴]إِنَّ الْمُتَيَّمَ[۱] حَسَنَةٌ أَشْوَارُهُ، ﴿جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ﴾[۲].

[۵]قَالَ السَّمَّاكُ: قَدْ أَعْجَبَنِيْ هُجُوْمُ السَّمَكِ فِيْ الدَّجْلَةِ، ولَذَّنِيْ بَلْعُ السَّمَكِ الشِصَّ.

[۶]اَلطَّرِيْقُ مُنْدَرِسَةٌ جَادَّتُهُ، وَالسَّيْلُ مُنْدَرِسٌ اِنْحِدَارُهُ.

[۷]الصَّيَّادُ ذُوالشَّبَكَةِ مَقْطُوْعَةٌ أَمْرَاسُهُ الْيَوْمَ أَوْ غَداً.

۳۔ ذیل کے جملوں کو صحیح کرواور ہرایک کی درستگی کی وجہ بیان کرو۔

[۱]زَيْدُنِ الْأَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو. اَلزَّيْدَانِ أَفْضَلَانِ مِنْ عَمْرٍو.

[۲]زَيْدٌ حَسَنُ وَجْهٌ. زَيْدٌ حَسَنٌ وَجْهه.

[۳]قائِمٌ زيدٌ اَلْآنَ أَوْ غَداً. مَضْرُوْبٌ أَبُوْهُ الْآنَ أَوْ غَداً.

[۴]عَجِبْتُ قِيَام زَيْدٍ. أَعْجَبَنِيْ زَيْدٌ ضَرْب عَمْراً.

سبق۔۵۳،۵۴

فعل کابیان:

فعل کی تقسیم کئی طرح سے کی گئی ھے:

اوّل ۔ بلحاظ زمانہ تین قسمیں ہیں: ماضی، مضارع، امر۔

علیہ ہوتا ہے، ورنہ مثبت معنی میں کحل چشم زید مفضل ہے۔ترجمہ: میں نے کوئی آدمی ایسا نہیں دیکھا جس کی آنکھ کا سرمہ بہت اچھا ہواس سرمہ سے جو زید کی آنکھ میں ہے۔ [۱] الْمُتَيَّم: اسیر عشق، شَوارٌ (أشوار): زیب وزینت، لباس، لَذَّني: مجھے بھایا، پسند آیا، الشِص: مچھلی شکار کرنے کا کانٹا، اندرس (مُنْدَرِسَة): مٹ جانا، جَادَّة (جدَّ): شاہ راہ، (پگڈنڈی: فیروز الغات)، اِنْحِدَار: نیچے اترنا (بہاؤ)، مَرَسَة (أَمْرَاس): رسّی۔[القاموس الوحید]۔

[۲] ھی: مبتدا اور أَحْسَنُ: خبر ہے، اس جگہ اسم تفضیل کا استعمال اضافت سے ہوا ہے اور الطرق: مضاف الیہ

دوم ۔ بلحاظ معنیٰ لازم و متعدی:

۱۔ لازم: وہ فعل ہے جو صرف فاعل کے ملنے سے پوری بات ظاہر کرے[۱]، مفعول بہ کی حاجت نہ ہو، جیسے: جَلَسَ زَيْدٌ، قَامَ زَيْدٌ، ذَهَبَ زَيْدٌ، مَاتَ زَيْدٌ، وغیرہ۔

۲۔ متعدی: وہ فعل ہے جس کا اثر فاعل سے گذر کر مفعول تک پہنچے، جیسے: ضَرَبَ زَيْدٌ خَالِداً، نَصَرَ حَامِدٌ مَحْمُوْداً وغیرہ۔

سوم ۔ بلحاظ نسبت فعلِ متعدی کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ معروف: جس کی نسبت فاعل کی طرف ہو، جیسے: نَصَرَ حَامِدٌ مَحْمُوْداً۔

۲۔ مجهول: جس کی نسبت مفعول بہ کی طرف ہو، جیسے: نُصِرَ مَحْمُوْدٌ۔

چهارم۔ بلحاظِ مفعول فعل متعدی کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ متعدی بیک مفعول: جو صرف ایک مفعول بہ کا محتاج ہو، جیسے: ضَرَبَ زَيْدٌ خَالِداً، اور نَصَرَ، سَمِعَ، كَتَبَ وغیرہ۔

۲۔ متعدی بدو مفعول: جو دو مفعول بہ کا محتاج ہو[۲]، جیسے: أَعْطَيْتُ زَيْداً دِرْهَماً، عَلِمْتُ زَيْداً عَالِماً۔[۳]

۳۔ متعدی بسه مفعول: جو تین مفعول بہ کا محتاج ہو، جیسے: أَعْلَمَ اللّٰهُ زَيْداً

محذوف ہے، پس "أَحْسَنُ" اور مبتدا: هي کی مطابقت اضروری نہ ہوگی۔ [مؤلف]۔

[۱] اور اس کا اثر دوسرے پر ظاہر نہ ہو (بلکہ خود ذات فاعل کے ساتھ قائم رہے) [علم الصیغہ: باب دوم: فصل اول، جامع الدروس العربیہ: ۴۶ ج ۱]

[۲] اگر ایک مفعول بہ پر اکتفاء کرنا جائز ہو تو اس کو متعدی بدو مفعول باب أَعْطَيْتُ کہتے ہیں، جیسے: أَعْطَيْتُ زَيْداً دِرْهَماً اور اگر ایک پر اکتفاء کرنا جائز نہ ہو تو اس کو متعدی بدو مفعول بابِ عَلِمْتُ یا افعال قلوب کہتے ہیں، جیسے: عَلِمْتُ زَيْداً عَالِماً، ﴿وَجَدَكَ عَائِلاً﴾، ﴿إِنَّهُمْ يَرونَهٗ بَعِيْداً وَ نَرَاهُ قَرِيْباً﴾ [ہدایۃ النحو: ۹۳]۔

[۳] سَمّٰى، وَهَبَ، أَمَرَ، آتٰى، جَزٰى، بَلَّغَ، أَنْذَرَ، أَطْعَمَ، وَعَدَ، وَصّٰى، سَلَبَ، كَسٰى، هَدٰى: یہ سب افعال باب أَعْطَيْتُ سے ہیں اور قرآنِ مجید میں مستعمل ہیں، مثلاً: ﴿كَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْماً﴾، ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ [النحو القرآنی]۔ ان افعال کا دوسرا مفعول کبھی متعدی بحرف جر ہوتا ہے، لہٰذا اس وقت وہ لفظاً مجرور ہوگا، جیسے: ﴿زَوَّجْنَاهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ﴾، ﴿أَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ﴾، ﴿وَاهْدِنَا إِلٰى سَوَاءِ السَّبِيْلِ﴾، سَمَّيْتُهٗ بِهِدَايَةِ النَّحْوِ [شرح شذور الذہب: ۳۶۰ مفہوماً]۔ اور ﴿زَوَّجْنَا كَهَا﴾، ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ میں بلا واسطۂ حرف جر متعدی ہے۔

خَالِداً عَالِماً۔

۞ **پنجم۔** بلحاظ معرب ومبنی: فعلوں میں سے ماضی وامر حاضر مبنی ہیں، اور مضارع معرب۔ ماضی مبنی بر فتح ہوتا ہے، امر مبنی بر جزم۔

مضارع کے معرب ہونے کی وجہ: مضارع کے معنی لغت میں " مشابہ " کے ہیں، اور یہ اسم فاعل کے ساتھ - جو معرب ہے - لفظاً ومعنیً دونوں طرح مشابہ ہے، اس وجہ سے مضارع معرب ہے، [لفظی مشابہت یہ ہے کہ ان دونوں میں تعدادِ حروف میں مساوات اور حرکات وسکنات میں موافقت ہوتی ہے، جیسے: " یَضْرِبُ " بروزنِ " ضَارِبٌ "، اور معنوی مشابہت یہ ہے کہ وہ اسم فاعل کی طرح زمانۂ حال واستقبال میں مشترک ہوتا ہے، جیسے: یَضْرِبُ (وہ مارتا ہے یا مارے گا)، ضَارِبٌ (وہ مارتا ہے ابھی یا آئندہ)]۔

﴿**فائدہ**﴾: مضارع " سِین یا سَوْفَ " سے "مستقبل" کے ساتھ خاص ہوجاتا ہے، جیسے: سَیَضْرِبُ (ابھی مارے گا)، سَوْفَ یَضْرِبُ (تھوڑی دیر کے بعد مارے گا) اور " لام " مفتوحہ کے آنے سے " حال " کے ساتھ، جیسے: ﴿إِنِّي لَيَحْزُنُنِيْ﴾ (البتہ وہ مجھے غم میں ڈالتا ہے)۔

مضارع کا اعراب:

﴿**تنبیہ**﴾: مضارع کے تین اعراب ہیں: رفع، نصب اور جزم۔

اعراب کے لحاظ سے مضارع کے صیغے چار قسموں میں منقسم ہیں:

۱۔ مفرد صحیح: جیسے: یَضْرِبُ، یَفْعَلُ کے پانچ صیغے: واحد مذکر غائب، واحد مؤنث غائب، واحد مذکر حاضر، واحد متکلم، متکلم مع الغیر جب کہ صحیح ہوں؛ ان کا رفع " ضمہ " سے، نصب " فتحہ " سے اور جزم " سکون " سے آتا ہے، جیسے: [قدیم نسخہ]

یَضْرِبُ، لَنْ یَضْرِبَ، لَمْ یَضْرِبْ۔

۲۔ مفرد ناقص واوی و یائی: جیسے: یَدْعُوْ، یَرْمِي کے ان ہی پانچوں صیغوں کا رفع " ضمۂ تقدیری " سے، نصب " فتحۂ لفظی " سے اور جزم " لام کلمہ کے حذف

"سے ہوتا ہے، **جیسے**: يَدْعُوْ، يَرْمِيْ، لَنْ يَدْعُوَ، لَنْ يَرْمِيَ، لَمْ يَدْعُ، لَمْ يَرْمِ۔

۳۔ مفرد ناقص الفی: جیسے: يَرْضٰى، يَخْشٰى کے ان ہی پانچوں صیغوں کا رفع تقدیراً "ضمہ" سے، نصب تقدیراً "فتحہ" سے اور جزم "حذفِ لام کلمہ" سے ہوتا ہے، **جیسے**: يَرْضٰى، لَنْ يَرْضٰى، لَمْ يَرْضَ۔

٤۔ صحیح یا ناقص باضمائرِبارزہ کے چار تثنیہ، دو صیغے: جمع مذکر غائب و حاضر اور ایک واحد مؤنث مخاطب: ان ساتوں کا رفع "اثباتِ نون اعرابی" سے، نصب اور جزم اس کے حذف سے ہوتا ہے، جیسے:

يَفْعَلَانِ، يَدْعُوَانِ، يَرْمِيَانِ، يَرْضَيَانِ [کا رفع باثباتِ نون]۔

لَنْ يَفْعَلَا، لَنْ يَدْعُوَا، لَنْ يَرْمِيَا، لَنْ يَرْضَيَا [کا نصب بحذفِ نون]۔

لَمْ يَفْعَلَا، لَمْ يَدْعُوَا، لَمْ يَرْمِيَا، لَمْ يَرْضَيَا [کا جزم بحذفِ نون]۔

تنبیہ: جمع مؤنث غائب اور مخاطب کے دو صیغے نونِ ضمیر کے ساتھ متصل ہونے سے مبنی برسکون ہوتے ہیں، ناصب اور جازم کے داخل ہونے سے ان میں کچھ تغیر نہیں ہوتا۔

××× **نوٹ**: سبق نمبر۴ اور اِس سبق کے احکامِ اعراب یکجا پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ اسم کا اعراب رفع، نصب و جر ہے، اور فعل مضارع کا اعراب رفع، نصب اور جزم۔ گویا رفع و نصب دونوں میں مشترک ہیں، اور جر کو اسم سے اور جزم کو مضارع سے خصوصیت ہے۔

سبق۔ ۵۵

❁ مضارع کی حالت نصبی:

مضارع کے عامل ناصب پانچ ہیں: أَنْ، لَنْ، كَيْ، إِذَنْ[۱] اور أَنْ مقدرہ

[۱] یہ چند شرطوں کے ساتھ مضارع کو نصب دیتا ہے: **۱۔** مضارع مستقبل کے معنی میں ہو۔ **۲۔** "إِذَنْ" صدرِ کلام میں واقع ہو۔ **۳۔** اس کے اور فعل کے درمیان فصل نہ ہو۔ البتہ "قسم، لَا، دعا اور نداء" سے فصل ہو تو "إِذَنْ" نصب دیگا ہے۔ [رضی: ۴۲ ج۴]، جیسے: (کوئی آپ سے کہے) آتِيكَ غَداً۔ (اور آپ اس کے جواب میں کہیں) إِذَنْ أُكْرِمَكَ۔ صدرِ کلام کا مطلب یہ ہے کہ: "إِذَنْ" کا مابعد ماقبل پر اعتماد (ترکیبی تعلق) نہ رکھتا ہو، اگر مابعد ماقبل پر اعتماد رکھتا ہو تو "إِذَنْ" نصب نہیں دے گا، یہ اعتماد تین

۱۔ أَنْ: یہ حرف مضارع کو مصدر کے معنی میں کرتا ہے، جیسے: أُحِبُّ أَنْ تَقُوْمَ، أَيْ: أُحِبُّ قِيَامَكَ۔

۲۔ لَنْ: یہ حرف مضارع کو نفی تاکید مستقبل کے معنی میں کرتا ہے، جیسے: لَنْ أَفْعَلَ ۔

۳۔ کَيْ: یہ حرف تعلیل وسببیت کے واسطے آتا ہے یعنی اس کا ماقبل مابعد کے لیے سبب ہوتا ہے، جیسے: أَسْلَمْتُ كَيْ أَدْخُلَ الْجَنَّةَ۔

٤۔ إِذَنْ: یہ حرف کلام سابق کے جواب و جزاء کے واسطے[۱] مضارع مستقبل کے ساتھ آتا ہے، جیسے: أَسْلِمْ، إِذَنْ تَدْخُلَ الْجَنَّةَ۔

۵۔ أَنْ مقدرہ: یہ چھ مقام پر آتا ہے۔

۞ **۱۔** حَتّٰی **کے بعد، جیسے:** سِرْتُ حَتّٰی أَدْخُلَ الْبَلَدَ۔[۲]

۞ **۲۔** لَامِ كَيْ **کے بعد، جیسے:** سِرْتُ لِأَدْخُلَ الْمَدِيْنَةَ۔

۞ **۳۔** لَامِ جَحَد **کے بعد، جیسے:** ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ﴾۔

۞ **٤۔ اس " ف" کے بعد جو: امر کے پیچھے آئے، جیسے:** زُرْنِيْ فَأُكْرِمَكَ۔

یا نہی کے بعد، جیسے: ﴿لَا تَطْغَوْافِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ﴾۔

یا استفہام کے بعد، جیسے: أَيْنَ بَيْتُكَ فَأَزُوْرَكَ۔

یا نفی کے بعد، جیسے: مَا تَأْتِيْنَا فَتُحَدِّثَنَا۔

یا تمنّی کے بعد، جیسے: لَيْتَ لِيْ مَالاً فَأُنْفِقَهٗ۔

یا عرض کے بعد، جیسے: أَلَا تَنْزِلُ بِنَا فَتُصِيْبَ خَيْراً۔

---

[۱] جواب و جزاء ہونے کا مطلب حروف کے بیان میں: "إِذَنْ" ملاحظہ ہو۔ جگہوں میں ہوتا ہے: (۱) "اِذَنْ" کا ماقبل مبتدا ہو اور مابعد اس کی خبر ہو، جیسے: آتِيْكَ غَداً۔ أنا إِذَنْ أُكْرِمُك۔ (۲) ماقبل شرط ہو مابعد اس کی جزاء ہو، جیسے: إنْ جئتني إذنْ أُكرِمْك۔ (۳) ماقبل میں قسم ہو اور مابعد جواب قسم واقع ہو، جیسے: وَ اللّٰهِ اِذَنْ أَفْعَلَنَّ[غایۃ التحقیق: ۳۹۰، شرح ابن عقیل: ۴۸۶، وافی: ۳۱۵ ج ۴]۔ **نوٹ:**۔"إِذَنْ" خواہ ناصبِ مضارع نہ ہو مگر جواب و جزاء کا معنی ومفہوم دے گا۔

[۲] "حتی" کے بعد "أن" اس وقت مقدر ہوتا ہے جب کہ مابعد فعل میں ماقبل کے بہ نسبت مستقبل کا زمانہ مراد ہو، اس وقت بمعنی "کَیْ" یا بمعنی "انتہا" ہوگا، ورنہ "حتی" ابتدائیہ ہوگا اور نصب نہیں دے گا۔[کافیہ]

۵۔ اس " واو " کے بعد جو مواضعِ مذکورۂ بالا کے پیچھے آئے، جیسے: أَسْلِمْ وَ تَسْلَمَ وغیرہ۔[۱]

۶۔ اس " أَوْ " کے بعد جو " إِلىٰ أَنْ " یا " إِلَّا أَنْ " کے معنی میں ہو، جیسے: لَأَلْزَمَنَّكَ أَوْ تُعْطِيَنِيْ حَقِّيْ۔

تنبیہ: جو " أَنْ " مشتقات " عَلِمَ " کے بعد واقع ہو مضارع کو نصب نہیں دیتا، بلکہ وہ " أَنَّ " مثقّلہ سے مخففہ ہوتا ہے، جیسے: ﴿عَلِمَ أَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَرْضٰى﴾، اور جو " أَنْ " " ظَنَّ "[۲] کے بعد آئے تو اس کی دو حالتیں ہیں: اگر " أَنْ " مصدریہ ہے تو نصب دے گا، جیسے: حَسِبْتُ أَنْ تَرْجِعَ، اور " أَنَّ " مثقّلہ سے مخففہ ہے تو رفع آئے گا، جیسے: ظَنَنْتُ أَنْ سَيَقُوْمُ۔

سبق ۔ ۵٦

مضارع کی حالت جزمی:

مضارع کے عامل جازم پانچ ہیں[۳]: لَمْ، لَمَّا[۴]، لَامِ امر، لَائے نہی، اور إِنْ شرطیہ۔

۱۔ لَم: یہ حرف مضارع کو ماضی منفی کے معنی میں کر دیتا ہے، جیسے: ﴿لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ﴾ أَيْ: مَاوَلَدَ وَ مَا وُلِدَ۔

۲۔ لَمَّا: یہ حرف مثل " لَمْ " کے عمل کرتا ہے، جیسے: لَمَّا يَضْرِبْ، أَيْ: مَا ضَرَبَ۔

﴿**فائدہ**﴾: فرق دونوں میں اس قدر ہے کہ " لَمَّا " کی نفی ماضی کے تمام زمانوں کو مستغرق ہوتی ہے، [پس " لَمَّا يَضْرِبْ " کے یہ معنی ہوں گے " ضارب نے ازمنۂ گذشتہ میں سے کبھی کسی زمانہ میں نہیں مارا "]۔[۵]

---

[۱] اوپر کی مثالوں میں بجائے " ف " کے " واو " رکھ کر مطلوبہ مثالیں حاصل کی جا سکتی ہیں۔

[۲] اس سے وہ افعال مراد ہیں جن میں حسبان وگمان کے معنی پائے جاتے ہوں [ہدایۃ النحو: ۸٦]

[۳] عامل جازم اور بھی ہیں، مگر وہ حروف نہیں ہیں بلکہ اسماء ہیں، جن کو " کلم المجازات یا اسمائے شرطیہ " کہا جاتا ہے

[۴] " لَمَّا " فعل ماضی پر بھی آتا ہے۔ [حروف کے بیان میں " لَمَّا " ملاحظہ ہو]

۳۔ لَامِ امر: یہ حرف مضارع پر داخل ہوکر "طلب فعل" کا معنی پیدا کرتا ہے، **جیسے:** لِيَضْرِبْ زَيْدٌ(چاہیے کہ زید مارے)۔

﴿**فائدہ**﴾: لَامِ امر مکسور ہوتا ہے، مگر جب اس کے پہلے "واو" یا "ف" آئے تو ساکن ہو جاتا ہے، **جیسے:**﴿فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلاً وَ لْيَبْكُوْا كَثِيْراً﴾۔

٤۔ لَائے نہی: یہ حرف مضارع پر داخل ہوکر "ترکِ فعل" کا معنی پیدا کرتا ہے، **جیسے:** لَا يَضْرِبْ زَيْدٌ(چاہیے کہ زید نہ مارے)۔

٥۔ إِنْ شرطیہ: یہ حرف دو فعلوں پر آتا ہے جن میں سے پہلا فعل دوسرے فعل کا سبب ہوتا ہے، **جیسے:** إِنْ تَضْرِبْ أَضْرِبْ۔ پہلے فعل کو "شرط" اور دوسرے کو "جزاء" کہتے ہیں۔ ﴿**فائدہ**﴾: یہ حرف ہمیشہ مستقبل کا معنی دیتا ہے اگرچہ ماضی پر داخل ہو[۱]، **جیسے:** إِنْ ضَرَبْتَ ضَرَبْتُ ،[اس جگہ جزم تقدیری ہوگا، کیوں کہ فعل ماضی مبنی ہے، اس کا اعراب بدل نہیں سکتا]۔

ق: جب شرط اور جزاء دونوں "مضارع" ہوں یا صرف شرط "مضارع" ہو تو مضارع میں "جزم" واجب ہوگا[۲]، جیسے: إِنْ تَضْرِبْ أَضْرِبْ، إِنْ تَضْرِبْنِي ضَرَبْتُكَ۔

ق: اگر شرط "ماضی" اور جزاء "مضارع" ہو تو جزاء میں "جزم اور رفع" دونوں جائز ہے، جیسے: إِنْ جِئْتَنِي أُكْرِمْكَ / فَأُكْرِمُكَ۔[۳]

﴿"فاء" جزائیہ کے قواعد﴾:

ق: جب جزاء فعل ماضی بغیر "قَدْ" کے ہو تو اس کے پہلے "فاء" کا لانا جائز

[۵]اور "لَمْ" کی نفی مستغرق نہیں ہوتی، پس "لَمْ يَضْرِبْ" کے معنی ہوں گے "ضارب نے نہیں مارا"۔

[۱]اس صورت میں ماضی پر "فاء" جزائیہ نہیں ہوگا، جیسے: مثال مذکور میں اور﴿وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ آمِناً﴾، نیز حدیث شریف: مَنْ يَقُمْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيْمَاناً وَ احْتِسَاباً غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ میں "فاء" جزائیہ نہیں آیا ہے۔ اگر ماضی پر "فاء" جزائیہ آیا ہو تو وہاں ماضی مستقبل کے معنی میں نہیں ہوگی۔[مستفاد از جامع الدروس العربیہ:۱۹۲ج۲]۔

[۲]قرآن مجید میں ہے:﴿إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوْا أَلْفَيْنِ﴾،﴿إِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ﴾۔

[۳]رفع کی صورت میں مضارع پر "فاء" آتا ہے جو شرط کے ساتھ ربط پیدا کر دیتا ہے، جیسے:﴿وَ مَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ

نہیں[۱]، جیسے: إِنْ ضَرَبْتَ ضَرَبْتُ، ﴿وَ مَنْ دَخَلَهٗ کَانَ آمِناً﴾[۲]۔[ہدایۃ النحو:۸۸]

ق: جب جزاء فعل مضارع مثبت ہو یا منفی بـــ " لا " ہو تو " فـاء " کالانا، نہ لانا دونوں جائز ہے، جیسے: مضارع مثبت کی مثال: ﴿إِنْ یَکُنْ مِنْکُمْ أَلْفٌ یَغْلِبُوْا أَلْفَیْنِ﴾، ﴿وَ مَنْ عَادَ فَیَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ﴾، مضارع منفی بـ" لا " کی مثال: إِنْ تَشْتِمْنِيْ لَا أَضْرِبْكَ/فَلَا أَضْرِبْكَ، اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں[۳] تو " فـاء " کالانا واجب ہے، جیسے: ﴿إِنْ یَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَهٗ مِنْ قَبْلُ﴾، ﴿وَ مَنْ یَبْتَغِ غَیْرَ الْإِسْلَامِ دِیْناً فَلَنْ یُقْبَلَ مِنْهُ﴾۔[۴]

سبق ۔ ۵۷

کلم المجازات: (کلمات شرط وجزاء یا اسماء جازمہ)

﴿**اسماءِ جازمه**﴾: یہ نو(۹) کلمے ہیں: مَنْ، مَا، أَيٌّ، مَتٰی، أَنّٰی، أَیْنَمَا، مَهْمَا، إِذْمَا، حَیْثُمَا؛ جو " إِنْ " شرطیہ کے معنی کو مشتمل ہونے سے مضارع کو جزم دیتے ہیں اور ہمیشہ دو جملوں پر آتے ہیں، جن میں سے پہلا شرط اور دوسرا جزاء ہوتا ہے۔ [تفصیل یہ ہے]

۱۔ مَنْ: اس کا استعمال ذوی العقول پر ہوتا ہے، جیسے: ﴿مَنْ یَعْمَلْ سُوْءً یُجْزَ بِهٖ﴾ (جو برائی کرے گا وہ اس کی سزا پائے گا)۔

۲۔ مَا: اس کا استعمال غیر ذوی العقول پر ہوتا ہے، جیسے: ﴿مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ﴾ (جو تم نیکی کرو خدا تعالی اس کو جانتا ہے)۔

۳۔ أَيٌّ: ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں پر[۵] اس کا استعمال ہوسکتا ہے،

اللّٰهُ مِنه﴾، ﴿إِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗ أُخْرٰی﴾۔[جامع الدروس العربیہ:۱۹۱، ۲۰۱ج۲]

[۱] س: ﴿إِنْ کَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ﴾ میں " ف " آیا ہے، ج: یہاں " قد " مقدر ہے، قرینہ یہ ہے کہ یہاں ماضی مستقبل کے معنی میں نہیں ہے۔

[۲] صفحہ گذشتہ پر ایک نمبر کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

[۳] یعنی جزا فعل ماضی "قد" کے ساتھ ہو، اور مضارع منفی بغیر "لا" ہو۔[ہدایۃ النحو:۸۸]۔

[۴] اسی طرح جب جزاء جملہ اسمیہ ہو تو بھی " فاء " کالانا واجب ہے، جیسے: ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾، نیز جملہ انشائیہ ہو تو بھی " فاء " کالانا واجب ہے، جیسے: ﴿إِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ﴾۔[ہدایۃ النحو:۸۹]

اور باضافت **مستعمل** ہوتا ہے، **جیسے**: أَيَّ رَجُلٍ تَضْرِبْ أَضْرِبْ، ﴿أَيًّا مَا تَدْعُوْا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى﴾ (جس نام سے تم اللہ تعالی کو پکارو اس کے اچھے اچھے نام ہیں)۔

٤۔ مَتٰى[۱]: ، **جیسے**: مَتٰى أَضَعِ الْعِمَامَةَ تَعْرِفُوْنِيْ۔

٥۔ أَنّٰى[۲]: **جیسے**: أَنّٰى تَكُنْ أَكُنْ (**تو جہاں رہے گا میں وہاں رہوں گا**)۔

٦۔ أَيْنَمَا: جیسے: ﴿أَيْنَمَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكُّمُ الْمَوْتُ﴾ (**موت تمہیں پکڑ لے گی تم جہاں کہیں ہوں گے**)۔

٧۔ مَهْمَا[۳]: **جیسے**: ﴿مَهْمَا تَأْتِنَا بِهٖ مِنْ آيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ (**نشانیوں میں سے تم جو کچھ ہمارے پاس لاؤ تا کہ تم ان سے ہم پر جادو کرو، پس ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے**)۔

٨۔ إِذْمَا: [۴]، **جیسے**: إِذْمَا دَخَلْتَ عَلَى الرَّسُوْلِ فَقُلْ لَهٗ ❁ حَقًّا۔[۵]

٩۔ حَيْثُمَا: جیسے: حَيْثُمَا تَقْعُدْ أَقْعُدْ (**تو جہاں بیٹھے گا میں بیٹھوں گا**)۔

تنبیہ: اِن میں سے مَنْ، مَا، أَيٌّ، مَتٰى، أَنّٰى: یہ پانچوں استفہام کے معنی

---

[۵] زمان ومکان کے لیے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔ مضاف الیہ سے تعیین ہوجائے گی کہ جملہ میں اس کا استعمال کس کے لیے کیا گیا ہے۔[النحو الوافی:۴۳۱ ج۴]

[۱]اس کا استعمال استفہام زمانہ کے واسطے ہوتا ہے، جیسے: أَنَا ابْنُ جَلَا وَ طَلَّاعُ الثَّنَايَا ❁ مَتٰى أَضَعِ الْعِمَامَةَ تَعْرِفُوْنِيْ، میں بہادر اور تجربہ کار ہوں، (مگر) جب میں سر پر پگھڑی رکھوں گا تب تم مجھے پہچان پاؤ گے[رضی:۱۴۶ ج۱، ق۳۸]۔ [۲] أَنّٰى، أَيْنَمَا، حَيْثُمَا؛ ان تینوں کا استعمال مکان کے واسطے ہوتا ہے۔

[۳]اس کا استعمال "ما" کے مانند غیر ذوی العقول کے واسطے ہوتا ہے۔

[۴]"إِذْمَا" جب "مَا" سے ملا ہوا ہو تب ہی شرط کے معنی دیتا ہے اور جزم بھی دیتا ہے۔ اس کے اسم اور حرف ہونے میں اختلاف ہے: امام سیبویہ اور جمہور نحات کے نزدیک "إِنْ" شرطیہ کے مانند یہ حرف ہے۔ مبرد نحوی کے نزدیک یہ اسم ہے۔[شرح شذور الذھب:۳۳۴، شرح ابن عقیل:۴۹۷]۔ یہ مطلق تعلیق جزاء کے واسطے استعمال ہوتا ہے، یعنی زمان ومکان اور عاقل و غیر عاقل پر دلالت مقصود نہیں ہوتی ہے، صرف وجود جزاء کو شرط پر معلق کرنا مقصود ہوتا ہے[شرح شذور الذھب:۳۳۴، النحو الوافی:۴۳۲ ج۴]۔ [۵] دوسرا مصرع یہ ہے: ❁ حَقًّا عليك إذا اطمأن المجلس۔ یہ شعر؛ حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ کا ہے، غزوۂ حنین میں تقسیمِ غنیمت کے بعد کہا گیا ہے۔ جب تو رسولِ خدا ﷺ کے پاس پہنچے، درا حالیکہ اہل مجلس بیٹھ چکے ہوں تو تجھے اپنا حق (جو آگے والے اشعار میں ہے) کہنا ہی ہے۔[خزانۃ الادب:۹۲ ج۹، بیہقي:۳۸۸۸]

میں بھی مستعمل ہوتے ہیں، اس وقت صرف ایک جملہ ہوتا ہے، جیسے: مَنْ أَنْتَ؟، مَا هٰذَا؟، أَيُّ شَيْءٍ هٰذَا؟، مَتٰى تُسَافِرُ؟، أَنّٰى زَيْدٌ؟۔

××× **فائدہ:** متأخرین " أَيُّ شَيْءٍ " کی جگہ اکثر " أَيْشٍ " [۱] کا استعمال کرتے تھے، مثلاً: أَيْشٍ هٰذَا؟ (یہ کیا ہے؟)، مگر اب مصر اور شام میں [☆] " أَيْشٍ " کی جگہ " أَيْه " بولتے ہیں اور خلاف قواعد نحوی کے اس کو آخر میں لاتے ہیں، جیسے: اِسْمُكَ أَيْه؟۔

[☆] مصنفؒ نے وہاں کا علمی سفر اور قیام کیا ہے۔ [ان کی تصنیف عربی بال چال]

سبق ۔ ۵۸

افعال قلوب: [۲]

یہ سات فعل ہیں: حَسِبَ، ظَنَّ، خَالَ : شک کے واسطے [۳]، عَلِمَ، رَأٰی، وَجَدَ : یقین کے واسطے [۴]، اور زَعَمَ شک و یقین دونوں میں مشترک ہے۔

[۱] [" أَيْشٍ "، رضی: ج ۳، ص: ۴] ۔ عالم عرب کی تحریری اور معیاری عربی زبان ایک ہے، اور وہ وہی ہے جس کو قرآنی عربی کہنا چاہیے، مگر محاوراتی لہجوں میں فرق ہوا کرتا ہے، جو عامۃً ہر زبان میں پایا جاتا ہے — نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک میں بھی یہ فرق پایا جاتا تھا، چناں چہ قبیلہ حمیر کے لوگ "أل" کو "أم" بولتے تھے۔ آپ ﷺ نے بھی ان کی رعایت کرتے ہوئے ان سے تخاطب میں اسی لہجے کو استعمال فرمایا: "لَيْسَ مِنَ امْبِرِّ امْصِيَامُ فِي امْسَفَرِ" [التسہیل السامی: ۵۴] — اسی طرح " أَيْشٍ " کا استعمال بھی محاوراتی لہجہ پر محمول ہے۔

[۲] افعال قلوب کی تین انواع ہیں: ۱- لازم، جیسے: فَكَّرَ، حَزِنَ، جبن وغیرہ۔ ۲- متعدی بیک مفعول، جیسے: خَافَ، أَحَبَّ وغیرہ۔ ۳- متعدی بدو مفعول، (جو افعال قلوب کے نام سے مشہور ہیں) [وافی: ۵ ج ۲]۔ نوع ثالث کے کچھ خصوصی احکام ہیں جو دیگر دو انواع میں نہیں پائے جاتے، اس لیے نحات اس کو مستقل بیان کرتے ہیں۔ پھر نوع ثالث میں مشہور سات افعال کے علاوہ اور بھی ہیں، مثلاً: دَرٰی (بمعنی عَلِمَ)، عدَّ (بمعنی زَعَمَ، ظَنَّ)، حَجَا (بمعنی زَعَمَ، ظنَّ)، جَعَلَ (بمعنی اِعْتَقَدَ)، تَعَلَّمْ (بمعنی اِعْلَمْ)، هَبْ (بمعنی اِعْتَقِدْ) [شرح ابن عقیل: ۲۰۸، شرح شذور الذہب: ۳۶۰، جامع الدروس: ۳۶ ج ۱]، مگر یہ افعال بھی اُن ہی سات کے معنی پر مشتمل ہیں۔ چوں کہ علامہ عبد القاہر جرجانی متوفی ۴۷۱ھ جو صاحب مفصل، صاحب الفیہ ابن مالک، صاحب کافیہ وغیرہم سے پہلے گذرے ہیں، انھوں نے اپنی کتاب "مأۃ عامل" میں سات کا عدد صراحۃً ذکر کیا ہے اس لیے وہ زیادہ مشہور ہو گئے ہیں۔ [واللہ اعلم]

[۳] **شک:** اس قلبی خیال کو کہتے ہیں جس کے معارض کوئی قرینہ یا دلیل پائی جاتی ہو اور کوئی پہلو غالب نہ ہو، اگر کوئی پہلو غالب ہو جائے تو اس کو " **ظن غالب یا رجحان** " کہتے ہیں۔ اور جو پہلو مغلوب ہو اس کو " **وہم** " کہتے ہیں۔ [وافی: ۵ ج ۲]

[۴] **یقین:** اس قلبی خیال کو کہتے ہیں جس کے معارض کوئی قرینہ یا دلیل نہ پائی جاتی ہو۔ [النحو الوافی: ۵ ج ۲]

﴿فائدہ﴾: ان کو افعالِ قلوب اس واسطے کہتے ہیں کہ ان کا تعلق دل سے ہے، [ہاتھ، پاؤں کو ان کے صدور میں کچھ دخل نہیں ہوتا،] اور چونکہ ان میں شک ویقین کے معنیٰ پائے جاتے ہیں اس لیے ان کو افعال شک ویقین بھی کہتے ہیں۔

ق: یہ فعل مبتدا اور خبر پر آتے ہیں[١] اور دونوں کو بوجہ مفعولیت کے نصب دیتے ہیں، **جیسے**: حَسِبْتُ الْجُوْدَ خیراً، ظَنَنْتُ زَیْداً عَالِماً، خِلْتُ الدَّارَ خَالِیَةً، عَلِمْتُ زَیْداً أَمِیْناً، رَأَیْتُ اللّٰهَ أَکْبَرَ کُلِّ شَیْءٍ، ﴿وَجَدَكَ عَائِلاً (محتاج)﴾، زَعَمْتُ اللّٰهَ غَفُوْراً، زَعَمْتُ الشَّیْطَانَ کَفُوْراً۔

﴿تنبیہ﴾: افعال قلوب کے دو مفعولوں میں سے جب ایک کا ذکر کیا جائے تو دوسرے کا ذکر کرنا واجب ہوتا ہے[٢]، [کیونکہ یہ دونوں مفعول بمنزلۂ ایک مفعول بہ کے ہوتے ہیں]، مگر جب "ظَنَّ" بمعنیٰ اِتَّھَمَ، و"عَلِمَ" بمعنیٰ عَرَفَ، و "رَأیٰ" بمعنیٰ أَبْصَرَ، و "وَجَدَ" بمعنیٰ أَصَابَ کے ہوں؛ تو صرف ایک مفعول کو نصب آئے گا، اور اس وقت یہ افعالِ قلوب سے نہ ہوں گے، **جیسے**: ظَنَنْتُ زَیْداً، أَيْ: اِتَّھَمْتُهٗ، عَلِمْتُ بَکْراً، أَيْ: عَرَفْتُ شَخْصَهٗ وغیرہ۔

××× **﴿فائدہ﴾**: جب یہ مبتدا وخبر کے بیچ میں آئیں، یا دونوں سے مؤخر ہوں تو اس وقت ان کا عمل زائل ہو جاتا ہے، **جیسے**: زَیْدٌ ظَنَنْتُ قَائِمٌ، زَیْدٌ قَائِمٌ ظَنَنْتُ۔ ایسا ہی جب "ہمزۂ

---

[١] خواہ مبتدا وخبر واقعی ہوں، جیسے مثالوں میں مذکور ہیں، یا مجاز مایؤل کے اعتبار سے ان کا مبتدا وخبر ہونا درست ہو، جیسے: صَیَّرْتُ الْفِضَّةَ خَاتَماً، نیز کبھی یہ "أَنَّ" پر اور کبھی "أَنْ" مصدریہ مع فعل وفاعل پر داخل ہوتے ہیں، جیسے: عَلِمْتُ أَنَّ زَیْداً قَائِمٌ، (﴿عَلِمَ أَنْ سَیَکُوْنُ مِنْکُمْ مَرْضٰی﴾)، لَاأَعْلَمُ أَنْ تُدْرِكَ غَایَتَكَ بِالتَّمَنِّی (میں نہیں سمجھتا کہ آپ اپنا مقصد صرف تمنا سے پا سکیں)، ﴿ظَنَّ أَنَّهٗ نَاجٍ مِنْهُمَا﴾، ﴿مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ یَخْرُجُوْا﴾ اس صورت میں "أَنَّ" مع اسم وخبر کے، اور "أَنْ" مع فعل وفاعل کے دو مفعول کے قائم ہو جائیں گے اور یہ دونوں افعال قلوب کو دو مفعول صریحی سے بے نیاز کر دیں گے۔ [وافی: ٤٣ ج٢]

[٢] یہ دونوں مفعول درحقیقت مبتدا وخبر ہوتے ہیں، اور مبتدا وخبر کا تعلق اور ربط بہت قوی ہوتا ہے، اس لیے یہ دو بمنزلۂ ایک مفعول بہ کے ہیں۔

استفہام، مَا نافیہ یا لام ابتدا "کے پہلے واقع ہوں تو اس وقت بھی عمل باطل ہوتا ہے۔[۱]

فائدہ:صَیَّرَ ، اِتَّخذَ، جَعَلَ ، خَلَقَ، تَرَكَ " افعالِ تصییر " کہلاتے ہیں، یعنی وہ فعل جو ایک چیز کو اس کے اصلی حال سے دوسرے حال کی طرف پھرائیں، یہ بھی دو اسموں (مبتدا و خبر) پر آتے ہیں، اور دونوں کو نصب دیتے ہیں، جیسے: صَیَّرْتُ الطِّیْنَ خَزَفاً، ﴿اِتَّخذَ اللّٰہُ إِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلاً﴾، ﴿وَجَعَلَ الْأَرْضَ فِرَاشاً﴾، خَلَقَ اللّٰہُ الإِنْسَانَ ھَلُوْعاً (بے صبرا، کچے دل کا)، تَرَکْتُہٗ حَیْرَانَ۔

سبق ۔ ۵۹

افعال مدح وذم:[۲]

یہ چار فعل ہیں: نِعْمَ، حَبَّذَا، بِئْسَ، سَاءَ۔

﴿**فائدہ**﴾: پہلے دو فعل مدح اور توصیف کے واسطے آتے ہیں، اور آخری دو ہَجْو اور ذم کے واسطے۔

ق: ان میں سے " نِعْمَ، بِئْسَ اور سَاءَ " کا فاعل اکثر اسم ذو اللام ہوتا ہے، یا وہ اسم جو ذو اللام کی طرف مضاف ہو، اور اس کے بعد ایک اور اسم مرفوع ہوتا ہے جس کی توصیف یا ہجو مقصود ہوتی ہے، اس کو " مخصوص بالمدح یا مخصوص بالذم " کہتے ہیں، جیسے: نِعْمَ الرَّجُلُ زَیْدٌ!، نِعْمَ غُلَامُ الرَّجُلِ زَیْدٌ!، بِئْسَ الرَّجُلُ بَکْرٌ!، بِئْسَ غُلَامُ الرَّجُلِ بَکْرٌ!، [اور یہی حال " سَاءَ " کا ہے]۔

﴿**فائدہ**﴾: کبھی " نِعْمَ " کے ساتھ " مَا " آتا ہے[۳] جو " شَيْءٌ " کے معنی

---

[۱] جیسے: ظَنَنْتُ أَ زَیْدٌ قَائِمٌ أَمْ عَمْرٌو، ظَنَنْتُ مَا زَیْدٌ قَائِمٌ ، ظَنَنْتُ لَزَیْدٌ قَائِمٌ ۔[ہدایۃ النحو]

[۲] ان کے علاوہ اور بھی افعال ہیں جو مدح وذم پر دلالت کرتے ہیں، مثلاً: حَمِدَ، مَدَحَ، ذَمَّ، قَبحَ وغیرہ، مگر افعال مدح وذم کے لیے مخصوص احکام ہیں (مثلا: ان کا غیر متصرف ہونا، ان کے فاعل کا مشروط ہونا، مخصوص بالمدح و الذم کا محتاج ہونا وغیرہ۔) اس لیے نحویین ان کو مستقل بیان کرتے ہیں۔ نیز مدح وذم کے واسطے اور بھی اسلوب ہیں لیکن وہ سب قرینہ کے محتاج ہیں، مثلا: ﴿ما ھذا بشراً إنْ ھذا إلّا مَلَكٌ کریم﴾۔[النحو الوافی:۳۶۷ج ۳]

[۳] بِئْسَ کے ساتھ بھی " مَا " آتا ہے، جیسے: ﴿بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِہٖ أَنْفُسَھُمْ!......﴾[شرح ابن عقیل:۳۹۷]

میں " نِعْمَ " کا فاعل ہوتا ہے[۱] جیسے: فَنِعِمَّاهِیَ ،أَیْ: نِعْمَ شَیْئٌ هِیَ۔

﴿**فائدہ**﴾: " حَبَّذَا " مرکب ہے " حَبَّ " فعل ماضی اور " ذَا " اسم اشارہ سے جو اس "حَبَّ " کا فاعل ہے، اور اس کے بعد مخصوص بالمدح آتا ہے، جیسے: حَبَّذَا زَیْدٌ!۔

××× **فائدہ**: ترکیب میں مخصوص بالمدح یا بالذم مبتدا مؤخر ہوتا ہے، اور فعل مع فاعل کے خبر مقدم[۲]۔ بعض کے نزدیک مخصوص بالمدح والذم مبتدا محذوف کی خبر ہیں ،[جو ایک ضمیر منفصل ہوتی ہے][۳]، اس صورت میں نِعْمَ الرَّجُلُ زَیْدٌ کی تقدیر ہوگی " نِعْمَ الرَّجُلُ! هُوَزَیْدٌ "۔

افعالِ تعجب :[۴]

فعل تعجب کے دو صیغے ہیں: [۵] (دو وزن مراد ہیں)

[۱] " مَا " کا مابعد کبھی مفرد ہوتا ہے، جیسے: ﴿نِعِمَّا هِیَ﴾، کبھی جملہ ہوتا ہے، جیسے: ﴿بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖ أَنْفُسَهُمْ﴾۔
س: " مَا " ترکیب میں کیا واقع ہوگا؟۔ ج: اس میں تفصیل ہے: **۱۔** اگر " مَا " کا مابعد مفرد ہو تو (۱) مَا نکرہ تامہ ہے، محلاً مرفوع اور فاعل واقع ہوگا، جیسے: نِعِمَّا هِیَ !، أَیْ: نِعْمَ شَیْئٌ هِیَ !۔ (۲) مَا نکرہ تامہ ہے، محلاً منصوب تمیز واقع ہوگا، جیسے: نِعِمَّا هِیَ !، أَیْ: نِعْمَ شَیْئاً هِیَ !۔ یہاں نِعْم میں ضمیر مستتر ممیَّز شَیْئاً: تمیز سے مل کر فاعل واقع ہے۔ **نوٹ**:- ان دونوں صورتوں میں مابعد مفرد مخصوص بالمدح یا بالذم ہوگا۔ **۲۔** اگر " مَا " کا مابعد جملہ ہو تو (۱) مَا: نکرہ موصوفہ ہے، محلاً منصوب تمیز ہوگا ہے، جیسے: ﴿بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖ أَنْفُسَهُمْ﴾ أَیْ: بِئْسَ شَیْئاً اشْتَرَوْا بِهٖ أَنْفُسَهُمْ۔ یہاں نِعْم میں ضمیر مستتر ممیّز ہے، شَیْئاً نکرہ موصوفہ اپنے مابعد جملہ: صفت سے مل کر تمیز واقع ہے، اور ممیّز با تمیز فاعل واقع ہے۔ (۲) مَا: - معرفہ ناقصہ - موصولہ ہے جو جملۂ مابعد: صلہ سے مل کر فاعل واقع ہوگا [شرح ابن عقیل: ۳۹۷ ج۱، وافی: ۳۷۴ ج۳]۔ **نوٹ**:- ان دونوں صورتوں میں مخصوص بالمدح یا بالذم کبھی مذکور ہوتا ہے، جیسے: ﴿بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖ أَنْفُسَهُمْ أن یکفروا﴾، کبھی محذوف ہوتا ہے، جیسے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا یَعِظُكُم بِهٖ﴾۔ [رضی: ۲۵۱ ج۴]

[۲] اس صورت میں ایک ہی جملہ ہوگا۔ [شرح مأۃ عامل]۔ [۳] اس صورت میں دو جملے ہوں گے۔ (ایضاً)

[۴] کسی چیز کا اپنی مروجہ حالت سے تغیر پذیر ہو جانے کے وقت اس کے سبب کے مخفی ہونے یا معلوم نہ ہونے کی وجہ سے جو کیفیت دل ودماغ پر چھا جاتی ہے اور ان کو متأثر کر دیتی ہے، جس کا ظہور کبھی چہرے اور بدن پر بھی ہو جاتا ہے؛ **اس کو تعجب کہتے ہیں**، لہٰذا "چیز کا مروجہ حالت سے تغیر پذیر ہونا، سبب کا مخفی ہونا یا معلوم نہ ہونا اور نفس کا اس سے متأثر ہونا" یہ چیزیں تعجب کے واسطے ضروری ہیں، یہ تعجب کا لغوی مفہوم ہے [وافی: ۳۳۹ ج۳]۔ اصطلاحِ نحات میں وہ فعل ہے جو تعجب کا معنی ومفہوم ادا کرنے کے لیے مَا أَفْعَلَهٗ، یا أَفْعِلْ بِهٖ کے وزن پر لایا جائے [رضی: ۲۲۹ ج۴]۔ **تنبیہ**:- تعجب ہونا مخلوق

١۔ مَا أَفْعَلَهٗ : جیسے:مَاأَحْسَنَ زَيْداً!! (یعنی زید کیا ہی اچھا ہے!!)، -[یہ **اصل میں** "أَيُّ شَيْءٍ أَحْسَنَ زَيْداً" تھا]-اس میں " مَا " **بمعنی** " أَيُّ شَيْءٍ " **مبتدا ہے**[۱]،اور" أَحْسَنَ زَيْداً " **اس کی خبر**۔[**اس کا فاعل** " هُوَ" **اس میں مستتر**،اور " زَيْداً " **مفعول بہ ہے**]۔

٢۔ أَفْعِلْ بِهٖ : جیسے:أَحْسِنْ بِزَيْدٍ!!، -[**یہ اصل میں**" أَحْسَنَ زَيْدٌ " **تھا**[۲]]-

کی صفت ہے، خالق کی نہیں، کیوں کہ خالق کے لیے کوئی سبب مخفی نہیں ہے، اور تعجب کے لیے اس کا مخفی ہونا ضروری ہے۔ رہا! اللہ تعالی کا قرآن کریم میں اس کا استعمال کرنا، یہ درحقیقت سامعین اور مخاطبین کو اظہار تعجب کی طرف متوجہ کرنا ہے، تا کہ خالق کی قدرت وعظمت کو سمجھیں اور تسبیح وتحمید بیان کریں۔[وافی:۳۳۹ج۳]

[۵]اظہار تعجب کے لیے اور بھی اسلوب ہیں مگر وہ سب قرینہ کے محتاج ہیں، مثلا:لِلّٰهِ دَرُّ فُلَانٍ، كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ؟، سُبْحَانَ اللّٰهِ! وغیرہ۔[وافی:۳۴۲ج۳،اوضح المسالک:۲۷۱ج۲]۔چوں کہ ان دو وزن کے لیے مخصوص احکام ہیں، مثلا: **١**۔ان کا غیر متصرف ہونا۔ **٢**۔عامل ومعمول کے درمیان فصل نہ ہونا۔ **٣**۔مفعول کا معنیً فاعل ہونا، جیسے: مــــا أحسن زيداً **اصل کے اعتبار سے** حَسُنَ زَيْدٌ ہے[وافی:۳۴۱ج۳]۔**٤**۔" أَفْعِلْ بِهٖ " میں ہمزہ کا صیرورت کے لیے ہونا،-جس کی وجہ سے مأخذ کا معنی ومفہوم فاعل کو حاصل ہوجاتا ہے- لہٰذا" أَحْسِنْ بِزَيْدٍ " صَارَ زَيْدٌ ذَا حُسْنٍ کے معنی میں ہوگا، جیسے:أَلْبَنَتِ الْبَقَرَةُ ،أيْ:صَارَتِ الْبَقَرَةُ ذَا لَبَنٍ کے معنی میں ہے(گائے دودھ والی ہوگئی)[وافی:۳۴۷ج۳]۔ **٥**۔"ما أفعله "میں ہمزہ کا تعدیہ کے لیے ہونا؛ ان امور کی وجہ سے ان کو مستقل بیان کیا جاتا ہے۔

(**نوٹ**:-فعلِ تعجب میں ہمزۂ تعدیہ کی وجہ سے فعل کے متعدی ہونے کی ایک جدید صورت پیدا ہوتی ہے جو اس فعل کے غیر تعجب میں استعمال کیے جانے سے جداگانہ ہے، کیوں کہ غیر تعجب کے استعمال میں ہمزۂ تعدیہ کے آنے سے پہلے جو فاعل ہوتا ہے وہ ہمزۂ تعدیہ آنے کے بعد بھی علی حالہ مرفوع باقی رہتا ہے، البتہ معنی میں فرق ہوجاتا ہے، جیسے: سَمِعَ زَيْدٌ دَرْساً (زید نے سبق سنا)، أَسْمَعَ زَيْدٌ دَرْساً (زید نے سبق سنایا)، مگر تعجب میں ہمزۂ تعدیہ کے آنے سے پہلے جو فاعل تھا وہ مفعول بہ ہوجاتا ہے، لیکن وہ معنیً فاعل شمار ہوتا ہے؛ کیوں کہ معنی میں سوائے اظہار تعجب کے کوئی فرق نہیں ہوتا ہے، جیسے:ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرواً (زید نے عمرو کو مارا)، مَا أَضْرَبَ زَيْداً لِعَمْرٍو (زید نے عمرو کو کیسا بے تحاشا مارا!!) ۔[وافی:۳۴۷ج۳،رضی:ج۴؛استمداداً]

[۱]"مَا"ترکیب میں کیا واقع ہوگا؟؛اس میں چند اقوال ہیں:(۱)مـا نکرہ تامہ مبتدا واقع ہے، اور مابعد جملہ اس کی خبر ہے۔(۲)ما موصولہ مابعد جملہ: صلہ سے مل کر مبتدا اور خبر محذوف ہے۔(۳) ما نکرہ موصوفہ مابعد جملہ: صفت سے مل کر مبتدا اور خبر محذوف ہے۔(۴)ما بمعنی "أَيُّ شَيْءٍ" مبتدا اور مابعد جملہ اس کی خبر۔[شرح ابن عقیل:۳۹۰ج۱]

[۲]اس میں ہمزہ صیرورت کے لیے ہے، لہٰذا" أَحْسِنْ بِزَيْدٍ " صَارَ زَيْدٌ ذَا حُسْنٍ کے معنی میں ہوگا۔ نیز اس وزن میں فعل ماضی اظہار تعجب کے واسطے بصورت فعل امر ہے، حقیقت میں فعلِ امر نہیں ہے۔ چوں کہ صیغہ امر کی نسبت اسم ظاہر-فاعل-کی طرف مناسب نہ تھی اس لیے "ب" زائدہ کا اضافہ کردیا گیا ہے۔[وافی:۳۴۴ج۳،النحو القرآنی:]

اس میں " أَحْسِنْ "صیغۂ امر بمعنی ماضی ہے، " زَيْدٌ " فاعل اور " ب " زائدہ ہے۔[ا]

فـائدہ: اگر ثلاثی مزید فیہ یا رباعی سے فعل تعجب کے معنی ادا کرنے ہوں تو لفظ " مَـا أَشَدَّ " یا " أَشْدِدْ " اس فعل کے مصدر کے پہلے ذکر کیا جاتا ہے جس سے فعل تعجب بنانا مقصود ہو، جیسے: مَا أَشَدَّ اخْضِرَارَهُ!!، و أَشْدِدْ بِاخْضِرَارِهِ!!۔

سبق ۔ ٦٠

ایک مشقی حکایت:

اس حکایت کا ترجمہ کرو اور جن لفظوں پر خط کھینچا گیا ہے اُن کے نام مع قسم کے لکھو:

تَوَحَّمَتْ [١] زَوْجَةُ فَقِيهٍ بَخِيلٍ عَلى السَّمَكِ، وَأَخْبَرَتْ بِذالِكَ زَوْجَهَا. فَقَالَ لَهَا: بِئْسَ الْغِذَاءُ: السَّمَكُ، وَسَاءَ السَّمَكُ مِنْ غِذَاءٍ فَإِنَّ " سِيْنَهُ " سَمٌّ، و " مِيْمَه " مَرَضٌ، و " كَافَهُ " كُرْبَةٌ.[٢]

فَرَهَنَتْ شَنْفَهَا [٣] وَهُوَلَا يَشْعُرُ، واسْتَدْعَتْ لَهَا بِشَيْءٍ مِنْه. وبَيْنَمَا هِيَ جَالسَةٌ عَلَى الْمَائِدَةِ[٤] إِذْ بِهٖ قَدْ أَقْبَلَ. فَلَمَّا رَاهَا تَأْكُلُ قَالَ لَهَا: مَاتَأْكُلِيْنَ يَا حَبِيْبَتِي!. فَقَالَتْ: سَمَكاً، أَرْسَلَتْهُ إِلَيَّ جَارَتِي [٥] فُلانَةُ. فَقَالَ لَهَا: هَلُمِّي [٦] بِشَيْئٍ مِنْهُ إِلَيَّ. فَإِنَّه نِعْمَ الْغِذَاءُ: السَّمَكُ، وَحَبَّذَا السَّمَكُ مِنْ غِذَاءٍ لِأَنَّ " سِيْنَهُ " سَمْنٌ[٧]، و" مِيْمَهُ " مَيْمَنَةٌ، و " كَافَهُ " كِفَايَةٌ.

فَقَالَتْ لَهُ: بِئْسَ مُعَرِّفُ[٨] السَّمَكِ انْتَ يَا رَجُلُ!. إِذْ كُنْتَ تَذُمُّهُ أَمْسِ، فَكَيْفَ تَمْدَحُ الْيَوْمَ. فقَالَ لَهَا: نِعْمَ مُحَدِّدُ [٩] السَّمَكِ أَنَا لِأَنِّيْ صَيَّرْتُهُ[١٠] نَوْعَيْنِ:

[ا] اس میں دوسری ترکیب بھی ہے: أَحْسِنْ: فعل امر، اس میں " أَنْتَ "، ضمیر مستتر: اس کا فاعل، ب: برائے تعدیہ ہے اور زَيْدٍ: مجرور۔ س: " أَنْتَ " سے کس کو مخاطب کیا جاتا ہے؟۔ ج: فعل مذکور کے مصدر کو مخاطب کیا جاتا ہے، لہٰذا اس سے مراد " يا حُسْنُ! أَحْسِنْ بِزَيْدٍ " ہوگا۔[وافی: ٣٤۵ ج ٣]

[١] توحمت: خواہش کی۔ [٢] کربة: اندوہ گیر۔ [٣] شنفٌ: کان کا گوشوارہ (بالی)۔

[٤] مائدة: دسترخوان۔ [٥] جارة: پڑوسن۔ [٦] هَلُمَّ: آؤ، هَلُمَّ بشيئٍ: لاؤ۔

[٧] سمن: فربہی۔ [٨] معرّفٌ: اوصاف بیان کنندہ۔ [٩] محدّد: تعریف بیان کنندہ۔

[١٠] صيّرته: میں نے اس کو کیا۔ [١١] يقتنى: خرید کیا جاتا ہے۔ [١٢] مليح: عمدہ۔[مؤلف]

نَوْعٌ يُقْتَنٰى [۱۱] بِالدِّيْنَارِ،— وَ هُوَ النَّوْعُ الْقَبِيْحُ— وَنَوْعٌ يُهْدِيْهِ إِلَى الْجَارِ الْجَارُ،— وَ هُوَالنَّوْعُ الْمَلِيْحُ [۱۲]—. فَخَجِلَتْ زَوْجَتُهٗ مِنْ خِطَابِهٖ، وتَعَجَّبَتْ مِنْ سُرْعَةِ جَوَابِهٖ.

❁ اضافہ از قدیم نسخہ ❁

۱۔ سوالات کے جوابات بتلایئے۔

[۱] مضارع کن امور میں اسم فاعل سے مشابہ ہے؟۔

[۲] جو " أَنْ "مشتقات " عَلِمَ " کے بعد آئے وہ مضارع پر کیا اثر کرتا ہے؟۔

[۳] کلم المجازات کی تفصیل بیان کرو، اور بتاؤ کہ وہ کیا عمل کرتے ہیں؟۔

[۴] " إِنْ " شرطیہ کے بعد کس حالت میں " فاء " کا لانا واجب ہوتا ہے؟۔

[۵] افعال قلوب میں سے کون کون سے فعل کس وقت متعدی بیک مفعول ہوتے ہیں؟۔

[۶] ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ﴾ میں مضارع کا ناصب کون ہے؟۔

[۷] مَنْ وَجَدَ خَيْراً فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ میں لام پر جزم کیوں ہے؟۔

[۸] ﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِيْ السَّبْتِ﴾ میں " عَلِمَ " کا دوسرا مفعول کیوں نہیں آیا؟۔[۱]

[۹] ﴿وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُوْنَ﴾ میں "نِعْمَ" کا مخصوص بالمدح کون ہے؟۔

[۱۰] أَحْسِنْ بِزَيْدٍ میں " أَحْسِنْ " کیا کلمہ ہے اور اس کا فاعل کون ہے؟۔

۲۔ ذیل میں جن کلمات پر خط کھینچا گیا ہے ان کی کیفیت عمل بیان کرو۔

[۱] ﴿ذَرْهُمْ يَخُوضُوْا وَ يَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلَاقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ﴾.

[۲] ﴿لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِباً فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ﴾.

[۳] ﴿إِنْ تُقْرِضُوْا اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً يُضَاعِفْهُ لَكُمْ﴾.

[۴] اَلدُّنْيَا وَ الْآخِرَةُ ضَرَّتَانِ ، إِنْ أَرْضَيْتَ إِحْدٰهُمَا أَسْخَطْتَ الْأُخْرٰى.

[۵] ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ أُوْتُوْا نَصِيباً مِنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ إِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ﴾.

---

[۱] لِأَنَّهٗ بمعنى عَرَفْتُمْ [جلالین]۔ یہ یاد رہے کہ "عرف" میں معرفت کا تعلق چیز کی ذات سے ہوتا ہے، اور "علم" میں ذات وصفات: دونوں سے ہوتا ہے۔ [الزيادة و الاحسان فی علوم القرآن ج۸، وافی: ۱۴۰ ج ۲]

[٦] ﴿بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الإِيْمَانِ﴾. ﴿نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِيْنَ﴾.

[٧] ﴿مَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ﴾. ﴿أَسْمِعْ بِهِمْ وَ أَبْصِرْ﴾.

سبق ۔ ٦١

جمله كي تقسيم:

جملہ کی چار قسمیں ہیں:

١۔ جمله اسميه: جس کا پہلا جزء اسم ہو[١]، جیسے: زَيْدٌ قَائِمٌ۔

٢۔ جمله فعليه: جس کا پہلا جزء فعل ہو، جیسے: قَامَ زَيْدٌ۔[٢]

﴿**تنبيه**﴾: حرف چونکہ نہ مسند ہوتا ہے نہ مسند الیہ، اس لیے " يَا زَيْدُ، إِنَّ زَيْداً قَائِمٌ " میں حرف کا کچھ لحاظ نہ ہوگا، لیکن چونکہ حرف ندا قائم مقام " أَدْعُوْ " کے ہے اس لیے پہلا جملہ فعلیہ ہوا، اور دوسرا جملہ اسمیہ۔

٣۔ جمله ظرفيه: جس کا پہلا جزء ظرف[٣] اور دوسرا جزء مظروف ہو، جیسے: عِنْدِيْ مَالٌ۔

٤۔ جمله شرطيه: جس کے پہلے حرف شرط ہو اور دو جملوں سے مرکب ہو۔ جملۂ اول کو شرط کہتے ہیں، اور جملۂ ثانی کو جزا۔ یہ دونوں جملے، فعلیہ ہوتے ہیں، جیسے: إِنْ تُكْرِمْنِيْ أُكْرِمْكَ، یا ایک فعلیہ ہوتا ہے اور دوسرا اسمیہ، جیسے: إِنْ تَضْرِبْنِيْ فَأَنَا ضَارِبُكَ۔

××× **فائده**: اس تقسیم سے ظاہر ہے کہ در حقیقت جملہ کی دو قسمیں ہیں: ایک اسمیہ، دوم فعلیہ، ظرفیہ اور شرطیہ مستقل قسمیں نہیں ہیں، کیوں کہ ظرفیہ ایک طرح سے جملہ فعلیہ ہے[٤]، اور بقول بعض جملہ اسمیہ ہے، اور شرطیہ دو جملہ فعلیہ سے یا ایک فعلیہ اور

---

[١] پہلا جزء اسی وقت شمار ہوگا جبکہ وہ " مسند یا مسند الیہ " بھی واقع ہو۔ لہٰذا ﴿فَرِيْقاً كَذَّبْتُمْ﴾، أَيْنَ تَذْهَبُ؟، يَا زَيْدُ! جملہ فعلیہ ہیں [مغنی: ٦٧٣ ج ٢]۔

[٢] اصل ترتیب کے اعتبار سے پہلا ہونا مراد ہے، لہٰذا ﴿فَرِيْقاً كَذَّبْتُمْ﴾ ، أَيْنَ تَذْهَبُ؟ سے کوئی اشکال نہ ہوگا۔ [مغنی: ٦٧٣ ج ٢]۔

[٣] اگر پہلا جزء جار و مجرور ہو تو بھی جملہ ظرفیہ کہا جائے گا، جیسے: فِي الدَّارِ زَيْدٌ [مغنی: ٦٧٣ ج ٢]۔

[٤] یہ بصریین کا مذہب ہے جو "فعل" کو مقدر مانتے ہیں، کوفیین " شبہ فعل " کو مقدر مانتے ہیں، لہٰذا ان کے نزدیک جملہ اسمیہ ہوگا۔ [غایۃ التحقیق: ١٢١]

ایک اسمیہ سے مل کر بنتا ہے۔

جملہ خبریہ و انشائیہ :

مفہوم کے اعتبار سے جملہ کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ خبریہ: جس کے کہنے والے کو جھوٹا یا سچا کہہ سکیں، جیسے: جَاءَ أَحْمَدُ۔

۲۔ انشائیہ: جس کے کہنے والے کی طرف جھوٹ یا سچ کی نسبت نہ ہو سکے، جیسے: اِضْرِبْ۔ [پس جس جملہ میں کسی قسم کی خبر پائی جائے وہ جملہ خبریہ ہے اور جس میں کسی طرح کی خواہش پائی جائے وہ جملہ انشائیہ]۔

﴿**تنبیہ**﴾: جملہ انشائیہ میں امر، نہی، استفہام، تمنی، ترجی، عقود، ندا، عرض، قسم، تعجب، یا دعا میں سے کسی چیز کا ہونا ضروری ہے، بغیر اس کے جملہ انشائیہ نہیں ہو سکتا۔

سبق۔ ۶۲

جملہ انشائیہ کی تقسیم:

جملہ انشائیہ کی دس قسمیں ہیں:

۱۔ امر، جیسے: ﴿أَقِمِ الصَّلٰوةَ﴾ (نماز کا پابند رہ)۔

۲۔ نہی، جیسے: ﴿لَا تَرْفَعُوْا أَصْوَاتَكُمْ﴾ (اپنی آوازیں اونچی نہ کرو)۔

۳۔ استفہام، جیسے: ﴿ أَ إِنَّكَ لَأَنْتَ يُوْسُفُ﴾؟ (کیا آپ ہی یوسف ہیں؟)۔

٤۔ تمنی، جیسے: ﴿يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرَابًا﴾ (کاش کہ میں مٹی ہوتا)۔

٥۔ ترجی، جیسے: ﴿لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ﴾ (شاید کہ قیامت قریب ہو)۔

٦۔ عقود: وہ جملے جو کسی معاملہ [۳] کے انعقاد کے متعلق ہوں، جیسے: بِعْتُ، اِشْتَرَيْتُ، نَكَحْتُ، قَبِلْتُ وغیرہ، [اگرچہ ان میں فعل ماضی ہے مگر بسبب حاضریِٔ فریقین کذب کا احتمال باقی نہیں رہتا]۔

---

[۳] مثلاً: خرید و فروخت، بیع مضاربت اور سلم، اجارہ، وکالت، مزارعت، عاریت، رہن اور عقدِ نکاح وغیرہ۔

۷۔ ندا، جیسے: ﴿يَا يَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ﴾ (اے یحییٰ! کتاب کو مضبوط پکڑ)۔

۸۔ عرض: وہ جملہ جس میں کسی چیز کی درخواست نرمی سے کی جائے۔ جیسے: أَلَا تَنْزِلُ بِنَا فَتُصِيْبَ خَيْراً (آپ ہمارے یہاں کیوں نہیں ٹھیرتے کہ آپ کی بہتری ہو)۔

۹۔ قسم، جیسے: ﴿تَاللّٰهِ لَأَكِيْدَنَّ أَصْنَامَكُمْ﴾۔ (خدا کی قسم میں تمہارے بتوں پر ضرور ہی اپنا داؤ چلاؤں گا)۔

۱۰۔ تعجب، جیسے: ﴿قُتِلَ الإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهٗ﴾ (انسان ہلاک ہو، بڑا ہی ناشکرا ہے

دعا: جیسے: أَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ (اے اللہ! میری مغفرت فرما)۔

عوامل کا بیان

ملاحظہ: نحو میں سو عامل ہیں، بعض ان میں سے حروف ہیں، بعض فعل ہیں اور بعض اسم۔ علامہ عبد القاہر جرجانیؒ نے اپنی کتاب: مأۃ عامل [۱] میں ان کو تیرہ انواع میں تقسیم کیا ہے۔ کسی فاضل نے ان کو فارسی نظم میں منظوم کر دیا ہے۔[۲]

عامل اندر نحو صد باشد چنیں فرمودہ اند	شیخ عبد القاہر جرجانی پیر ہدا
معنوی از وے دو باشد، جملہ دیگر لفظی اند	باز لفظی شد سماعی و قیاسی، اے فتا!
زاں نود یک داں سماعی، ہفت دیگر بر قیاس	آں سماعی سیزدہ نوع است، بے روٴ و ریا

النوع الأول

نوعِ اول: ہفدہ حرفِ جر بود می داں یقیں	کاندریں یک بیت آمد جملہ بے چون وچرا
با و تا و کاف و لام و واو و مُنْذُ، مُذْ، خَلا	رُبَّ، حَاشا، مِنْ، عَدا، فِيْ، عَنْ، عَلٰی، حتّٰی، إِلٰی

النوع الثاني و الثالث

إِنَّ با أَنَّ، كَأَنَّ، لَيْتَ، لٰكِنَّ، لَعَل	ناصبِ اسم اند و رافع در خبر، ضدِ مَا و لَا

النوع الرابع

واو، يَا وهمزہ و إِلَّا، أَيَا و أَيْ، هَيَا	ناصبِ اسم اند پس ایں ہفت حرف، اے مقتدا!

[۱] علامہ عبد الرحمٰن جامیؒ نے اس کتاب کی شرح لکھی ہے، جس کا نام " شرح مأۃ عامل " ہے۔

[۲] حضرت مولانا مشتاق احمد چرتھاویؒ نے ان فارسی اشعار کا اردو نظم میں ترجمہ کیا ہے، جو آخر میں درج کر دیے گئے ہیں۔

النوع الخامس

أَنْ و لَنْ پس كَیْ، إِذَنْ ایں چار حرفِ معتبر	نصبِ مستقبل کنند ایں جملہ دائم اقتضا

النوع السادس

إِنْ ولَمْ، لَمَّا ولَامِ امر ولَائے نہی نیز:	پنج حرف جازمِ فعل اند ہر یک بے دغا

النوع السابع

مَنْ و مَا، مَهْمَا وأَیٌّ، حَيْثُمَا، إِذْمَا، مَتٰى	أَيْنَمَا، أَنّٰى : نُہْ اسم جازم آمد فعل را

النوع الثامن

ناصبِ اسمِ منکّر نوعِ ہشتم چار اسم	ہست، چوں تمیز باشد آں منکّر ہر کجا
اولیں لفظ "عشر" باشد مرکب با "أَحَد"	ہم چنیں تا تِسْع تِسْعِيْن برشمر ایں حکم را
باز ثانی كَمْ، چوں استفہام باشد نے خبر	ثالثِ ایشاں كَأَيِّنْ، رابعِ ایشاں كَذَا

النوع التاسع

نُہْ بود اسماء افعال کزاں شش ناصب اند	دُوْنَكَ، بَلْهَ، عَلَيْكَ، حَيَّهَلْ باشد و هَا
پس رُوَيْد۔ باز رافعِ اسم را هَيْهَات داں	باز شَتَّانَ ست و سَرْعَان، یاد گیر ایں بیتہا۔

النوع العاشر

نوعِ عاشر سیزدہ فعل اند کایشاں ناقص اند	رافعِ اسم اند و ناصب در خبر چوں "مَا ولَا"
كَانَ، صَارَ، أَصْبَحَ، أَمْسٰى و أَضْحٰى، ظَلَّ، بَاتَ	مَافَتٰی، مَادَامَ، مَاانْفَكَّ، لَيْسَ باشد از قفا
مَابَرِحَ، مَازَالَ وافعالِ کزیں ہاں مشتق اند	ہر کجا بینی ہمیں حکم ست در جملہ روا

النوع الحادی عشر

دیگر افعالِ مقارب در عمل چوں ناقص اند	ہست آں: كَادَ، كَرَبَ با أَوْشَكَ دیگر عَسٰى

النوع الثانی عشر

دیگر افعالِ یقین وشک بود، کآں بر دو اسم	چوں در آید ہر یک منصوب سازد ہر دو را
خِلْتُ باشد با عَلِمْتُ پس حَسِبْتُ با زَعَمْتُ	پس ظَنَنْتُ با رَأَيْتُ پس وَجَدْتُ بے خطا

النوع الثالث عشر

رافعِ اسماء جنس افعالِ مدح وذم بود،	چار باشد: نِعْمَ، بِئْسَ، سَاءَ آنگہ حَبَّذَا

العوامل القياسيه

بعدازاں ہفت قیاسی: اسم فاعل، مصدر ست	اسم مفعول و مضاف و فعل باشد مطلقا
پس "صفت" باشد کہ: آں مانندِ اسمِ فاعل ست	ہفتم: اسم تام باشد ناصبِ تمیز را

العوامل المعنویه

عاملِ فعلِ مضارع معنوی باشد بداں	ہم چنیں معنوی بود عامل یقیں در مبتدا

جملوں کی ترکیب کا بیان

١۔ هٰذَا نَبِيٌّ كَرِيْمٌ: (ترکیب) هٰذَا: اسم اشارہ **مبتدا**، نَبِيٌّ: **موصوف**، كَرِيْمٌ: **صفت**؛ موصوف اپنی صفت سے مل کر **خبر**، مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

٢۔ سَمِعَ الصَّبِيُّ كَلَاماً: (ترکیب) سَمِعَ: **فعل**، الصَّبِيُّ: **فاعل**، كَلَاماً: **مفعول بہ**؛ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

٣۔ سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ: (ترکیب) سَيِّدُ: **مضاف**، الْقَوْمِ: **مضاف الیہ**، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر **مبتدا**، خَادِمُ: **مضاف**، هُمْ: **مضاف الیہ**؛ مضاف سے مضاف الیہ مل کر **خبر**، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

٤۔ ﴿قُتِلَ الْاِنْسَانُ﴾: (ترکیب) قُتِلَ: **فعل مجہول**، الإِنْسَانُ: **نائب فاعل**؛ فعل مجہول اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

٥۔ خَرَجْتُ مَخَافَةَ الشَّرِّ: (ترکیب) خَرَجْتُ: **فعل با فاعل**، مَخَافَةَ: **مضاف**، الشَّرِّ: **مضاف الیہ**، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر **مفعول لہ**؛ فعل اپنے فاعل اور مفعول لہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

٦۔ ﴿كَانَ أَمْرُاللّٰهِ مَفْعُوْلًا﴾: (ترکیب) كَانَ: **فعل ناقص**، أَمْرُ: **مضاف**، اللّٰهِ: **مضاف الیہ**؛ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر "كان" کا اسم، مَفْعُوْلًا: "كان" کی خبر، فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

٧۔ ﴿إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾: (ترکیب) إِنَّ: **حرف مشبہ بالفعل**، اللّٰهَ: اس کا اسم، عَلٰى: **حرف جر**، كُلِّ: **مضاف**، شَيْءٍ: **مضاف الیہ**؛ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر

مجرور، جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق مقدّم ہوا "قَدِيْرٌ" کا، قَدِيْرٌ: شبہ فعل، اس میں ضمیر: اس کا فاعل، شبہ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر "إِنَّ" کی خبر؛ "إِنَّ" اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

۸۔ ﴿رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَباً﴾: (ترکیب) رَأَيْتُ: فعل بافاعل، أَحَدَ عَشَرَ: ممیز، كَوْكَباً تمیز؛ ممیّز اپنی تمیز سے مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا

۹۔ جَاءَ النَّاسُ كُلُّهُمْ: (ترکیب) جاءَ: فعل، النَّاسُ: مؤکَّد، كُلُّ: مضاف، هُمْ: مضاف الیہ؛ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر تاکید، مؤکد تاکید سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

ت]..... **۱۰۔** ﴿يَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ﴾: (ترکیب) يَا: حرف ندا قائم مقام "أَدْعُوْ" فعل با فاعل، حَسْرَةً: مصدر شبہ فعل، علٰى: حرف جار، الْعِبَادِ: مجرور، جار اپنے مجرور سے مل کر متعلقِ شبہ فعل؛ شبہ فعل اپنے متعلق سے مل کر: مفعول بہ، فعل اپنے فاعل، مفعول بہ سے مل کر جملہ انشائیہ: ندا۔ (جواب ندا مذکور نہیں ہے)

۱۱۔ ﴿أَوْحَيْنَا إِلٰى أُمِّ مُوْسٰى أَنْ أَرْضِعِيْهِ﴾: (ترکیب) أَوْحَيْنَا: فعل با فاعل، إِلٰى: حرف جار، أُمِّ: مضاف، مُوْسٰى: مضاف الیہ؛ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مجرور، جار اپنے جرور سے مجرور سے مل کر متعلقِ فعل، أَنْ: مصدریہ[۱]، أَرْضِعِيْ: فعل با فاعل، هٖ: مفعول بہ؛ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ بتأویل مصدر مفعول بہ ہوا "أَوْحَيْنَا" کا، فعل با فاعل، اپنے مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

۱۲۔ مَنْ وَجَدَ خَيْراً فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ: (ترکیب) مَنْ: موصولہ متضمن معنیٔ شرط، وَجَدَ: فعل اس میں ضمیر راجع بسوئے "مَنْ": فاعل، خَيْراً: مفعول بہ؛ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر صلہ، اسم موصول صلہ سے مل کر شرط، ف: جزائیہ، لِيَحْمَدْ: فعل بافاعل، اللّٰهَ: مفعول بہ؛ فعل با فاعل اپنے مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزاء، شرط اپنی جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

[۱] یہاں "أَنْ" تفسیریہ زیادہ مناسب ہے کیوں کہ "أَوْحَيْنَا" میں معنیٔ قول پایا جاتا ہے، معنیٔ قول کے بعد "أَنْ" تفسیریہ آتا ہے۔ (واللہ اعلم) أَوْحَيْنَا إِلٰى أُمِّ مُوْسٰى: مفسر، أَنْ أَرْضِعِيْهِ: تفسیر

فوائد متفرقہ ومفیدہ

صفحہ:۳۵/اور ۹۹/ سے متعلق:- **شبہ فعل**: جو مادہ فعل کو متضمن ہو اور عمل میں فعل کے مشابہ ہو، جیسے: اسم فاعل وغیرہ۔ **معنیٔ فعل**: جو مادہ فعل کو متضمن نہ ہو مگر معنیٔ فعل کو متضمن ہو، جیسے: حروف ندا، اسم اشارہ، جار و مجرور، ظرف، حروف مشبہ بالفعل وغیرہ۔[حاشیہ ہدایۃ النحو، حال کی بحث]

صفحہ:۱۲۹/ پر " أ " اور دیگر کلماتِ استفہام نیز صفحہ:۱۳۴/ پر " أم متصلہ " کے متعلق:

استفہام دو طرح کا ہوتا ہے، طلبِ تصور اور طلبِ تصدیق:

طلب تصور: یعنی جملے میں نفسِ حکم - خواہ مثبت ہو یا منفی - ثابت ہے؛ یہ معلوم ہوتا ہے، مستفہَم عنہ کی تعیین کا سوال کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے: مَنْ جاءَ؟، مَا أَكَلَ؟، مَتىٰ ذَهَبَ؟ ۔سائل کو پہلے جملہ میں آنے کا، دوسرے میں کھانے کا اور تیسرے میں جانے کا حکم معلوم تھا؛ مگر "کون آیا؟، کیا کھایا؟، کب گیا؟"؛ یہ معلوم نہیں اس لیے اس کا سوال کیا ہے۔

تنبیہ: طلبِ تصور کے استفہام کے جواب میں " نعم یا لا " کہنا درست نہیں ہے، بلکہ مستفہَم عنہ کی تعیین کرنا ضروری ہے۔

طلب تصدیق: یعنی جملے میں نفسِ حکم ثابت ہے یا نہیں؛ یہ معلوم نہیں ہوتا، اس کے ثابت ہونے یا نہ ہونے کا سوال کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے: أَ زَيْدٌ قَائِمٌ؟، هَلْ جَاءَ زَيْدٌ؟۔ سائل کو پہلے جملہ میں زید کے لیے کھڑے ہونے کا اور دوسرے میں آنے کا حکم معلوم نہیں تھا؛ اس کا سوال مقصود ہے۔

تنبیہ: طلبِ تصدیق کے استفہام کے جواب میں صرف " نعم یا لا " کہنا کافی ہو جاتا ہے۔

فائدہ: (۱)" هَلْ " حرفِ استفہام صرف طلبِ تصدیق کے واسطے استعمال ہوتا ہے۔

(۲) اسمائے استفہام: "مَنْ، مَا، أَيٌّ، متی، أين، كيف وغیرہ صرف طلبِ تصور کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

(۳)" **أ (ہمزہ)**"، حرفِ استفہام طلبِ تصدیق اور طلبِ تصور دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، لیکن طلبِ تصور کے وقت اس کے بعد معطوفین بہ حرفِ عطف: " أَمْ متصلہ "کا ہونا ضروری ہے، جیسے: أَ زَيْدٌ عِنْدَكَ أَمْ عَمْرٌو؟۔

تنبیہ: أَزَيْدٌ عِنْدَكَ أَوْ عَمْرٌو؟ (أَمْ کے بجائے أَوْ ہے، آپ کے پاس زید یا عمرو ہیں؟) یہ طلب تصدیق کے واسطے ہوگا، جواباً " لا " کہنے کا مطلب ہوگا: کوئی بھی میرے پاس نہیں ہیں، اور " نعم "کا مطلب ہوگا: جی ہاں؛ ہے، (یہاں تعیین مقصود نہیں ہے)۔ [خلاصہ: مفتاح البلاغہ شرح دروس البلاغہ:۶۲-۶۶، غایۃ التحقیق، مغنی اللبیب: ج:۱/۱۵، ج:۲/۳۴۹]

حروف کا بیان (نحوکی معجم صغیر، ماٴخوذ از مغنی اللبیب)

حروف کی دو قسمیں ہیں: ۱- عاملہ ۲- غیر عاملہ۔ ان دونوں کا مختصر بیان کتاب الصرف کے خاتمہ میں علاحدہ علاحدہ مذکور ہو چکا ہے، اس جگہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ بہ ترتیب حروف تہجی پھر لکھا جاتا ہے۔

﴿حرف الالف و الهمزه﴾

الف (ا): یہ حرف عربی زبان میں ہمیشہ ساکن **مستعمل** ہوتا ہے[۱] اور اکثر کلمات مبنیہ کے ساتھ آتا ہے، **جیسے**: ذَا، مَا وغیرہ۔

ہمزہ (أ): کئی معنوں میں **مستعمل** ہوتا ہے:

۱۔ ندائے قریب، جیسے: أَ فَاطِمُ مَهْلاً بَعْضَ هٰذا التَّدَ لُّلِ[۲]، **یعنی**: یَا فَاطِمَةُ!

۲۔ استفہامِ حقیقی، جیسے: أَ زَيْدٌ قَائِمٌ؟ ۔(طلبِ تصور و تصدیق کے واسطے، صفحہ ماقبل ملاحظہ ہو)

۳۔ استفہامِ انکاری/ ابطالی: اس کی دو صورتیں ہیں:[۳]

اول: ہمزہ کا مابعد مثبت ہو تو منفی کے معنی حاصل ہوں، **جیسے**: ﴿أَ يُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيْهِ مَيْتاً ؟!﴾، أَيْ: لَا يُحِبُّ۔

دوم: ہمزہ کا مابعد منفی ہو تو مثبت کے معنی حاصل ہوں، **جیسے**: ﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾، أَيْ: شَرَحْنَا صَدْرَكَ، [**ان دو مقاموں میں** "ہمزہ" **کے لانے سے اس کے مابعد کا ابطال مقصود ہے**]۔

۴۔ استفہامِ تقریری: یعنی مخاطب سے ایسی بات کا اقرار کروانا جو متکلم کا مظنون [یعنی اس کے نزدیک ثابت شدہ] ہو، جیسے: أَ ضَرَبْتَ زَيْداً؟۔[۴]

---

[۱] اور بے ضغطۂ زبان ادا ہوتا ہے، بخلاف ہمزہ (أ) وہ متحرک ہوتا ہے، اگر ساکن ہو تو ضغطۂ زبان سے ادا ہوتا ہے، [پنج گنج]

[۲] دوسرا مصرع یہ ہے: وَإِنْ كُنْتِ قَدْ أَزْمَعْتِ صَرْمِي فَأَجْمِلِيْ ۔ مهلاً: **فعل محذوف کا مفعول مطلق**، بعض ......**فعل محذوف** کا مفعول بہ، مصرع ثانی شرط و جزاء ہے [اوضح المسالک: ق: ۴۵۵]۔ اے فاطمہ! جلدی نہ کر اور یہ ناز نخرے چھوڑ دے اور اگر تو نے مجھ سے علاحدگی کا قصد کر لیا ہے تو عمدگی کے ساتھ (سوچ سمجھ کر) کر لے۔

[۳] **ایک قسم** استفہام توبیخی ہے۔ انکاری اور توبیخی میں فرق ہے: **انکاری مقتضی** ہے کہ حکم کا وقوع ابھی تک نہیں ہوا ہے، اس لیے مثبت کے بعد منفی اور منفی کے بعد مثبت کا معنی حاصل ہوتا ہے، مذکورہ مثالوں میں اکل لحم میت کا پسند کرنا ماضی میں پایا نہیں گیا، اسی طرح عدم شرح صدر کا وقوع بھی نہیں پایا گیا ہے (یعنی شرح صدر ہو گیا ہے)۔ **توبیخی مقتضی** ہے کہ حکم واقع ہو چکا ہے، اسی لیے فاعل کو اس کے کیے ہوئے کام پر زجر و توبیخ، اظہارِ افسوس اور ملامت کی جاتی ہے، **جیسے**: أَتَعْبُدُوْنَ

ت]..... ❁أَجَل :حرف جواب ہےاور" نَعَمْ " کے مانند کلام سابق کی تقریر کے لیے آتا ہے،لہٰذا خبر کے بعد تصدیق اور استفہام کے بعد جواب کے واسطے مستعمل ہوگا؛ خواہ کلام مثبت ہو یا منفی ۔[۱][مغنی:۲۰ج۱،کافیہ]

﴿فائدہ﴾: اکثر نحویوں نے اِن دونوں میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ:خبر کے بعد" أَجَلْ" کا استعمال اور استفہام کے بعد" نَعَمْ " کا استعمال احسن ہے۔[۲]

❁إِذْ، إِذَا : دونوں لازم الاضافت ہیں۔[سبق:۴۲میں گذر چکا][شرح ابن عقیل:۲۴۶]

❁إِذْمَا: حرفِ شرط ہےاور" إِنْ " شرطیہ جیسا عمل کرتا ہے،جیسے:إِذْمَا دَخَلْتَ عَلَى الرَّسُوْلِ فَقُلْ لَهٗ حَقّاً۔[سبق:۵۷میں گذر چکا]

❁إِذَنْ: فعل مضارع کا ناصب اور جواب[۳] و جزاء[۴] کے واسطے مستعمل ہوتا

مَا تَنْحِتُوْنَ [مغنی:۱۷ج۱]۔

[۴] جس کا اقرار کروانا مطلوب ہووہ" أ " کے بعد لایا جاتا ہے،مثلا:فاعل کا مطلوب ہوتو "أَ أَنْتَ فَعَلْتَ" ،اور مفعول کا مطلوب ہوتو "أَ زَيْداً ضَرَبْتَ" کہا جائے گا[مغنی:۱۸ج۱]۔اس استفہام کے معنی کا سمجھنا متکلم کے طرز تکلم پر موقوف ہے،مثلاً:تونے زید کو مارا؟ نا، تونے ہی یہ کیا؟ نا، تونے زید ہی کو مارا؟ نا۔[واللہ اعلم]

[۱] قَامَ زَيْدٌ / مَا قَامَ زَيْدٌ کے بعد" نَعَمْ "کہنا اس خبر کی تصدیق کرنا ہے کہ جی ہاں:آپ صحیح کہہ رہے ہیں:زید کھڑا ہے/کھڑا نہیں ہے۔ أَقَامَ زَيْدٌ ؟/ أَمَا قَامَ زَيْدٌ ؟:استفہام کے جواب میں" نَعَمْ "کہنا اس استفہام کا جواب دینا ہے کہ جی ہاں:زید کھڑا ہے/کھڑا نہیں ہے[مغنی:۳۴۶ج۲]،یہی مقصد" أجل "سے بھی حاصل ہوتا ہے۔

[۲] صاحب کافیہ نے" أَجَلْ "کو صرف تصدیق خبر کے لیے فرمایا ہے۔

[۳] جواب ہونے کا مطلب ہے کہ جملۂ إِذَنْ کلام سابق پر مرتب ہورہا ہے،اس سے کلام میں تقویت وتاکید مقصود ہوتی ہے(جس طرح جوابِ استفہام استفہام پر مرتب ہوتا ہے،اس سے تحقیق وتاکید مقصود ہوتی ہے)،(لہٰذا إِذَنْ ابتدائے کلام میں مستعمل نہیں ہوتا[ہدایۃ النحو:حاشیہ])، بلکہ کسی سوال-کلام سابق- کے جواب میں مستعمل ہوتا ہے،جو عبارتِ سابق میں کبھی صراحۃً مذکور ہوتا ہے،کبھی اس سے متولد ہوتا ہے۔ پہلے کی مثال،جیسے:مَاذَا تَفْعَلُ ؟ لَوْ صَادَفْتَ بَائِساً، إِذَنْ أَبْذُلَ طَاقَتِيْ فِيْ تَخْفِيْفِ بُؤْسِهٖ (اگر آپ کسی مصیبت زدہ کو دیکھ لیں تو کیا کریں گے؟، تب تو میں اس کی مصیبت کے ہلکا کرنے کی سعی کروں گا)۔ دوسرے کی مثال،جیسے:سَأُغْضِيْ عَنْ هَفْوَتِكَ، إِذَنْ أَعْتَذِرَ عَنْهَا (میں تو آپ کی لغزش پر چشم پوشی کرتا رہوں گا،تب تو میں معذرت چاہتا ہوں)۔گویا متکلم یوں کہتا ہے:" سَأُغْضِيْ عَنْ هَفْوَتِكَ فَمَاذَا تَفْعَلُ؟ " ، اور مخاطب اس کے جواب میں کہتا ہے:"إِذَنْ أَعْتَذِرَ عَنْهَا "۔[خلاصہ:وافی:۳۰۹ج۴،جامع الدروس:۱۶۹ج۲،موسوعۃ النحو]

ہے[۱]، جیسے: أَسْلِمْ، إِذَنْ تَدْخُلَ الْجَنَّةَ۔[سبق:۵۵ میں گذر چکا]

أَلْ (الف لام): اس کی تین قسمیں ہیں: ۱۔حرفِ تعریف[۲]، ۲۔اسمِ موصول، ۳۔زائد۔ **۱۔قسم اول چار معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔**

ت]..... ۱۔عہد خارجی: جس کا مدخول کلام سابق میں صراحۃً یا کنایۃً مذکور ہو اور متکلم و مخاطب کو معلوم ہو، جیسے: جَاءَ الْأَمِیْرُ[۳]۔ [کشف الظلام، وافی:۴۲۴ ج۱]

[۴] جزاء ہونے کا مطلب یہ کہ جملۂ "إِذَنْ" اثر ہے اور کلام سابق مؤثر ہے، یا کلام سابق سبب ہے اور جملۂ إِذَنْ مسبب ہے، یا جملۂ إِذَنْ کلام سابق کے ساتھ مشروط ہے۔[وافی:۳۰۹ ج۴، جامع الدروس:۱۶۹ ج۲، موسوعہ النحو:۳۸]

[۱] کبھی إِذَنْ "لَوْ" کے بعد اور "إِنْ" شرطیہ کے بعد جواب "لَوْ" اور جزائے شرط کے پہلے تاکید کے واسطے بھی مستعمل ہوتا ہے، جیسے: لوزرتني إذنْ أكرمتُك، إنْ جئتني إذنْ أُكرمُك۔[رضی:۴۰ ج۴، وافی:۳۱۵ ج۴]

[۲] "أل" تعریف کی اولاً دو قسمیں ہیں: **اوّل عہدی:** اس کی تین قسمیں ہیں: ۱/عہد خارجی (اس کو عہد ذکری بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ کلام سابق میں صراحۃً یا کنایۃً مذکور ہوتا ہے)، ۲/عہد ذہنی، یہ دونوں کتاب میں مذکور ہیں، ۳/عہد حضوری: جو فردِ موجود، فردِ حاضر یا فردِ مشارالیہ پر دلالت کرتا ہے، جیسے: خَرَجْتُ الْیَوْمَ، خُذِ الْکِتَابَ وَالْقَلَمَ وَ الْکُرَّاسَةَ، جَاءَ هٰذا الرَّجُلُ وغیرہ۔ **دوم جنسی:** اس کی بھی تین قسمیں ہیں: ۱/جنسی، ۲/استغراق حقیقی، یہ دونوں قسمیں کتاب میں مذکور ہیں، ۳/استغراق مجازی: جس سے افرادِ جنس میں پایا جانے والے کسی وصف کا مجموعہ مراد ہو، جیسے: أَنْتَ الرَّجُلُ عِلْماً (آپ علم میں کامل و مکمل مرد ہیں)، یعنی جس قدر علم تمام افرادِ رجل میں پایا جاتا ہے وہ سب علم آپ میں پایا جاتا ہے، یہ بطور مبالغہ اور مجاز کے استعمال ہوتا ہے[وافی]۔﴿ذالك الكتاب لا ريب فيه﴾ اس میں یہ "ال" مراد ہے۔

فائدہ: "ال" عہدی کی تینوں قسمیں لفظاً و معناً معرفہ کے حکم میں ہیں، اور "أل" جنسی کی تینوں قسمیں لفظاً معرفہ ہیں مگر معناً نکرہ کے حکم میں ہیں، لہٰذا ان کے بعد آنے والے جملہ کو لفظ کی رعایت کرتے ہوئے ان کا "حال" بنانا اور معنی کی رعایت کرتے ہوئے ان کی "صفت" بنانا درست ہے۔ [رسالہ لامیہ فصول اکبری، وافی، مغنی:۵۰ ج۱]

سوال: معرفہ بالف لام جنسی یا استغراقی، جیسے: الرجل، الفرس، الإمرأة وغیرہ معناً نکرہ کے حکم میں ہیں اور رجل، فرس، إمرأة وغیرہ اسمائے نکرات بھی معناً نکرہ ہیں؛ ان دونوں میں کیا فرق ہوا؟۔

جواب: مقید و غیر مقید کا فرق ہے، اسماءِ نکرہ غیر مقید کے حکم میں ہیں اور معرفہ بالف لام جنسی و استغراقی مقید کے حکم میں شمار ہوتے ہیں، لہٰذا نکرہ کے معنی میں کوئی وصف یا معنوی خصوصیت ملحوظ نہیں ہوتی، جیسے: اُنصر إمرأة مظلومة میں مطلق (بلا قید کے) کوئی بھی عورت مراد ہوگی، کوئی وصف یا خوبی مثلاً: ایمانی، اسلامی، علمی، اخلاقی یا رشتہ داری وغیرہ ملحوظ نہ ہوگی اور "احترم المرأة (باللام الجنس أو الإستغراقي) میں عورت متعین نہیں ہے مگر ذہن میں کوئی وصف یا خوبی ملحوظ ہوگی ہے جو باعث اکرام ہے، اس کا سیاق وسباق یا قرائن سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔[جامع الدروس: ص:۱۴۹، ج:۱]

[۳] یہ اس وقت ہے جب کہ شہر میں ایک امیر مشہور و معروف ہو، لہٰذا قرینۂ حالیہ کلام سابق میں مذکور ہونے پر دال ہے، یا صراحۃً بصورتِ نکرہ مذکور ہو، جیسے: ﴿کَمَا أَرْسَلْنَا إِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا، فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ﴾ یا کنایۃً مذکور

ت]۔۔۔۔۔**۲۔عہد ذہنی: جس کا مدخول زمانۂ سابق میں مذکور ہو**[۱] **اور متکلم ومخاطب کے ذہن میں ہو، جیسے:**﴿أَخَافُ أَنْ يَّأْكُلَهُ الذِئْبُ﴾، ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾۔[ایضاً][۲]

۳۔ جنسی: جس سے مراد جنس ہو، جیسے:اَلرَّجُلُ أَفْضَلُ مِنَ الْمَرْأَةِ۔[۳]الرجال قوامون علی النساء

ہو، جیسے:وَ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثٰى ،اس کے پہلے﴿إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ﴾ ہے،اس میں "ما" سے مراد مذکر ہے کیوں کہ بیت المقدس کی خدمت کے لیے مذکر کی نذر مانی جاتی تھی۔[کشف الظلام فی تحقیق الالف واللام، وافی:۴۲۳ج ۱]

[۱] یہ 'ال' زمانۂ سابق کے تاریخ یا واقعات میں مدخول کے مذکور ہونے پر دلالت کرتا ہے۔[وافی:۴۲۴]

[۲] **الف لام عہد ذہنی:** کے حکم کے متعلق کتبِ نحو سے دو مختلف قول سمجھ میں آتے ہیں: **۱**۔اس کے مدخول کا زمانۂ سابق میں تذکرہ پایا جاتا ہے، خواہ وہ تذکرہ لوگوں میں پایا جائے یا تاریخ میں؛ اس میں کا فردِ واحد مراد ہوتا ہے خواہ وہ فردِ واحد مفروض ہو، جیسے: ﴿أَخَافُ أَنْ يَّأْكُلَهُ الذِئْبُ﴾ یا واقعی ہو جیسے: ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾، اس اعتبار سے یہ لفظاً اور معناً معرفہ ہوگا۔[مفہوماً: وافی، المعجم المفصل فی النحو، دلیل السالک سرح الفیہ]، **۲**۔اس کا کوئی بھی ایک غیر معین فرد ذہنی ہوتا ہے، اس اعتبار سے لفظاً معرفہ اور معناً نکرہ ہوگا جیسے الف لام جنسی کا حکم ہے۔[مفہوماً: اشمونی شرح الفیہ، جامع الدروس:۱۴۹ ج۱، التسہیل السامی]۔اسی وجہ سے اس شعر:وَلَقَدْ أَمُرُّ عَلَى اللَّئِيْمِ يَسُبُّنِيْ ❁ فَمَضَيْتُ ثَمَّةَ وَقُلْتُ لَايَعْنِيْنِيْ میں "اللَّئِيْم" کو لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے ذوالحال اور "يسبني" جملہ کو حال بنانا درست ہے، اور معنیٰ کا اعتبار کرتے ہوئے "موصوف" و" صفت" کی ترکیب بھی (بوجہ مطابقت در تنکیر) درست ہے۔[جامع الدروس:۱۴۹، ج:۱] مجھے گالی دینے والے کمینہ کے پاس سے جب میرا گذر ہوتا ہے تو میں (جی میں) یہ کہتے ہوئے وہاں سے گذر جاتا ہوں کہ اس نے مجھے مراد نہیں لیا ہے۔ کشف الظلام میں پہلا قول علمائے نحات کا بتلایا ہے اور دوسرا علمائے بیان وبلاغت کا۔

[۳] **نکرہ اور اسم جنس:** بعض نحات نے نکرہ اور اسم جنس کو ایک کہا ہے، کیوں کہ دونوں میں کوئی فرد متعین نہیں ہوتا ہے۔ وافی: ج۱/ ۲۰۹، ۲۸۸، مگر بعض نحویین نے کچھ فرق بتلایا ہے: (۱) اسم جنس باعتبارِ وضع عمومِ (شمولِ) افراد پر دلالت کرتا ہے۔ ☆اسمِ نکرہ باعتبارِ وضع مطلقاً (غیر معین) فردِ واحد دلالت کرتا ہے اور علی سبیل البدلیت (یکے بعد دیگرے) متعدد افراد بھی شامل ہو سکتے ہیں، مثلاً: رأيتُ رجلاً میں نے ایک مرد دیکھا، تھوڑے وقفہ کے بعد کسی دوسرے مرد کو دیکھا تو اس کے لیے بھی کہیں گے: رأيتُ رجلاً، پھر ایک اور مرد کو دیکھا تو بھی کہیں گے: رأيتُ رجلاً، تینوں میں لفظِ "رجلاً" سے الگ الگ تین فردِ رجل کے لیے یکے بعد دیگرے استعمال ہوا۔ اسی وجہ سے نکرہ کا جب تکرار ہو تو بعد والے نکرہ سے فردِ اول کے علاوہ دوسرا فرد مراد ہوا کرتا ہے اور معرفہ کا جب تکرار ہو یا نکرہ کا تکرار "ال" کے ذریعہ ہو تو دوسرے سے فردِ اول ہی مراد ہوتا ہے، فإن مع العسر يسراً إن مع العسر يسراً کی تفسیر ملاحظہ کر لیجیے۔ (۲) اسم نکرہ میں اس کی ماہیت وحقیقت پر حکم لگانا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ ایک غیر معین فرد پر حکم مقصود ہوتا ہے، یہ وجودِ خارجی پر دلالت کرتا ہے۔ ☆اسم جنس میں اس کی ماہیت اور حقیقت پر حکم لگانا مقصود ہوتا ہے، جیسے الف لام جنسی میں ہوتا ہے، اس کا تعلق وجودِ ذہنی سے ہے، لہٰذا اس کے موجود فی الخارج افراد میں سے کسی فرد میں حکم نہ پایا جائے یہ ممکن ہے، کیوں کہ اس میں افراد پر حکم لگانا مقصود نہیں ہوتا، جیسے: الشجر مورقٌ درخت کی ماہیت اور حقیقت میں پتّہ دار ہونا ہے، مگر یہ ممکن ہے خارج میں کوئی درخت موسمِ خزاں کی وجہ سے پتّہ دار نہ ہو۔ اسی طرح: الرجلُ أقوىٰ من المرأة جنسِ مرد جنسِ عورت سے قوی ہے، مگر یہ ممکن ہے خارج میں کوئی عورت مرد سے قوی پائی جائے۔

۴۔ استغراقی: جو تمام افراد کو شامل ہو، جیسے: اَلإِنْسَانُ حَیَوَانٌ۔ [۱]

۲۔ اسم موصول: جب کہ اسم فاعل اور اسم مفعول پر داخل ہو، جیسے: اَلضَّارِبُ وَ الْمَضْرُوْبُ۔

۳۔ زائد[۲]: جب کہ اَعلام پر آئے، جیسے: اَلْحَسَنُ وَ الْخَلِیْلُ وغیرہ۔

أَلَا (بفتح الہمزہ وتخفیف اللام): کئی معنوں میں مستعمل ہوتا ہے:

۱۔ تنبیہ (تاکید)، جیسے: ﴿أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ﴾، ﴿أَلَا يَوْمَ يَأْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفاً عَنْهُمْ﴾[۳]۔ ۲۔ توبیخ وانکار، جیسے: أَلَا زَيْدٌ قَائِمٌ؟!۔

ت]....۳۔ تمنی: یہ جملہ اسمیہ پر آتا ہے، اور "لا" عمل کرتا ہے، جیسے: أَلَا سَبِيْلَ إِلٰى خَمْرٍ فَأَشْرَبَهَا۔[۴]

۴۔ عرض: یعنی کسی چیز کو نرمی سے مانگنا، جیسے: ﴿أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾، اور تحضیض یعنی کسی چیز کو سختی سے طلب کرنا[۵]، جیسے: ﴿أَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْماً نَكَثُوْا أَيْمَانَهُمْ﴾۔[۶]

حقیقت و ماہیت کا مطلب: مثلاً انسان کی ماہیت وحقیقت اس کے مدلول میں پائے جانے والے اعضاء واجزا مع ان کی خصوصیات سے مرکب ایک خاص شکل وصورت ہے۔ اسی طرح درخت کی ماہیت اس کی شاخیں اور پتے مع ان کی خصوصیات سے مرکب شکل ہے، اسی طرح حمار، فرس، کتاب وغیرہ میں ان کی ماہیت وحقیقت ان کے مدلولات میں پائے جانے والے اجزا مع ان کی خصوصیات سے بنی ہوئی ان کی شکلیں اور صورتیں ہیں، ظاہر ہے ان کلمات کو سنتے ہی -آئینہ میں نظر آنے کے مانند- ان کی یہی حقیقت ہمارے ذہنوں میں آجاتی ہیں، اس کو وجودِ ذہنی کیا جاتا ہے، مگر ظاہر ہے وجودِ ذہنی کا حسی مشاہدہ خارج میں جنس کے افراد کے ماتحت ہی ہوسکتا ہے، اس لیے اسم جنس کے میں بارے میں " ما دل على أكثر من اثنين " آیا ہے، اور بصریین کے نزدیک "الکلم" جمع نہیں بلکہ اسم جنس ہے، ما تركب من ثلثة كلماتٍ فأكثر کو کہتے ہیں۔

[۱] قرآن مجید میں ہے: ﴿خُلِقَ الإِنْسَانُ ضَعِيْفاً﴾، ﴿إِنَّ الإِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ﴾۔

[۲] یعنی مفید تعریف نہ ہو، بلکہ کسی اور غرض سے لایا گیا ہو، مثلاً: تحسین وتزیین، عوض، تفاؤل، اظہار اصلیت وغیرہ۔ یہ کبھی لازم ہوتا ہے، ۱- جیسے: اَللّٰهُ، ﴿اسئل القرية﴾، (حسن الوجهِ)، اول میں حرف محذوف کے عوض میں ہے، اصل میں اِلٰہٌ ہے، ثانی میں مضاف محذوف کے عوض میں ہے، اصل میں أهل قريةٍ ہے، ثالث میں مضاف الیہ محذوف کے عوض میں ہے، (اصل میں حَسَنٌ وَجْهُهٗ ہے)، ۲- اللّات، العزّٰى، الَّذين میں منقولاً مستعمل ہے۔ کبھی غیر لازم ہوتا ہے، ۱- جیسے: طِبْتَ النَّفْسَ اصل میں "نفساً"، تمیز ہے جو نکرہ ہوا کرتی ہے، ضرورت شعری کے لیے لایا گیا ہے ۲- الحسن، الخليل، القاسم، الفضل وغیرہ اعلام پر تفاؤل کے لیے یا اسم کی اصلیت پر دلالت کے لیے لایا گیا ہے۔ [خلاصہ از: شرح ابن عقیل: ۱۱۸، کشف الظلام]۔

[۳] پہلی مثال جملہ اسمیہ پر داخل ہونے کی، دوسری جملہ فعلیہ پر داخل ہونے کی ہے [مغنی: ۶۸ ج ۱]۔

[۴] رضی: ۲۰۳ ج ۲، شرح ابن عقیل: ۲۰۵]۔ [۵] عرض اور تحضیض میں تھوڑا فرق ہے۔ عرض: کسی کام

❁ أَلَّا (بفتح الهمزة وتشديد اللام)[۱]: حرف تحضیض ہے، اور جملہ فعلیہ سے مختص ہے؛ خواہ فعل لفظا ہو یا تقدیرا[۲]، ۱۔ مضارع پر عرض و تحضیض کے واسطے آتا ہے ،جیسے: أَلَّا تُصَلِّيْ؟، أَلَّا تَتُوْبُ مِنْ ذَنْبِكَ؟[۳]۔ [جامع الدروس۲۶۰ج۳]

۲۔ ماضی پر زجر وتوبیخ کے واسطے آتا ہے، جیسے: أَلَّا دَرَسْتَ؟۔[وافی:۵۱۴ج۴]

❁ إِلَّا (بکسر الهمزة وتشديد اللام): کئی معنوں میں مستعمل ہوتا ہے:

۱۔ استثناء، جیسے: ﴿فَشَرِبُوْا مِنْهُ إِلَّا قَلِيْلًا﴾۔

۲۔ صفت بمعنی "غیر"[۴]، جیسے: ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾، أَيْ: اٰلِهَةٌ غَيْرُ اللّٰهِ۔ ۳۔ عطف، جیسے: ﴿لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ﴾، أَي: وَ لِلَّذِيْنَ......۔[۵]

کے کرنے یا چھوڑنے کی اس طرح ترغیب دلانا جس میں نرمی اور مہربانی ہو، لہٰذا عرض والے کلام میں نرم کلمات کا استعمال ہوگا، اور دبی آواز سے بات کی جائے گی۔ تحضیض: کسی کام کے کرنے یا چھوڑنے کی زوردار ترغیب دلانا، لہٰذا تحضیض میں پرشوکت کلمات کا استعمال ہوگا، اور آواز میں بھی قوت اور سختی ہوگی۔[وافی:۵۱۲، ۳۶۹ج۴،]

[۶]عرض و تحضیض: دونوں معنوں میں " أَلَّا " مضارع پر آتا ہے۔[وافی:۵۱۳ج۴ جامع الدروس العربیۃ:۲۶۰ج۳]

[۱]اس کے سوا اور بھی "أَلَّا" ہیں مگر وہ مرکب ہیں، مثلا: (۱) " أَنْ " مصدریہ اور " لا " نافیہ سے، اس کے بعد مضارع منصوب ہوتا ہے، جیسے: أَوَدُّ أَلَّا تُسَافِرَ فِي الشِّتَاءِ (میں چاہتا ہوں کہ آپ سردی کے موسم میں سفر نہ کریں)۔ (۲) " أَنْ " مخففہ اور " لا " نافیہ سے، اس کے پہلے فعل متعدی ہوتا ہے، جیسے: عَرَفْتُ أَلَّا بُدَّ مِنَ الْخُضُوْعِ لِلْاِمْتِحَانَاتِ الرَّسْمِيَّةِ (مجھے پتہ ہے کہ سرکاری امتحانات کے لئے بہت پابند رہنا پڑتا ہے)۔ (۳) " أَنْ " تفسیریہ اور " لا " نہی سے، یہ فعلِ نہی کے ساتھ ہوتا ہے، جیسے: ﴿أَلَّا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ﴾[المعجم المفصل في النحو:۲۲۲ج۱]

[۲]فعل مقدر کی تفسیر مابعد والا فعل کرے گا، جیسے: أَلَّا النَّبِيْلَ الْوَدِيْعَ تُصَاحِبُهٗ، ای: أَلَا تُصَاحِبُ النَّبِيلَ الوديعَ تُصَاحِبهٗ (شریف اور سنجیدہ مرد کی صحبت میں تو کیوں نہیں رہتا)[وافی:۵۱۳ج۴]۔ نوٹ:- یہاں ما اضمر عاملہ علی شرط التفسیر کی بحث کو ایک نظر پھر ملاحظہ کر لینا چاہیے۔ [۳]اپنے گناہوں سے توبہ کیوں نہیں کرتا؟؟!!۔

[۴]یہ اس وقت ہوگا جب کہ ۱- استثناء کا معنی مراد لینا متعذر رہو، -مثلاً: مستثنی منہ (موصوف) جمع یا مشابہ جمع ہونے کے ساتھ نکرہ یا مشابہ نکرہ اور غیر محصور واقع ہو، جیسے: مثال مذکور میں ہے، یہاں استثناء کا معنی عقیدۂ توحید کے خلاف ہے یا اثبات وحدانیت کے خلاف ہے، لہٰذا " غَيْر " مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر- آلِهَةٌ -موصوف کی صفت واقع ہے، ۲- یا استثناء کا معنی منظور ہی نہ ہو، جیسے: النَّاسُ هَلْكٰى إِلَّا الْعَالِمُوْنَ، أَيْ: النَّاسُ غَيْرُ الْعَالِمِيْنَ هَلْكٰى [مستفاد از جامع الدروس العربیۃ:۱۳۸ج۳، شرح ابن عقیل حاشیہ حلاوی:۳۹۵، التسهيل السامی، " غَيْـر "، بھی میں ملاحظہ ہو]۔ لا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ میں بھی إِلَّا بمعنی غَيْر ہے[ہدایۃ النحو]، یعنی غَيْرُ اللّٰهِ مگر یہاں " غَيْر " إِلٰهَ: محل موصوف کے اعراب

❁إِلٰی: حرف جر ہے، اور مندرجہ ذیل معنوں میں **مستعمل** ہوتا ہے:

۱۔ انتہاءِ غایت[۱] **کے واسطے خواہ زمانی ہو، جیسے:** ﴿أَتِمُّوْا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ﴾، **خواہ مکانی ہو، جیسے:** ﴿أَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلاً مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى﴾۔

۲۔ معیّت، جیسے: ﴿لَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَهُمْ إِلٰى أَمْوَالِكُمْ﴾۔

۳۔ مرادفِ لام، جیسے: ﴿اَلْأَمْرُ إِلَيْكِ﴾۔

٤۔ موافقتِ ظرفیت (بمعنی "فِيْ")، جیسے: ﴿لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾۔

۵۔ بمعنی "عِنْدَ"، جیسے: أَشْهٰى إِلَيَّ مِنَ الرَّحِيْقِ السَّلْسَلِ۔[۲]

❁أَمْ: حرف عطف ہے، اور کئی معنوں میں **مستعمل** ہوتا ہے:

۱۔ متصلہ: جبکہ اس کا مابعد اس کے ماقبل سے مربوط ہو[۳] **اور ہمزۂ استفہام حقیقی یا ہمزۂ تسویہ اس کے پہلے ہو، جیسے:** أَ زَيْدٌ عِنْدَكَ أَمْ عَمْرٌو؟۔[جامع الدروس:۲۴۷ج۳، مغنی:۴۱ج۱]

کے تابع ہے جو اصلاً مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔

[۵] یہ امام اخفش اور امام فرا کا قول ہے، مغنی۔ الناس سے مستثنیٰ ہے، جلالین۔

[۱] غایت سے مراد "مسافت" ہے، اور یہ تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے: ۱- نقطۂ ابتدا ۲- نقطۂ انتہاء ۳- دونوں کے درمیان کا وقت یا جگہ۔[وافی:۴۶۸ج۲، "حتّٰی" میں بھی ملاحظہ ہو]

[۲] پورا شعر اس طرح ہے: أَمْ لَا سَبِيْلَ إِلَى الشَّبَابِ وَ ذِكْرُهٗ ❁ أَشْهٰى إِلَيَّ ...... (بلکہ نوجوانی کے لوٹنے کی کوئی سبیل نہیں ہے، حالاں کہ اس کا ذکر میرے نزدیک خالص شراب سے زیادہ خوش گوار ہے۔[اشمونی: ق۵۳۷]

[۳] یعنی کلام کا معنی ومفہوم صرف ماقبل (معطوف علیہ) کو ذکر کرنے سے درست نہ ہو بلکہ ماقبل و مابعد (معطوف علیہ و معطوف) دونوں کے ذکر کرنے سے درست ہو[وافی:۵۹۳ج۳]۔ **فائدہ**: ہمزۂ استفہام ہونے کی صورت میں طلب تصور مقصود ہوتا ہے جو تعیینِ جواب کا محتاج ہوتا ہے، لہٰذا "نعم/ لا" سے جواب دینا درست نہ ہوگا، اور ہمزۂ تسویہ ہونے کی صورت میں طلب تصور و تصدیق مقصود نہیں ہوتا بلکہ معطوفین میں تسویہ حکم کی خبر دینا مقصود ہوتا ہے، لہٰذا جواب کا محتاج نہ ہوگا، اس وقت "أَمْ" دو جملوں کے درمیان میں ہوا کرتا ہے خواہ دونوں اسمیہ ہوں، یا فعلیہ ہوں، یا ایک: اسمیہ اور دوسرا: فعلیہ، یہ دونوں جملے دو مفرد کی تاویل میں ہوں گے، جیسے: ﴿سواء عليهم أ أنذرتهم أم لم تنذرهم﴾ أَيْ: "إِنْذَارُهُم وَعَدَمُ إِنْذَارِهِمْ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ"۔[وافی، مغنی]، طلبِ تصور و تصدیق کے واسطے صفحہ ۱۲۸/ ملاحظہ فرمائیں۔

نوٹ۱:- "أَمْ" کے آنے سے جہاں مساوات اور برابری جیسا معنی حاصل ہوں وہاں جو ہمزہ ہوتا ہے وہ ہمزۂ تسویہ کہا جاتا ہے۔[رضی:۴۳۶ج۴، وافی:۵۸۵ج۳] اور استفہامِ حقیقی کی یہاں پہچان یہ ہے کہ معطوفین کے بجائے "أيهما" سے سوال درست ہوتا ہو۔ **نوٹ۲**:- طلب تصدیق و طلب تصور کی تفصیل ص:۱۲۸ پر ملاحظہ ہو۔

۲۔ منقطعہ: جو اس کے خلاف ہو[۱]، جیسے: ﴿...أَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ﴾۔(رعد)

❁ **أَمَـا** (بفتح الھمزۃ وتخفیف المیم): **یہ " أَلَا " کے معنی میں تنبیہ (تاکید) کے واسطے آتا ہے، اور اکثر اس کے بعد قسم ہوتی ہے، جیسے:** أَمَا وَ اللّٰهِ لَوْ تَجِدِيْنَ وَجْدِيْ ......۔[رضی:۴۴۹ج۴]

❁ **أَمَّا** (بالفتح والتشدید)[۲]: **یہ کئی معنوں میں آتا ہے:**

۱۔ شرط[۳]، جیسے: ﴿فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَ سَعِيْدٌ فَأَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ......، وَ أَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ﴾۔

۲۔ تفصیل[۴]، جیسے: جَاءَنِي زَيْدٌ وَ عَمْرٌو وَ بَكْرٌ: أَمَّا زَيْدٌ فَضَرَبْتُهُ وَأَمَّا عَمْرٌو فَأَكْرَمْتُهُ وَأَمَّا بَكْرٌ فَأَعْرَضْتُ عَنْهُ، **اس صورت میں " أَمَّا " کا تکرار ضروری ہے۔**[۵]

۳۔ کبھی شروع کلام میں تاکید کے واسطے آتا ہے[۶]، اس سے کوئی تفصیل مقصود

---

[۱] یعنی مابعد ماقبل سے نہ مربوط ہو اور نہ ہمزۂ استفہام حقیقی اس کے پہلے ہو، اس کے علاوہ کوئی اور چیز آسکتی ہے، مثالِ مذکور میں " هل " آیا ہے، اور ﴿أَ لَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُوْنَ بِهَا ، أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُوْنَ بِهَا﴾ میں ہمزۂ استفہام انکاری ہے، اور ﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ أَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرَاهُ﴾ استفہام بھی نہیں ہے، بلکہ خبر کے بعد آیا ہے، استفہام تقریری بھی آسکتا ہے[وافی: ۵۹۸ ج۳]۔ منقطعہ دو جملوں کے درمیان تو آیا کرتا ہے مگر احد الامرین کی تعیین کے واسطے نہیں ہوتا، بلکہ اضراب (کلام سابق سے اعراض) کے واسطے ہوتا ہے۔ مابعد میں کبھی صرف اضراب پایا جاتا ہے، استفہام مقصود نہیں ہوتا اور وہ خبر کی حیثیت رکھتا ہے، جیسے: ﴿...... أَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ﴾، إِنَّهَا لَإِبِلٌ أَمْ هِيَ شَاةٌ کو بھی بعض نے اس کی مثال قرار دیا ہے، کبھی اضراب استفہام انکاری کو متضمن ہوتا ہے، جیسے: ﴿......أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَ لَكُمُ الْبَنُوْنُ﴾ أَيْ: بَلْ أَلَهُ الْبَنَاتُ، کبھی استفہام حقیقی کو متضمن ہوتا ہے، جیسے: إِنَّهَا لَإِبِلٌ أَمْ هِيَ شَاةٌ؟ أَيْ: بَلْ أَ هِيَ شَاةٌ؟[مغنی:۴۴ج۱، وافی:۶۰۰ ج۳، ابن عقیل]۔ اضراب کی تفصیل "بلْ" میں ملاحظہ ہو۔

[۲] ﴿أَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ میں "أَمَّا" مرکب ہے " أَمْ "منقطعہ اور " مَا " استفہامیہ سے۔[مغنی:۵۹ج۱]۔

[۳] "شرط" کے معنی کے وقت اگر ماقبل میں اجمال ہو تو تفصیل کا بھی معنی پایا جائے گا، جیسے: مثال مذکور میں شرط اور تفصیل دونوں ہیں، اگر ابتدائی کلام ہو تو تاکید کا معنی مراد ہوگا، جیسے: أَمَّا زيدٌ فمنطلقٌ میں معنی شرط و تاکید ہے[از: رضی:۵۰۴ج۴، وافی:۵۰۵ج۴]۔ [۴] یہ اس وقت ہوگا جب کہ کلام سابق میں اجمال پایا جاتا ہو[رضی:۵۰۴ج۴]۔

[۵] لیکن اگر کوئی مستغنی پایا جائے تو "أَمَّا" کا ترکِ تکرار - مع مابعدہ - بھی جائز ہے، جیسے: فأَمَّا الذين في قلوبهم زيغٌ[آل عمران] میں "وأَمّا غيرهم"، اور فأَمّا الذين آمنوا [النساء] میں " أَمَّا الذين كفروا فلهم كذا و كذا " متروک ہے۔[مغنی:۵۷ج۱] [۶] " أَمَّا " تاکید یعنی غیر یقینی حکم (جزا) کو یقینی شرط کے ساتھ معلق کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے تاکہ غیر یقینی حکم یقینی اور قطعی بن جائے، اسی وجہ سے " أَمَّا " "إِنْ يَكُنْ مِنْ شَيْءٍ يا مَهْمَا

نہیں ہوتی ،:، جیسے: أَمَّا بَعْدُ......، أَمَّا زَيْدٌ فَمُنْطَلِقٌ۔

❁ إِمَّا (بالکسر والتشدید)[۱]: حرف عطف کئی معنوں میں مستعمل ہوتا ہے:[۲]

۱۔ شک[۳]، جیسے: جَاءَ نِيْ إِمَّا زَيْدٌ وَ إِمَّا عَمْرٌو۔[۴]

۲۔ تخییر[۵]، جیسے: ﴿إِمَّا أَنْ تُعَذِّبَ وَ إِمَّا أَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْناً﴾۔

۳۔ تفصیل[۶]، جیسے: ﴿إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ إِمَّا شَاكِراً وَ إِمَّا كَفُوْراً﴾۔[۷]

تنبیہ: بعض نحویین کے نزدیک "إِمَّا" مرکب ہے "إِنْ" و "مَا" سے۔ کبھی "ما" حذف ہوکر "إِنْ" رہ جاتا ہے، جیسے: إِنْ مِنْ صَيِّفٍ، أَيْ: إِمَّا مِنْ صَيِّفٍ۔[۸]

❁ إِنْ (بالکسر والتخفیف): کئی معنوں میں آتا ہے:[۹]

۱۔ شرط: اس وقت جزا کا محتاج ہوتا ہے، جیسے: ﴿إِنْ يَنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ﴾۔

يَكُنْ مِنْ شَيْءٍ" کے معنی میں ہوتا ہے، ظاہر ہے بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کا وقوع یقینی ہیں تو جزا کا وقوع بھی یقینی ہوجائے گا، لہٰذا اس کی اصل عبارت إِنْ يَكُنْ مِنْ شَيْءٍ فَزَيْدٌ مُنْطَلِقٌ ہے (کچھ بھی ہوجائے، زید تو چلنے والا ہی ہے)، چوں کہ یہاں شرط والا فعل دیگر شرائط کی طرح مقصود بالذات نہیں نیز یہ طول موجب ثقل بھی ہے، اس لیے إِنْ يكن من شيء کو حذف کردیا گیا، اور جزاء کے جزءِ اول کو شرط محذوف کا قائم مقام کردیا گیا، پس أَمَّا زيدٌ فمنطلقٌ ہوگیا۔ [مغنی: ۵۸ ج۱، وافی: ۵۰۴ ج۴، توضیح النحو فی اجراءِ قواعد النحو، رضی: ۵۰۴ ج۴، ہدایۃ النحو: ۲۳ مفہوماً]

[۱] ﴿إِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ﴾ میں "إِمَّا" مرکب ہے "إِنْ" شرطیہ اور "مَا" زائدہ سے۔ [مغنی: ۶۱ ج۱]

[۲] یہ مکرر آتا ہے، کیوں کہ: "اِمَّـا" میں اول وہلہ سے شک وغیرہ معنوں کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، یہ تکرار اسی پر دلالت کرتا ہے، لیکن کوئی مستغنی پایا جائے تو "أَمَّا" کے مانند اس میں بھی ترکِ تکرار جائز ہے۔ [مغنی: ۶۱ ج۱]

[۳] **شک**: یعنی متکلم کو ثبوتِ حکم میں تذبذب ہونا، لہٰذا یہ مثال اس وقت صحیح شمار ہوگی جب کہ زید اور عمرو میں سے کسی ایک کا آنا قطعی طور معلوم نہ ہو۔ [مغنی: ۶۰ ج۱]۔ [۴] اکثر نحویین نے دونوں "إِمَّا" کو زائدہ کہا ہے، اور "واو" کو عاطفہ قرار دیا ہے۔ [وافی: ۶۱۳ ج۳، مغنی: ۵۹، ۶۰ ج۱]۔ [۵] یعنی دو چیزوں میں سے صرف ایک کو پسند کرنا۔

[۶] یعنی ما قبل میں جو اجمال پایا جاتا ہے اس کی توضیح، تقسیم یا انواع واقسام بیان کرنا۔ [وافی: ۶۰۶ ج۳]

[۷] نمبر **۴۔** اباحت کے واسطے آتا ہے، (یعنی ایک چیز کو، یا دونوں کو پسند کرنا)، جیسے: إِمْنَحِ السَّائِلَ إِمَّا دِرْهَماً وَ إِمَّـا دِيْنَـاراً۔ (سائل کو درہم یا دینار دیجیے)۔ **۵۔** ابہام کے واسطے آتا ہے، (یعنی متکلم کو حکم معلوم ہو مگر سامع پر مخفی رکھنا چاہتا ہو) جیسے: ﴿إِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَ إِمَّا يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ﴾۔ [وافی: ۶۱۲ ج۳، مغنی: ۶۰ ج۱]

[۸] یہ مثال شعر سے ماخوذ ہے، شعر یہ ہے: سَقَتْـهُ الـرَّوَاعِدُ مِنْ صَيِّفٍ ❁ وَإِنْ مِـنْ خَـرِيْفٍ. فَلَـنْ يَعْـدَمَـا (أَيْ: إِمَّـامِنْ صَيِّفٍ وَإِمَّـامِنْ خَرِيْف) [رضی: ۴۲۹ ج۴]۔ اس (پہاڑی بکرے) کو خواہ موسم گرما کے بادل ہوں خواہ موسم خزاں کے بادل ہوں، دونوں نے سیراب کیا، پس وہ سیرابی سے محروم نہ ہونے پائے گا۔

۲۔ نفی: جیسے: ﴿إِنِ الْكَافِرُوْنَ إِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ﴾، ﴿قُلْ إِنْ أَدْرِيْ أَقَرِيْبٌ أَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ﴾۔[۱]

۳۔ مخففہ إِنَّ مثقلہ سے: اس وقت خبر پر "لام" تاکید مفتوحہ آتا ہے،[۳] **جیسے:** ﴿إِنْ كُلٌّ لَّمَا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ﴾[۲]، ﴿إِنْ هٰذَانِ لَسَاحِرَانِ﴾۔ [کافیہ: فی جواز الغاء العمل]

أَنْ (بالفتح والتخفیف): کئی معنوں میں آتا ہے:[۴]

ت]....**۱۔ مصدریہ جیسے:** ﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖ إِلَّا أَنْ قَالُوْا﴾، **اگر مضارع پر داخل ہو تو نصب بھی دیتا ہے، جیسے:** ﴿أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ﴾۔ [مغنی:۲۷ج۱]

۲۔ زائدہ، جیسے: ﴿لَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيْرُ﴾۔ یہ متعدد جگہوں میں آتا ہے۔[مغنی:۳۳ج۱]

إِنَّ - أَنَّ: [سبق:۱۶/۱میں گذر چکا]

أَيْنَ، أَنّٰى: کلمہ ظرف ہیں اور استفہام مکان کے واسطے آتے ہیں، جیسے: ﴿يَا مَرْيَمُ أَنّٰى لَكِ هٰذَا﴾[سبق:۴۲، ۵۷میں گذر چکا]

---

[۹] تین کے علاوہ نمبر **٤۔** زائدہ یا وصلیہ بھی ہوتا ہے، یہ متعدد جگہوں پر آتا ہے۔[مغنی:۲۵ج۱، وافی:۴۳۷ج۴]

[۱] جملہ اسمیہ وفعلیہ دونوں پر آتا ہے، مثالوں سے ظاہر ہے۔[مغنی:۲۳]۔ [۲] ابنِ عامر، عاصم اور حمزہ: تینوں ائمہؒ "لَمَّا" بالتشدید پڑھتے ہیں، باقی قراء "لَمَا" بالتخفیف پڑھتے ہیں[البدور الزاہرہ: یٰسین]۔ **پہلی صورت میں** "إِن" نافیہ اور "لَمَّا" "إِلَّا" کے معنی میں ہوگا، اور دوسری صورت میں "إِن" مخففہ من المثقلہ اور "لَمَا" میں "ما" زائدہ ہوگا۔

[۳] اگر "إِنْ" مخففہ من المثقلہ کا لفظی عمل باقی رہے تو خبر پر "لام" کا ہونا ضروری نہیں ہے[وافی:۶۷۳ج۱]

[۴] **۱، ۲۔** مصدریہ اور زائدہ: جو کتاب میں مذکور ہیں۔ **۳۔** مخففہ أَنَّ مثقلہ سے: اس کا اسم - ضمیر الشان - محذوف ہوتا ہے، اور خبر بصورت جملہ ہوتی ہے، جیسے: ﴿أَيَحْسَبُ أَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ﴾، ﴿أَشْهَدُ أَنْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ﴾۔ عامۃً یہ ایسے افعال کے بعد ہوتا ہے جو علم ویقین پر دلالت کرتے ہوں۔[وافی:۶۷۸ج۱، مغنی:۳۰ج۱]۔ **٤۔ تفسیریہ:** اس کے پہلے جملہ ہوتا ہے جو معنیٔ قول پر مشتمل ہوتا ہے اور اس کے بعد بھی ایک جملہ، جیسے: ﴿نَادَيْنَاهُ أَنْ يَّا إِبْرٰهِيْمُ ......﴾۔

نوٹ: (۱) اگر "أَنْ" کے پہلے جملہ نہ ہو تو وہ "أَنْ" تفسیریہ نہ ہوگا بلکہ "أَنْ" مخففہ من المثقلہ ہوگا، جیسے: ﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [وافی:۲۹۵ج۴، مغنی]۔ (۲) "أَنْ" تفسیریہ "أَيْ" تفسیریہ کے مانند مفرد اور جملہ دونوں کی تفسیر نہیں کرتا ہے، بلکہ ماقبل میں مذکور فعل کے مفعول کی تفسیر کرتا ہے خواہ وہ مفعول مقدر ہو، جیسے: ﴿نَادَيْنَاهُ (شَيْئًا) أَنْ يَّا إِبْرٰهِيْمُ﴾ یا ظاہر ہو، جیسے: ﴿أَوْحَيْنَا إِلٰى أُمِّكَ مَا يُوْحٰى أَنِ اقْذِفِيْهِ﴾[رضی:۴۶۹ج۴]۔

❁أَوْ: حرف عطف ہے اور "یا" کے معنی دیتا ہے، خبر میں شک کے واسطے آتا ہے [۱]، جیسے: ﴿لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾، اور انشاء میں [۲] تخییر کے واسطے [۳]، جیسے: تَزَوَّجْ هِنْداً أَوْ أُخْتَهَا۔

فائدہ: جب ایک چیز کا عطف دوسری چیز پر "أَوْ" سے کیا جائے تو معطوف علیہ کے صدر میں "إِمَّا" آسکتا ہے، جیسے: جَاءَ نِيْ إِمَّا زَيْدٌ أَوْ عَمْرٌو۔

ت]..... ❁إِيْ (بالکسر): "نَعَمْ" کے مانند حرف جواب ہے، مگر حرف قسم کے ساتھ آتا ہے، مثلاً: إِيْ وَاللّٰهِ، قرآن مجید میں ہے: ﴿أَ حَقٌّ هُو ؟ قُلْ: إِيْ وَ رَبِّيْ﴾ [۴]۔ [مغنی:۷٦ج۱]

❁أَيْ (بالفتح):

۱۔ کبھی ندا کے واسطے آتا ہے، جیسے: أَيْ زَيْدُ !۔

۲۔ کبھی تفسیر کے واسطے، خواہ مفرد کی ہو، جیسے: عِنْدِيْ عَسْجَدٌ أَيْ: ذَهَبٌ، خواہ جملہ کی ہو [از مغنی:۷٦ج۱]، جیسے: سَقَطَ زَيْدٌ فِيْ عَيْنِيْ، أَيْ: ذَلَّ (زید میری نگاہوں سے گرگیا، یعنی: ذلیل ہوگیا)۔

❁أَيٌّ (بالفتح والتشدید): یہ اسم لازم الاضافت ہے [۵]۔ [سبق:۵۷ میں گذرچکا]

---

[۱] یا ابہام کے واسطے، جیسے: أُسَافِرُ غَداً أَوْ بَعْدَ غَدٍ۔ یا تقسیم وتفصیل کے واسطے، جیسے: اَلْكَلِمَةُ: اِسْمٌ أَوْ فِعْلٌ أَوْ حَرْفٌ [رضی:۴۲۱ج۴]۔ ﴿قَالُوْا سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُوْنٌ﴾، ﴿قالوا كونوا هوداً أو نصارىٰ﴾۔ [مغنی:٦۵ج۱]

[۲] "أَوْ" اگر نفی یا نہی کے بعد ہو تو اباحت اور تخییر مقصود نہیں ہوتی، اس وقت نفی میں عموم مراد ہوگا، جیسے: ﴿وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِماً أَوْ كَفُوْراً﴾ [وافی:٦١١ج۳]

[۳] یا اباحت کے واسطے، جیسے: تَعَلَّمِ الْفِقْهَ أَوِ النَّحْوَ [رضی:۴۲۱ج۴]۔ اور بھی چند معنوں میں آتا ہے، مثلاً: بمعنی "إِلىٰ" یا "إِلَّا"، اس وقت اس کے بعد مضارع منصوب ہوتا ہے، جیسے: لَأَلْزَمَنَّكَ أَوْ تُعْطِيَنِيْ حَقِّيْ، (میں تیرے پیچھے پڑا رہوں گا تا آں کہ مجھ کو میرا حق دیدے، قرآن مجید میں ہے: ﴿أَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً﴾ [رضی:۴۲۴ج۴]۔ بمعنی "بَلْ"، جیسے: ﴿...... كَلَمْحِ بَالْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ﴾۔ [رضی:۴۲۱ج۴]

[۴] صاحب کافیہ نے استفہام کے ساتھ اس کے استعمال کو خاص کیا ہے۔

[۵] أَيٌّ چند معنوں میں آتا ہے، مثلاً: ۱۔ شرطیہ: یہ جزم دیتا ہے، جیسے: أَيّاً مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنىٰ۔ ۲۔ موصولہ: یہ صلہ کا محتاج ہوتا ہے اور ہمیشہ معرفہ کی طرف مضاف ہوتا ہے، جیسے: ﴿لَا تَدْرُوْنَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ

۞أَيَا: **حرف ندا ہے، جیسے**:أَيَا مَنَازِلَ سَلْمٰى! أَيْنَ سَلْمَاكِ؟۔

﴿حرف الباء﴾

۞باء: **یہ حرف کئی معنوں میں مستعمل ہوتا ہے**:

۱۔ الصاق واتصال[مجرور کے ساتھ کوئی چیز ملی ہوئی ہے]، **جیسے**: مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، بِهِ دَاءٌ۔

۲۔ استعانت[مجرور کسی چیز کے لیے ذریعہ/ وسیلہ بن رہا ہے]، **جیسے**: كَتَبْتُ بِالْقَلَمِ۔

۳۔ سببیت، جیسے:۞﴿إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمِ الْعِجْلَ﴾۞۔

٤۔ مصاحبت[مجرور کسی کے ساتھ تعلق فعل میں شریک ہے]، **جیسے**:خَرَجَ زَيْدٌ بِعَشِيْرَتِهٖ۔

۵۔ مقابلہ ومبادلہ[مجرور کسی چیز کا عوض بن رہا ہے]، **جیسے**:بِعْتُ الْفَرَسَ بِمِائَةِ دِيْنَارٍ۔

٦۔ تعدیہ، جیسے:ذَهَبْتُ بِزَيْدٍ۔

۷۔ ظرفیت، جیسے:جَلَسْتُ بِالْمَسْجِدِ۔

۸۔ بمعنی "مِنْ"، جیسے:۞﴿عَيْناً يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ﴾۞

۹۔ قسم، جیسے: بِاللّٰهِ لَأَفْعَلَنَّ كَذَا۔

۱۰۔ زائد: قیاسی جو نفی یا استفہام کی خبر میں آئے[۱]، **جیسے**: لَيْسَ زَيْدٌ بِشَاعِرٍ۔

نَفْعاً﴾۞ ۔**۳۔ استفہامیہ**: یہ نہ جزم دیتا ہے، نہ صلہ کا محتاج ہوتا ہے، **جیسے**:۞﴿فَبِأَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ﴾۞ ۔**٤۔ کمالیہ/ صفتیہ**: یہ نکرہ کے بعد ہوتا ہے اور اسی نکرہ کی طرف مضاف ہوتا ہے اور اسکی صفت واقع ہوتا ہے، **جیسے**: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ أَيِّ رَجُلٍ (میں کامل ومکمل مرد کے پاس سے گذرا)[وافی:۳٦۵ج۱]۔ معرفہ کے بعد بھی آتا ہے، اس وقت حال واقع ہوگا، **جیسے**:مَرَرْتُ بِزَيْدٍأَيَّ فَتىً (میں زید کے پاس سے گذرا دراں حالیکہ وہ بھرپور نوجوان تھا)[شرح ابن عقیل:۳۵۰]۔ **نوٹ**:"أَيٌّ" موصولہ کے استعمال کی چار صورتیں ہیں: ان میں سے صرف ایک صورت میں مبنی علی الضم ہوتا ہے، باقی تین صورتوں میں معرب ہوتا ہے۔[ملاحظہ ہو روایۃ النحو شرح ھدایۃ النحو]

[۱] اور بھی چند مقامات میں زائد آتا ہے، (ان میں سے اکثر سماعی ہیں یا ضرورت پر محمول ہیں، مثلا: فاعل، مفعول، مبتدا، خبر وغیرہ۔ فاعل کے پہلے، **جیسے**:۞﴿كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْداً﴾۞،أَحْسِنْ بِزَيْدٍ۔ مفعول کے پہلے، **جیسے**:۞﴿لَا تُلْقُوْا بِأَيْدِيْكُم﴾۞۔ مبتدا کے پہلے، **جیسے**: بِحَسْبِكَ دِرْهَمٌ[مغنی:۱۰٦ج۱، رضی:۲۸۸ج۴]۔ **نوٹ**:-حروف جارہ زائدہ متعلق کے محتاج نہیں ہوتے ہیں، ان کا مدخول گو لفظا مجرور ہوتا ہے مگر عامل کے مطابق محلِ اعراب میں سمجھا جائے گا۔[وافی:۴۵۱ج۲، مغنی:۴۴۰ج۲]

❁ بَلْ: حرفِ اضراب ہے[۱]، [جو پہلی چیز (معطوف علیہ) سے اعراض اور دوسری چیز (معطوف) کے اثبات کے واسطے آتا ہے]، جیسے: جَاءَ نِيْ زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو، یعنی: بَلْ جَاءَ نِيْ عَمْرٌو۔

ت]..... ❁ بَلٰی: حرف جواب ہے، اور کلام منفی سے مختص اور اس کے ابطال کے واسطے آتا ہے، اور اس کی دو صورتیں ہیں: [مغنی: ۱۱۳ ج ۱، ہدایۃ النحو]

۱۔ کلام استفہام سے خالی ہو، جیسے: ﴿زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا أَنْ لَنْ يُّبْعَثُوْا قُلْ: بَلٰى﴾۔

۲۔ کلام استفہامی ہو؛ خواہ استفہام حقیقی ہو، جیسے: أَلَيْسَ زَيْدٌ بِقَائِمٍ؟ کے جواب میں کوئی کہے: "بَلٰى"، خواہ توبیخی ہو، جیسے: ﴿أَمْ يَحْسَبُوْنَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰهُمْ ؟ بَلٰى﴾۔ استفہام انکاری

﴿حرف التاء﴾

❁ تاء: یہ حرف کئی معنوں میں آتا ہے:

۱۔ قسم: اس وقت لفظ " الله " سے مختص ہوگا، جیسے: تَاللّٰهِ۔ (یہ حرفِ جار ہے)

۲۔ حرف خطاب آخر اسماء میں، جیسے: أَنْتَ، أَنْتِ۔[۲]

---

[۱] اضراب کا مطلب یہ ہے کہ معطوف علیہ حکم کے اعتبار سے مسکوت عنہ ہے یعنی اس کا حکم کلام میں مذکور نہیں ہے، (گویا کلام اس سے خاموش ہے، لہٰذا معطوف کے لیے جو حکم ثابت ہو اس کی ضد معطوف علیہ کے لیے ثابت نہیں کی جائے گی)۔ اضراب کا یہ مفہوم اس وقت ہوگا جب کہ " بَلْ " کا ماقبل کلام مثبت ہو۔ اگر کلام منفی ہو تو " بَلْ " بمعنی " لٰكِنْ " ہوگا اور معطوف علیہ کے لیے منفی حکم علی حالہ باقی رہے گا اور معطوف کے لیے اس کی ضد یعنی مثبت حکم ثابت ہوگا، جیسے: مَا ضَرَبْتُ زَيْداً بَلْ خَالِداً (زید کو میں نے نہیں مارا، بلکہ خالد کو مارا)۔[وافی: ۶۲۵ ج ۳، مغنی: ۱۱۲ ج ۱، شرح ابن عقیل:]

" بَلْ " کے بعد معطوف "مفرد" ہو تب ہی وہ حرف عطف ہوتا ہے، اگر اس کے بعد " جملہ " ہو تو وہ حرف عطف نہ ہوگا، بلکہ حرفِ ابتدا شمار ہوگا اور مابعد مستقل کلام ہوگا (اعراب میں کسی کا تابع نہ ہوگا)۔ اس صورت میں یہ اضرابِ ابطالی یا انتقالی کا فائدہ دیتا ہے۔ **اضراب ابطالی:** یعنی جملۂ سابق کے حکم کو باطل اور لغو قرار دینا اور دوسرا حکم بیان کرنا، جیسے: ﴿قَالُوْا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَداً سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُوْنَ﴾۔ **اضرابِ انتقالی:** یعنی جملۂ سابق کی غرض (موضوع) سے ہٹ کر کوئی دوسری بات بیان کرنا، جیسے: ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى...... بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾۔[وافی: ۶۲۵، ۶۲۳ ج]۔ اس اضراب سے جملۂ لاحق کی طرف خاص توجہ دلانا مقصود ہوتا ہے۔[رضی: ۴۴۷ ج ۴]

[۲] یہاں اصل ضمیر تو " أَنْ " ہے اور " ت " مخاطب کے صیغوں پر دلالت کرتی ہے۔[جامع الدروس العربیہ: ۱۹۹ ج ۱]

۳۔ ضمیر: افعال کے آخر میں، جیسے: ضَرَبْتَ، ضَرَبْتِ، ضَرَبْتُ۔

﴿حرف الثاء﴾

❁ ثُمَّ (بالضم): حرف عطف ہے[۱]، اور تین چیزوں کا خواستگار ہے: ۱- معطوف کا معطوف علیہ کے حکم میں اشتراک ۲- ترتیب[۲] ۳- مہلت[۳]، جیسے: جَاءَ نِي زَيْدٌ ثُمَّ عَمْرٌو (میرے پاس زید آیا، پھر تھوڑی دیر کے بعد عمرو آیا)۔[۴]

❁ ثَمَّ (بالفتح): اسم ظرف ہے اور مکان بعید کی طرف اس سے اشارہ کیا جاتا ہے، جیسے: ﴿وَأَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ﴾۔

﴿حرف الجیم﴾

ت]......] ❁ جَيْرِ: "نَعَمْ" کے مانند حرف جواب ہے، مگر صرف خبر کی تصدیق کے واسطے[۵] مستعمل ہوتا ہے، خواہ مثبت ہو یا منفی۔[حبیبیہ]

﴿حرف الحاء﴾

❁ حَاشَا: اس کا استعمال تین طرح سے ہے:

۱۔ حرف جار بمعنی استثناء، جیسے: جَاءَ الْقَوْمُ حَاشَا زَيْدٍ۔

۲۔ فعل: اس کا فاعل ضمیر مستتر ہوتی ہے اور مفعول کو نصب دیتا ہے، جیسے: رَأَيْتُ النَّاسَ مَا حَاشَا قُرَيْشاً[۶]۔[شرح مأۃ عامل]

---

[۱] "ف"، اور "ثُمَّ" مکرر دو جملوں کے درمیان آئے تو وہاں دونوں عاطفہ مہملہ ہوگا یعنی ان کے معنی کا لحاظ نہیں ہوگا، اس سے پہلے جملے کی تاکید مقصود ہوتی ہے، جیسے: كلا سوف تعلمون ثم كلا سوف تعلمون۔[وافی: ۵۳۶ ج ۳]

[۲،۳] ترتیب اور مہلت کا مطلب "ف" عاطفہ میں ملاحظہ ہو۔

[۴] مذکورہ معنی کے علاوہ کبھی مستانفہ ہوتا ہے اور ایسے جملہ پر آتا ہے جس کا ماقبل سے تعلق منقطع ہو، جیسے: ﴿ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْأَةَ الْاٰخِرَةَ﴾ [مغنی: ۳۸۴ ج ۲، موسوعہ: ۲۸۷]۔ استیناف کی تفصیل "واو" میں ملاحظہ ہو۔ نوٹ:- جملوں میں کبھی "ثُمَّ" معطوف علیہ اور معطوف کے مضمون کے مابین استبعاد اور دوری بتلانے کے واسطے آتا ہے، جیسے: ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ﴾، یہ تراخی کا ایک مجازی معنی ہے۔[رضی: ۴۱۳ ج ۴]

[۵] لہٰذا مستخبر کو اس کے استفہام کا جواب "جَيْرِ" سے نہیں دیا جائے گا۔[ہدایۃ النحو: بین السطور]

[۶] دوسرا مصرع یہ ہے: فَإِنَّا نَحْنُ أَفْضَلُهُمْ فِعَالاً، یہاں "رَأَيْتُ" کا دوسرا مفعول بہ "دُوْنَنَا" محذوف ہے

۳۔ اسم: بمعنی " تَنْزِیْهٌ "[۱]، جیسے:﴿حَاشَا لِلّٰهِ ما عَلِمنا علَیْهِ من سُوْءٍ﴾ ۔[۲]

حتّٰی : کئی معنوں میں آتا ہے:[۳]

۱۔ جارہ: انتہائے غایت کے واسطے[۴]، جیسے:نِمْتُ الْبَارِحَةَ حَتَّی الصَّبَاحِ۔

۲۔ عاطفہ: بمعنی" مع"[۵]، جیسے:مَاتَ النَّاسُ حَتیَّ الْأَنْبِیَاءُ۔

۳۔ بمعنی" کَــیْ " [۶]،اس وقت مضارع کو بتقدیر" أَنْ " نصب دیتا ہے[۷]، جیسے:أَسْلَمْتُ حَتیّٰ أَدْخُلَ الْجَنَّةَ۔

[شرح شواہد ابن عقیل]۔ حاشا: فعل بافاعل مع مفعول بہ محلامنصوب "الناس" سے حال واقع ہے[وافی:۳۵۴ ج۲]۔ میں نے بجز قریش تمام لوگوں کو ہم سے کم تر پایا، کیوں کہ ہمارے کارنامے ان سے بڑھ کر ہیں۔

[۱]اسم ہونے کی دلیل یہ ہے کہ "حَاشاً لِلّٰهِ" تنوین کے ساتھ بھی قراءت آئی ہے[الزیادۃ والاحسان فی علوم القران:۸۸،۲۴۱ج۸]۔اس صورت میں یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق واقع ہوگا،اور تقدیری عبارت" أُنَزِّهُ تَنْزِیْهاً لِلّٰهِ " ہوگی۔ **فائدہ:** عربوں میں مروج ہے کہ:جب کسی کو عیوب سے بری کرنا مقصود ہوتو پہلے اللہ تعالی کی پاکی بیان کرتے ہیں، پھر فرد معہود کی براءت ظاہر کرتے ہیں، بنابریں یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے[وافی:۳۶۰ ج۲]۔ بعض نحات فرماتے ہیں کہ "حاشا" اسم فعل بمعنی فعل ماضی ہے جو" بَرِئَ، تَنَزَّهَ " کے معنی میں ہے،اور" لِلّٰهِ" میں "لام" زائدہ ہے،اور "الله" فاعل ہونے کی وجہ سے محلِ رفع میں ہے[وافی:۳۶۰ ج۲]۔

[۲] یہ ابوعمرو بصری کی قراءت ہے،باقی قرّاء"حَاش لِلّٰه" (بحذف الالف تخفیفاً) پڑھتے ہیں[البدور الزاہرہ]

[۳]"حتّٰی "کبھی جارہ ہوتا ہےجس کا مابعد مجرور ہوگا،کبھی عاطفہ ہوتا ہےجس کا مابعد اعراب میں معطوف علیہ کے مطابق ہوگا، کبھی ابتدائیہ ہوتا ہے،اس وقت اس کا مدخول باعتبار اعراب جملہ مستانفہ ہوگا،جیسے:﴿حتّٰی عَفَوْا وَ قَالُوْا﴾۔ أَکَلْتُ السَّمَکَةَ حَتّٰی رَأسهَا میں تینوں قسمیں:جارہ، عاطفہ،ابتدائیہ ممکن ہیں،اگر ابتدائیہ ہوتو" مَأْکُوْلٌ"خبر محذوف ہوگی[مغنی:۱۳۰ج۱]۔

فائدہ:"حتیّٰ"جارہ اور عاطفہ میں چند اور اعتبار سے بھی فرق بیان کیا گیا ہے:مثلاً(۱)"**جارہ**"کا مابعد ماقبل کا جزء آخر ہوتا ہے،جیسے:"أَکَلْتُ السَّمَکَةَ حتّٰی رَأسِهَا"،یا جزءِ آخر کے ساتھ متصل،جیسے: نِمْتُ الْبَارِحَةَ حتَّی الصَّباحِ۔"**عاطفہ**"کا مابعد ماقبل کا جزءِ مطلق ہوتا ہے؛خواہ مجموع کا ایک فرد ہو،جیسے:الرِّیَاضَةُ تُقَوِّيْ الْاَعْضَاءَ حتّٰی الرِّجْلَ (ریاضت اعضاء کو اور پاؤں کو مضبوط بناتی ہے)،یا کل کا ایک جزءِ واقعی ہو،جیسے:أَعْجَبَنِيْ الْعُصْفُوْرُ حتّٰی لَوْنُهٗ (مجھے چڑیا بھلی معلوم ہوئی اور اس کا رنگ بھی)،یا جزءِ اعتباری ہو،جیسے:جَاءَ الْقِطَارُ فَنَزَلَ الْمُسَافِرُوْنَ حتّٰی الْحَقَائِبُ (گاڑی آئی پس مسافر اترے اور سامان بھی)۔(۲)"**جارہ**"میں مُغَیّا کی تقدیر جائز ہے،لہٰذا نِمْتُ الْبَارِحَةَ حتَّی الصَّباحِ کے بجائے نِمْتُ حتّٰی الصَّبَاحِ کہنا درست ہے،"**عاطفہ**"میں مغیا(معطوف علیہ) کا اظہار ضروری ہے،جیسے:مَاتَ النَّاسُ حَتیّٰ الْأنْبِیَاءُ،ورنہ عطف درست نہ ہوگا۔(۳) "**جارہ**"میں مابعد کا ماقبل میں دخول جوازی ہے،"**عاطفہ**"میں ضروری ہے۔(۴)"**جارہ**"اسم ظاہر صریحی اور اسم ظاہر تاویلی دونوں پر داخل ہوتا ہے،جیسے:حتّٰی رَأسِهَا،﴿حتّٰی یَبْلُغَ الْهَدْیُ مَحِلَّهٗ﴾۔"**عاطفہ**" صرف اسم ظاہر صریحی پر داخل ہوتا ہے،جیسے:

﴿حرف الخاء﴾

❁ خَلاَ: اس کا استعمال دو طرح سے ہے:

۱۔ حرف جار بمعنی استثناء، جیسے: جَاءَ الْقَوْمُ خَلاَ زَيْدٍ۔

۲۔ فعل: اس وقت مفعول کو نصب دیتا ہے، اور فاعل اس میں ضمیر مستتر ہوتی ہے، جیسے: أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلاَ اللّٰهَ بَاطِلٌ۔[۱][المعجم... في الاعراب:۱۸۱]

﴿حرف الراء﴾

❁ رُبَّ: حرف جار ہے، ہمیشہ صدر کلام میں آتا ہے، اور مجرور اس کا اکثر نکرہ موصوفہ

حتّى الْأَنْبِيَاءُ، حتّى الْمُشَاةُ۔ (۵) "جارہ" میں غایت کا مفہوم زمان ومکان کے اعتبار سے ہوتا ہے، جیسے: حتّى رَأْسِهَا، حتّى الصَّبَاحِ۔ "عاطفہ" میں قوت وضعف کے اعتبار سے، یعنی: اگر فعل یا شبہ فعل معطوف علیہ کی طرف مسلسل متوجہ رہے تو جہت اعلیٰ یا جہت اسفل میں انتہاء معطوف پر ہوگی، جیسے: مَاتَ النَّاسُ حَتّى الْأَنْبِيَاءُ، قَدِمَ الْحَاجُّ حَتّى الْمُشَاةُ۔[وافی:۵۸۰ج۳، ۳۳۴ج۴، رضی:۲۷۷ج۴، مغنی:۲۸،۱۲۳ج۱]۔ یعنی اجزائے معطوف علیہ میں معطوف جزئے قوی ہوگا یا ضعیف ہوگا۔

[۴] یعنی مجرور پر پہنچ کر فعل یا شبہ فعل ختم ہو جاتا ہے، مثلاً مثالِ مذکور میں "أَكَلَ سَمَكَ" کا فعل مکانِ "رَأْس" پر منتہی ہوگیا۔ نوٹ:-غایت (مابعدِ حتّی) مغیّا (ماقبلِ حتّی) کے ساتھ حکم میں شامل ہوگی یا نہیں؟ اس میں چند اقوال ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ: "حتّى" حرف جر میں غایت مغیا میں شامل ہوتی ہے، البتہ عدمِ دخول پر قرینہ پایا جائے تو شامل نہ ہوگی۔ اور "إِلَى" حرف جر میں غایت مغیا میں شامل نہیں ہوتی، البتہ دخول پر قرینہ پایا جائے تو شامل ہوگی۔[وافی:۴۶۸،۴۸۲ج۲، الزیادۃ والاحسان فی علوم القران:۹۰ج۸]۔ [۵] بمعنی "مع" ہونے کا مطلب یہ کہ حتی کا مابعد ماقبل کے ساتھ حکم میں شامل ہے[غایۃ التحقیق]۔ کافیہ میں "حتّى" جارہ کا بمعنی "مع كثيرا" ہے اس پر علامہ رضی فرماتے ہیں: یہ صاحب کافیہ کے توہم پر مبنی ہے، وجہ توہم یہ ہے: اکثر وبیشتر (بدون قرینہ) "حتّى" کا مابعد ماقبل میں شامل ہوتا ہے، جیسا کہ "مع" کا مابعد ماقبل میں شامل ہوتا ہے، اس وجہ سے "بمعنى مع كثيراً" فرمایا ہے[رضی:۲۷۹ج۴]۔ شرح ابن عقیل میں بھی مذکورہ مثال اور قَدِمَ الْحَاجُّ حَتّى الْمُشَاةُ: دونوں کو "حتّى" عاطفہ کے تحت بیان کیا ہے۔ [۶] یہ اس وقت ہوگا جبکہ "حتّى" کا ماقبل مابعد کے لیے سبب اور علت کی صلاحیت رکھتا ہو، (یہ جارہ شمار کیا جاتا ہے)۔[وافی:۳۳۶ج۴]

[۷] اگر "حتّى" کا مابعد مضارع منصوب نہ ہو تو اس وقت "حتّى" ابتدائیہ ہوگا، جیسے: أُصْغِيْ الْآنَ لِلْخَطِيْبِ، حتّى أَسْمَعُ وَ أَفْهَمُ كَلَامَهٗ (ابھی میں مقرر کی طرف کان لگائے ہوئے ہوں، یہاں تک کہ اس کا کلام سن رہا اور سمجھ رہا ہوں)، ﴿حتّى يَقُوْلُ الرَّسُوْلُ ......﴾ هذا فِيْ قِرَائَةِ الامام نَافع المَدْنِيِّ۔[وافی:۳۳۳ج۴، مغنی:۱۲۸ج۱]

[۱] دوسرا مصرع یہ ہے: وَكُلُّ نَعِيْمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلُ (یاد رکھو! اس کائنات میں اللہ کے سواء ہر چیز فانی ہے۔ اور -زندگی کی- تمام بہاریں ختم ہونے والی ہیں۔[اشمونی ص۳، مغنی] كُلُّ شَيْءٍ: ذوالحال، مَا خَلاَ اللّٰهَ: حال واقع ہے، أي: خالين من الله، یا "باطلٌ" کا ظرف واقع ہے، أي: وقت خلوهم من الله۔[المعجم المفصل فی الاعراب:۱۸۱]

ہوتا ہے، یہ حرف تکثیر و تقلیل دونوں معنوں کا فائدہ دیتا ہے، **جیسے**: رُبَّ رَجُلٍ کَرِیْمٍ لَقِیْتُہٗ ۔[۱]

﴿**فائدہ**﴾: جب " ما " کافہ اس کو لاحق ہو تو اس کا عمل باطل ہو جاتا ہے، اور اس وقت اکثر مخفف پڑھا جاتا ہے، **جیسے**: ﴿رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا﴾۔

﴿حرف السین﴾

❁ **سین**: مضارع پر آتا ہے اور اس کو مستقبل قریب کے معنی میں خاص کر دیتا ہے، **جیسے**: ﴿فَسَیَکْفِیْکَھُمُ اللّٰہُ﴾۔

❁ **سوف**: مضارع پر داخل ہو کر اس کو مستقبل بعید کے معنی میں کر دیتا ہے، **جیسے**: ﴿سَوْفَ یُغْنِیْکُمُ اللّٰہُ﴾۔ کبھی اس پر لام تاکید مفتوح بھی آتا ہے، **جیسے**: ﴿وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی﴾۔

❁ **سِیَّ**: یہ اسم بمعنی " خصوصا" تفضیلِ مابعد کے لئے آتا ہے[۲]، اور اس کے شروع میں " لَا" اور آخر میں " مَا " کا لانا ضروری ہے، کبھی " لَا " کے پہلے " واو" بھی آتا ہے، **جیسے**: وَلَا سِیَّمَا یَوْمٍ[۳]۔[از قدیم نسخہ]

---

[۱] جار مجرور معنیً "لقیتہ" کے متعلق ہے، لفظاً نہیں۔[مفتاح العوامل] کیوں کہ "رُبَّ" ان حروف جارہ میں سے ہے جو متعلَق کے مقتضی نہیں ہیں[مغنی:۴۴۰ ج۲، :۱۳۶ ج۱]۔ لہٰذا وہ یہاں محلاً مبتدا واقع ہے، اور "لقیتہ" اس کی خبر ہے۔

[۲] یعنی دو چیزیں ایک حکم میں شریک ہوتی ہیں، مگر مابعد کی ماقبل پر فضیلت یا تخصیص بتلانا مقصود ہوتا ہے، مثلا: مَا أَجْمَلَ الْکَوَاکِبَ!! لَا سِیَّمَا الْقَمَرُ (ستارے کس قدر خوب صورت ہیں!! خصوصا چاند تو بہت ہی خوب صورت ہے)۔

لا سِیَّمَا کی تحقیق: اس کے مابعد کو تینوں اعراب آتے ہیں، تینوں میں " لَا " تبریہ (نفی جنس) ہے، اور " سِیَّ " مضاف بامضاف الیہ اس کا اسم واقع ہوتا ہے، اور خبر محذوف ہوتی ہے۔ س: مضاف الیہ کون ہے؟۔ ج: **۱۔** سِیَّمَا میں "ما" زائدہ ہے اور مابعد مضاف الیہ ہے، اس صورت میں سِیَّمَا کا مابعد مجرور ہوگا۔ **۲۔** "مَا " موصولہ اپنے صلہ سے مل کر، یا "مَا " موصوفہ اپنی صفت سے مل کر محلاً مجرور مضاف الیہ ہے، اس صورت میں مابعد مبتدا محذوف کی خبر واقع ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا، أَيْ: لَا سِیَّمَا ھُوَ الْقَمَرُ، اور مبتدا و خبر صلہ یا صفت واقع ہوگا۔ **۳۔** "مَا" نکرہ تامہ ممیّز، اور مابعد تمیز سے مل کر مضاف الیہ ہے۔ اس صورت میں مابعد تمیز ہونے کی بنا پر منصوب ہوگا۔[وافی ۴۰۴ ج۱، القواعد الاساسیہ:۱۷۰]۔ " أعنی" فعل کا مفعول ہونے کی بنا پر بھی منصوب ہوسکتا ہے۔[النحو الواضح للثانویہ]

[۳] یہ شعر کا ٹکڑا ہے۔ پورا شعر اس طرح ہے: أَلَا رُبَّ یَوْمٍ صَالِحٍ لَکَ مِنْھُمَا ❁ وَ لَا سِیَّمَا یَوْمٌ بِدَارَۃِ جُلْجُلِ، رُب: حرف جر زائد، یَوْمٍ صَالِح: لفظاً مجرور، محلاً مرفوع مبتدا، لَکَ مِنْھُمَا: دونوں ظرف مستقر خبر، اور بِدَارَۃِ

﴿حرف العین﴾

عدا: [۱]

۱۔ حرف جار ہے۔ اس کا مجرور مستثنیٰ کے حکم میں ہوتا ہے، جیسے: جَاءَ الْقَوْمُ عَدَا زَيْدٍ۔

عَلٰی: کئی معنوں میں مستعمل ہوتا ہے:

۱۔ استعلاء [مجرور پر کوئی چیز ہے]، **جیسے:** ﴿وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ﴾۔

۲۔ ضرر یا بددعا [مجرور کو کوئی چیز نقصان دہ ہے]، **جیسے:** ﴿وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾۔

۳۔ شرط، جیسے: أَصْفَحُ عَنْ زَلَّاتِكَ الْمَاضِيَةِ عَلٰى أَنْ تُصْلِحَ أَعْمَالَكَ الْآتِيَةَ۔ [۲]

٤۔ تعلیل، جیسے: ﴿وَلِتُكَبِّرُوْا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰيكُمْ﴾۔

۵۔ بمعنی "لٰكِن"، جیسے: فَلَانٌ جَهَنَّمِيٌّ عَلٰى أَنَّهُ لَايَيْأَسُ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ۔ [۳]

٦۔ بمعنی "فِيْ"، جیسے: ﴿دَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ﴾۔

۷۔ بمعنی "مِنْ"، جیسے: ﴿وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ إِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ﴾۔

تنبیہ: "عَلٰی" سے **پہلے** "مِنْ" **آئے تو اس وقت** "عَلٰی" **بمعنی** "فَوْقَ" **اسم** ہوتا ہے، **جیسے:** نَزَلْتُ مِنْ عَلَى الْفَرَسِ۔ [مغنی:۱۴۵ج۱]

عَنْ: کئی معنوں میں مستعمل ہوتا ہے:

۱۔ تجاوز [مجرور سے کوئی چیز نکل رہی ہے]، **جیسے:** ﴿رَمَيْتُ السَّهْمَ عَنِ الْقَوْسِ﴾۔

۲۔ تعلیل، جیسے: ﴿وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ﴾۔ [جلالین]

۳۔ بدل، جیسے: ﴿وَاتَّقُوْا يَوْماً لَاتَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئاً﴾۔

جُلْجُل: یومٌ کی صفت واقع ہے۔ [رضی:۲۶۶ج۲، اشمونی] تجھے یاد ہوگا کہ ان دونوں کے ساتھ تیرے۔ عیش و عشرت کے۔ بہت سے خوش گوار ایام گذرے ہیں، خصوصا مقام "جلجل" والے ایام۔

[۱] یہ فعل بھی ہوتا ہے، اس وقت مفعول کو نصب دیتا ہے، اور فاعل اس میں ضمیر مستتر ہوتی ہے، جیسے: جَاءَ الْقَوْمُ عَدَا زَيْداً (قوم آئی دراں حالیکہ اس نے زید سے تجاوز کیا)۔ اس کی ترکیب خلا کے مانند ہوگی۔

[۲] میں تمہاری گذشتہ لغزشوں سے درگذر کرتا ہوں، بشرطیکہ اپنے آئندہ کاموں کی اصلاح کرو۔

[۳] فلاں شخص جہنمی ہے، مگر اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہے۔

٤۔ بمعنی "مِنْ"، جیسے: ﴿هُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ﴾۔[۱]

تنبیہ: جب "عَنْ" کے پہلے "مِنْ" آئے تو اس وقت "عَنْ" **بمعنی** "جانِبٌ" اسم ہوتا ہے، **جیسے:** جَلَسَ زَيْدٌ مِنْ عَنْ يَمِيْنِيْ۔ [مغنی:۱۴۹ج۱،شرح ابن عقیل]

عِنْدَ، عَوْضُ: یہ دونوں اسم ہیں۔ [سبق:۴۲ ملاحظہ ہو]

﴿حرف الغين﴾

غَيْرَ: یہ اسم لازم الاضافت ہے[۲]، مگر مضاف الیہ کبھی لفظوں سے محذوف بھی ہوتا ہے جب کہ عبارت سابق سے اس کے معنی مفہوم ہوں، جیسے: لَاغَيْر، لَيْسَ غَيْر[۳]۔

﴿حرف الفاء﴾

[۱] نمبر **٥۔ بمعنی** "عَلٰی"، **جیسے:** ﴿فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَفْسِهٖ﴾، **٦۔ بمعنی** "بعد"، **جیسے:** ﴿طبقاً عَنْ طبقٍ﴾۔

[۲] مگر یہ تعریف وتخصیص کا فائدہ نہیں دیتا ہے، یہی حکم اس کے اشباہ؛ مثلاً: "مثل، نظير، شبه، سوى" کا ہے، اضافت لفظیہ میں بھی گذر چکا ہے۔ [۳] اس کا اعراب **۱۔** یا تو عامل کے مطابق ہوگا، جیسے: مثال مذکور پوری اس طرح ہے: عَرَفْتُ خَمْسِيْنَ لَيْسَ غَيْرُ، أَيْ: لَيْسَ غَيْرُ الْخَمْسِيْنَ مَعْرُوْفاً "غیر" کے ضمہ کے ساتھ، یا لَيْسَ الْمَعْرُوْفُ غَيْرَ الْخَمْسِيْنَ "غیر" کے فتح کے ساتھ، [وافی:۳۴۵، ۳۴۷ج۲] قران مجید ﴿وَ هُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ﴾ میں خبر واقع ہے۔ [النحو القرانی:۳۳٦] **۲۔** اگر "غیر" نکرہ کے بعد واقع ہو تو صفت واقع ہوگا، اس وقت یا تو لفظِ موصوف کے مطابق اعراب ہوگا، جیسے: ﴿نَعْمَلْ صَالِحاً غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ﴾، یا محلِ موصوف کے اعراب کے مطابق ہوگا، جیسے: مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ، یہاں "إِلٰهٍ" مِنْ کی وجہ سے لفظاً مجرور ہے مگر مبتدا مؤخر ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے۔ امام کسائیؒ اور ابن جعفرؒ نے لفظ "إِلٰهٍ" کی رعایت کرتے ہوئے "غَيْرِه" بالکسر پڑھا ہے۔ [ملاء مامن بہ الرحمٰن: فاتحہ]، یا مشابہ نکرہ (یعنی معرفہ ہو مگر جنس مراد ہو، مثلاً اسمائے موصولہ، اسمائے اشارہ، "أل" جنسی واستغراقی وغیرہ) کے بعد واقع ہو تو بھی صفت ہوگا، جیسے: ﴿... الَّذِيْنَ أنعمت عليهم غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ﴾۔ [وافی: ۲۷۷، ۳۴٦ج۲] یہ "غیر" صفتی کہا جاتا ہے۔ **۳۔** کبھی بمعنی "إِلَّا" ہوتا ہے، اس وقت مستثنی بــــ "إِلَّا" کا اعراب ہوگا۔ اس کو "غیر استثنائی" کہا جاتا ہے۔، جیسے: جَاءَ الْقَوْمُ غَيْرَ زَيْد (قوم آئی مگر زید نہیں آیا) [ہدایۃ النحو]۔ **نوٹ:-** القوم میں "أل" جنسی یا استغراقی ہو تو وہ معناً نکرہ ہے لہٰذا غَيْرُ زَيْدٍ رفع کے ساتھ صفت بنایا جاسکتا ہے، مگر اس وقت استثناء کا معنی باقی نہ رہے گا، کیوں کہ "غیر صفتی" اور "غیر استثنائی" میں معنیً فرق ہے، استثناء میں مستثنی کے لیے مستثنی منہ کے خلاف حکم ثابت ہوتا ہے، اور صفت واقع ہونے کی صورت میں اس کے لیے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا، بلکہ حکم موصوف کے لیے ہوتا ہے، اس صورت میں مثال مذکور کا معنی ہوگا: "زید کے علاوہ قوم آئی"، زید کے آنے - نہ آنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اسی وجہ سے له علَيَّ درهمٌ غيرُ دانق (رفع کے ساتھ) بولنے پر مقِر کے ذمہ پورا درہم واجب ہوگا، اور له علَيَّ درهمٌ غيرَ دانق (نصب کے ساتھ) بولنے پر مقِر کے ذمہ پورا درہم واجب نہ ہوگا [الاشباہ والنظائر: ۲۳۰ج۲، روایۃ النحو: ٦٠]

فاء: اس کا استعمال تین طرح سے ہوتا ہے:

ت].....**۱۔ عاطفہ:** یہ ترتیب[۱] اور تعقیب[۲] کا فائدہ دیتا ہے[۳]، **جیسے:** جَاءَ زَيْدٌ فَعَمْرٌو، دَخَلْتُ الْبَصْرَةَ فَبَغْدَادَ[۴]۔ [وافی:۳؍۵۷۳ج۳]

۲۔ جواب شرط:[۵]، **جیسے:** إِنْ جِئْتَنِيْ فَأُكْرِمُكَ۔

۳۔ مستانفہ[۶]: جب کہ ماقبل سے تعلق منقطع ہو، **جیسے:** ﴿قُلْ أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ﴾.

---

[۱] ترتیب کا مطلب یہ ہے کہ معطوف کا وقوع معطوف علیہ کے بعد ہے، خواہ ترتیب معنوی ہو: یعنی وقوعِ معطوف (یعنی معطوف کے معنی ومفہوم) کا زمانہ وقوعِ معطوف علیہ کے زمانہ کے بعد ہو، (جیسے: مذکورہ مثالوں میں پہلے زید آیا اس کے بعد متصلاً عمرو آیا، میں بصرہ پہنچا اس کے بعد بغداد پہنچا) [وافی:۳؍۵۷۳ج۳]، خواہ ترتیب ذکری ہو، یعنی معطوف ذکر و بیان کے اعتبار سے معطوف علیہ سے مؤخر ہو، زمانہ کی رعایت ضروری نہیں،۔ (گویا اس میں اجمالی ذکر کے بعد اس کے متعلق اظہارِ خیال کیا جاتا ہے، اس کو عطف المفصل علی المجمل کہا جاتا ہے)۔، جیسے: ﴿اُدْخُلُوْا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ﴾، ظاہر ہے سوءِ جہنم کا زمانہ دخول جہنم پر مقدم ہے، لیکن وہ ذکر و بیان میں مؤخر ہوا ہے [رضی: ۴۰۸ج۴ مفہوماً]۔ **نوٹ:۔** کبھی محض ترتیبِ اخباری مقصود ہوتا ہے (یعنی متکلم کا کسی چیز کی صرف اطلاع دینا، نہ ترتیب معنوی ملحوظ ہو، نہ ذکری ملحوظ ہو)، اس صورت میں "ف" "بمعنی" واو "ہوگا، جیسے: هٰذا عالمٌ فأبوهُ فجدهُ (یہ عالم ہے، اس کے والد اور اس کے دادا بھی)۔ [وافی:۳؍۵۷۳ج۳]

[۲] تعقیب کا مطلب یہ کہ معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان تاخیر نہ پائی جائے، اگر تھوڑی سی تاخیر یا کچھ وقت گذرا ہو تو معطوف علیہ کا حکم یا اس کا اثر جاری یا باقی ہو۔ لہٰذا "دَخَلْتُ الْبَصْرَةَ فَبَغْدَادَ" کا مطلب ہوگا: دخول بغداد تک درمیان میں کہیں رکنا یا آرام کرنا نہیں پایا گیا، نہ بصرہ میں، نہ راستہ میں؛ تاخیر صرف راستہ قطع کرنے کی ہوئی ہے۔ اسی طرح تَزَوَّجَ فَلَانٌ فَوُلِدَ لَهٗ۔ **سوال:** تاخیر میں کتنا وقت اور وقفہ معتبر ہوگا؟۔ **جواب:** اس کی کوئی تحدید نہیں ہے، موقع و محل کے اعتبار سے متفاوت ہو سکتا ہے [وافی:۳؍۵۷۳ج۳، مغنی:۱۶۲ج۱]۔ **نوٹ:۔** "ثُمَّ" ترتیب مع التراخی کے واسطے آتا ہے اس لیے معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان حکم یا اس کا اثر منقطع ہو کر دوسرا کام بھی پایا جا سکتا ہے؛ لہٰذا "دَخَلْتُ الْبَصْرَةَ ثُمَّ بَغْدَادَ" کا مطلب ہوگا وصول بغداد تک درمیان میں کہیں قیام بھی ہوا ہے۔

[۳] عاطفہ کبھی سببیہ ہوتا ہے، جیسے: ﴿لَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ﴾ [مغنی:۱۶۱ج۱]، خصوصاً جب کہ اس کے بعد مضارع بتقدیر "أَنْ" منصوب واقع ہو۔ اس وقت مصدر مؤول کا مصدر صریحی یا تاویلی پر عطف ہوگا، اور یہ عطف المفرد علی المفرد شمار ہوگا [وافی:۳۵۷،۳۵۴ج۴،۵۷۴ج۳]۔ [۴] تعقیب کے مذکورہ معنی ومفہوم سے ﴿ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَاماً﴾، ﴿أَمَاتَهٗ فَأَقْبَرَهٗ﴾ وغیرہ آیتوں میں کوئی اشکال نہ ہوگا۔

[۵] کبھی شرط محذوف ہوتی ہے، جیسے: ﴿رَبِّ فَأَنْظِرْنِيْ﴾، ای: إِذَا کنت لَعَنْتَنِيْ فَأَنْظِرْنِيْ [رضی:۴۱۲ج۴] اس فاء کو "فاء فصیحیہ" بھی کہتے ہیں، کیونکہ شرط محذوف پر دال ہے۔ [وافی:۶۳۶ج۳]

فَإِنْ تَوَلَّوْا......﴾، ﴿فَتَلَقّیٰ آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٍ﴾۔[معجم حروف المعانی: ج۲، اعراب القران وبیانہ]

فِيْ: کئی معنوں میں مستعمل ہے:

۱۔ ظرفیت: خواہ حقیقۃً ہو، **جیسے:** اَلْمَاءُ فِي الْكُوْزِ، **خواہ مجازاً، جیسے:** ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ﴾۔

۲۔ مصاحبت، جیسے: ﴿فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ﴾۔

۳۔ تعلیل، جیسے: ﴿فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ﴾۔

٤۔ استعلاء، جیسے: ﴿وَلَأُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ﴾۔

۵۔ مقایسہ (بمعنی "مِنْ" یعنی تقابل کرنا): جب کہ **مفضولِ سابق اور فاضلِ لاحق کے درمیان واقع ہو، جیسے:** ﴿فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيْلٌ﴾۔

٦۔ مرادفِ "إِلٰى"، **جیسے:** ﴿فَرَدُّوْا أَيْدِيَهُمْ فِيْ أَفْوَاهِهِمْ﴾۔

﴿حرف القاف﴾

قَدْ: اس کا استعمال چار طرح سے ہے:

۱۔ حرفِ **تحقیق:** جب کہ **ماضی کے پہلے آئے، جیسے:** ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰيهَا﴾۔

۲۔ حرفِ **تقلیل:** جب کہ **مضارع کے پہلے آئے، جیسے:** قَدْ يَصْدُقُ الْكَذُوْبُ۔

۳۔ اسم بمعنی "حَسْبُ": **یہ مضاف ہوتا ہے، جیسے:** قَدْ زَيْدٍ دِرْهَمٌ۔[المعجم المفصل فی الاعراب]

٤۔ اسمِ فعل بمعنی "يَكْفِيْ"، **جیسے:** قَدْ زَيْداً دِرْهَمٌ۔[مغنی: ۱۷۰ج۱]

قَطُّ (بالتشدید): **ظرفِ زمان، استغراقِ نفیٔ ماضی کے واسطے آتا ہے، جیسے:** مَا فَعَلْتُهٗ قَطُّ۔[مغنی: ۱۷۵ج۱] **قَطْ** (بالتخفیف): **اسمِ فعل؛ بمعنی** "اِنْتَهِ" **اس وقت** "ط" ساکن ہوتی ہے، اور اکثر اس کے شروع میں "ف" آتی ہے، **جیسے:** قَامَ زَيْدٌ فَقَطْ۔[۱]

---

[٦] استیناف کی تفصیل "واو" میں ملاحظہ ہو۔

[۱] زید صرف کھڑا ہوا، (کوئی دوسری نامناسب حرکت نہیں کی)۔

﴿حرف الكاف﴾

۞١۔ کاف: حرف جار ہے اور چار معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔[١]

١۔ تشبیہ، جیسے: زَیْدٌ کَالْاَسَدِ۔

٢۔ تمثیلِ مضمونِ جملہ بجملۂ دیگر، جیسے: ﴿اِجْعَلْ لَنَا إِلٰهاً كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ﴾۔

٣۔ زائدہ: جیسے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِه شَيْءٌ﴾۔

٤۔ بمعنی "مِثْل"[٢] اس وقت اسم کا حکم رکھتا ہے، جیسے: يَضْحَكْنَ عَنْ كَالْبَرَدِ الْمُنْهَمِّ۔

۞٢۔ کاف غیر جارہ کی دو قسمیں ہیں:

١۔ اسم ضمیر منصوب ومجرور، جیسے: ﴿مَاوَدَّعَكَ رَبُّكَ﴾۔

٢۔ حرف خطاب: [٣] جب کہ اسم اشارہ اور ضمیر منصوب منفصل کے آخر آئے، جیسے: ذَالِكَ، اِيَّاكَ۔

۞ كَأَنَّ: [سبق:١٦ میں گذر چکا][٤]

۞ كَذَا: اسم ہے، کنایہ کے واسطے آتا ہے[٥]، خواہ عدد سے ہو، جیسے: قَبَضْتُ كَذَا وَكَذَا دِرْهَماً، خواہ غیر عدد سے،[٦] جیسے: فَعَلْتُ كَذَا، مَرَرْتُ بِمَكَانٍ كَذَا۔

---

[١] نمبر ٥: کبھی تعلیل کے لیے آتا ہے، جیسے: ﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيْراً﴾، ﴿وَيْ كَأَنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُوْنَ﴾[مغنی:٦٠٧ ج١]۔ [٢] جب کہ کوئی قرینہ ہو، قرینہ یہ ہے کہ "عَنْ" حرف جار ہونے کی وجہ اسم پر ہی داخل ہوگا، فعل یا حرف پر نہیں[وافی ص ١٥٧ ج ٢]۔ شعر کا پہلا مصرع یہ ہے: بِيْضٌ ثَلَاثٌ كَنِعَاجٍ جُمٍّ۔ هُنَّ: مبتدا محذوف، بِيْضٌ ثَلَاثٌ كَنِعَاجٍ جُمٍّ: خبر، يَضْحَكْنَ الخ: صفت برائے نعاج۔ وہ بے سینگ بھیڑوں کے مانند تین عفیف گوری عورتیں ہیں جو (لطافت میں) پگھلنے والے اولے کے مانند (دانتوں) سے ہنستی ہیں۔[اشمونی:٥٦٢ ق]۔

[٣] کما، کمْ، كِ، كنّ بھی حرف خطاب ہیں، لہٰذا ﴿ذٰلكما مما علمني ربي﴾ میں حضرت یوسفؑ کے مخاطَب دو قیدی تھے اس کی طرف اور ﴿ذٰلكن الذي...... ﴾ میں عزیز مصر کی بیوی کی مخاطَبات صرف عورتیں تھی اس کی طرف اشارہ ہے۔

[٤] یہ مخففہ مِن المثقلہ بھی ہوتا ہے۔ اُس وقت اسم: ضمیر الشان محذوف ہوتا ہے، اور جملۂ مابعد اس کی خبر، جیسے: ﴿وَلّٰى مُسْتَكْبِراً كَأَنْ لَمْ يَسْمَعْهَا﴾۔

[٥] کبھی "كَذَا" کا ترکیبی معنی: تشبیہ مراد ہوتا ہے، جیسے: ﴿أَهٰكَذَا عَرْشُكِ﴾، ﴿كَذٰلِكَ الْعَذَابُ﴾۔[مغنی]

۞ کَلاَّ: حرف ردع وزجر ہے[۱]، جیسے: ﴿کَلاَّ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾۔

۞ کِلاَو کِلْتَا: یہ دونوں لفظوں میں مفرد اور معنی میں تثنیہ[۲] اور ہمیشہ معرفہ یا نکرہ مخصَّصہ[۳] کی طرف مضاف ہوکر مستعمل ہوتے ہیں، جیسے: کِلَا الرَّجُلَیْنِ، ﴿کِلْتَا الْجَنَّتَیْنِ﴾۔

۞ کَمْ: اسم ہے۔ [سبق: ۴۱ میں گذر چکا]

۞ کَیْ: اس کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ مختصر "کیف" کا، جیسے: کَیْ تَجْنَحُوْنَ اِلٰی سَلْمٍ وَ مَا ثُئِرَتْ......[۴]۔

۲۔ بمعنی "لام" تعلیل: جبکہ "ما" مصدریہ سے ملے[۵]، جیسے: یُرْجَی الْفَتٰی کَیْمَا یَضُرُّ وَ یَنْفَعُ[۶]۔

۳۔ بمنزلہ "أَنْ" مصدریہ، جیسے: ﴿لِکَیْلاَ تَأْسَوْا عَلٰی مَافَاتَکُمْ﴾۔

---

[٦] حدیث میں ہے: أَ تَذْکُرُ یَوْمَ کَذَا و کَذا؟، وفَعَلْتَ فِیْه کَذَا و کَذَا؟۔ [وافی: ۵۸۲ج۴]

[۱] یعنی: متکلم یا سامع جو بات سمجھ رہا ہے اسے رد کرنے اور اس کے غلط ہونے پر متنبہ کرنے کے لیے [جامع الدروس العربیہ: ۲۷۰ج۳]، یہ اس وقت ہوگا جب کہ کلام سابق رد کیے جانے کے قابل بھی ہو، ورنہ "کَلاَّ" افتتاحیہ ہوگا، جیسے: کَلاَّ إِنَّ الْأَبْرَارَ...... ، کبھی إِيْ/ نَعَمْ: حرفِ جواب کے مانند ہوتا ہے، جیسے: ﴿کَلاَّ وَ الْقَمَرِ﴾ أَيْ: إِيْ وَ الْقَمَرِ [مغنی: ۱۸۹، ۱۹۰ج۱ مفهوماً]

[۲] لہٰذا صیغہ اور ضمیر وغیرہ لانے میں لفظ کی رعایت کرتے ہوئے واحد لانا اور معنی کی رعایت کرتے ہوئے تثنیہ لانا جائز ہے، جیسے: ﴿کِلْتَا الْجَنَّتَیْنِ آتَتْ أُکُلَهَا﴾ میں واحد لایا گیا ہے۔ [مغنی: ۲۰۴ج۱]

[۳] یعنی ایسا نکرہ جس کی صفت لائی گئی ہو، جیسے: کلا رجلین عندك محسنان۔ [مغنی: ۲۰۴ج۱]

[۴] پورا شعر اس طرح ہے: کَیْ تَجْنَحُوْنَ إِلیٰ سَلْمٍ وَمَا ثُئِرَتْ ۞ قَتْلَیکُمْ ولَظَی الْهَیْجَاءِ تَضْطَرِمُ۔ کَیْ: ضمیر مخاطب سے حال مقدم ہے، وَمَا ثُئِرَت......: اور ولَظَی......: دونوں بھی حال واقع ہیں [اشمونی: ق۱۰۰۵]۔ تم لوگ صلح کے لیے کیسے راضی ہو؟!، دراں حالیکہ تمہارے مقتولین کا بدلہ نہیں لیا گیا اور (ابھی) لڑائی کی آگ دل میں بھڑک رہی ہے۔

[۵] یا "ما" استفہامیہ کے ساتھ آئے، جیسے: کَیْمَهْ بمعنی "لِمَاذَا"، اصل میں "کَیْمَا" تھا، وقف کرنے کے لیے "الف" کو حذف کرکے آخر میں "هاء" سکتہ لے آئے [المعجم المفصل فی الاعراب]

[٦] پہلا مصرع یہ ہے إِذَا أَنْتَ لَمْ تَنْفَعْ فَضُرَّ. فَإِنَّمَا ۞ یُرَادُ (یُرْجٰی) الْفَتٰی ...... [اوضح المسالک: ق۲۸۹] اے انسان! جب تو فائدہ نہیں پہنچا سکتا تو (کم از کم) نقصان ہی پہنچادے، کیوں کہ نوجوان ہی سے نفع ونقصان کی امید رکھی جاتی ہے۔ یعنی انسان میں نافع یا ضار ہونے کی صفت پائی جاتی ہے، نافع نہ بنے گا تو ضار شمار کیا جائے گا۔ واللہ اعلم

۞ كَيْفَ: اسم ہے، اور چند معنوں میں مستعمل ہوتا ہے:

۱۔ شرط: اس صورت میں اس کے بعد ایسے دو فعلوں کا آنا ضروری ہے جو لفظاً و معناً متفق ہوں، جیسے: كَيْفَ تَصْنَعُ أَصْنَعُ[۱]۔

۲۔ استفہامِ حال[۲]: جیسے: كَيْفَ أَنْتَ؟۔ **۳۔ برائے تعجب**[۳]، جیسے: ﴿كَيفَ تَكْفُرُوْنَ باللّٰه﴾!!۔[مغنی:۲۰۵ج۱]

﴿حرف اللام﴾

۞ لام: اس کی تین قسمیں ہیں: ۱۔ عامل جر ۲۔ عامل جزم، ۳۔ غیر عامل۔

۞ **۱۔ لامِ جارہ:** جب اسم پر آئے تو مکسور ہوتا ہے، جیسے: لِزَيْدٍ، مگر مستغاث پر آئے تو مفتوح ہوتا ہے، اس صورت میں "یا" کا اس کے پہلے آنا ضروری ہے، جیسے: يَا لَزَيْدٍ، جب اسم ضمیر پر آئے تو بھی مفتوح ہوتا ہے، جیسے: لَنَا، لَكُمْ، مگر ضمیر واحد متکلم پر مکسور ہوگا، جیسے: لِيْ۔

لام جارہ کئی معنوں میں مستعمل ہوتا ہے:

۱۔ استحقاق واختصاص[۴]، جیسے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾، اَلْجُلُّ لِلْفَرَسِ۔

۲۔ تعلیل، جیسے: ضَرَبْتُ زَيْداً لِلتَّادِيْبِ۔

۳۔ تاریخ [یعنی مہینہ کی شب مقرر کرنے کے واسطے[۵]]، یا تعیین وقت کے واسطے،

---

[۱] بصریین کے نزدیک "كَيْفَ" عامل جازم نہیں ہے[مغنی:۲۰۵ج۱]۔

[۲] اس کے ذریعہ حالت کا سوال کیا جائے گا، ذات کا سوال نہیں کیا جائے گا۔ "كَيْفَ" کے متعلق اختلاف ہے: امام سیبویہ کے نزدیک "على أيِّ حالٍ" یا "فى أيِّ حالٍ" کے معنی میں اسم ظرف ہے، لہٰذا محلاً منصوب ہوگا۔ اور امام اخفش کے نزدیک یہ اسم غیر ظرف ہے، لہٰذا عامل کے مطابق اعراب ہوگا۔ پس مبتدا کے ساتھ خبر مقدم واقع ہوگا، جیسے: كَيْفَ أَنْتَ؟، اور فعل کے ساتھ حال یا مفعول مطلق واقع ہوگا، جیسے: ﴿كَيفَ تَكْفُرُوْنَ باللّٰهِ﴾، ﴿ألم تر كيف فعل﴾ [مغنی: ۲۰۶ج۱، المعجم المفصل فی الاعراب]۔ [۳] نمبر ۴۔ توبیخ یا استفہام انکاری کے طور پر بھی آتا ہے، جیسے: ﴿كيف تكفرون و أنتم تتلى عليكم اٰيت اللّٰه﴾۔[المعجم المفصل فی الاعراب]

[۴] یعنی مجرور کے ساتھ کسی اسم کا ربط و تعلق پایا جاتا ہے، استحقاق میں یہ اسم امر معنوی ہوتا ہے، جیسے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾، اور اختصاص میں امر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ خاص ہونا خواہ حقیقی ملکیت ہو، جیسے: اَلْمَالُ لِزَيْدٍ، یا مشابہ ملک ہو، جیسے: اَلْجُلُّ لِلْفَرَسِ، یا تملیک پائی جائے، جیسے: وَهَبْتُ لِزَيْدٍ، یا حسب و نسب کا اظہار ہو، جیسے: لِزَيْدٍ ابْنٌ وَ ابْنَةٌ۔[توضیح النحو،

جیسے: مَـاتَ زَيْدٌ لِثَلَاثٍ بَقِيْنَ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ (**۲۷/ رمضان کو زید کا انتقال ہوگیا**)، ﴿أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ﴾۔[وافی:۴۸۰ ج ۲]

٤۔ انشائے تعجب، جیسے: لِلّٰه دَرُّكَ ۔[۱]

٥۔ عاقبت: یعنی انجامِ کار ظاہر کرنے کے لیے، **جیسے:**[۲] لِدُ وْا لِلْمَوْتِ وَ ابْنُوْا لِلْخَرَابِ[۳]۔

٦۔ حصول منفعت[مجرور کے لیے کوئی چیز نفع بخش ہے]، **جیسے:** ﴿لَها مَا كَسَبَتْ﴾۔

۲۔ لا مِ جازمہ: لام امر ہے، جو مضارع غائب و متکلم کے پہلے آکر اس کو جزم دیتا ہے اور طلب فعل کے معنی پیدا کرتا ہے، **جیسے:** لِيَضْرِبْ، لِأَضْرِبْ۔

﴿**فائدہ**﴾: "ف" اور "و" کے بعد یہ لام اکثر ساکن ہوتا ہے، **جیسے:** ﴿فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَ لْيُؤْمِنُوْا بِيْ﴾۔

۳۔ لامِ غیر عاملہ کی کئی قسمیں ہیں: ۱۔ لام ابتدا[۴]: جو مضمون جملہ کی تاکید کے واسطے آتا ہے، **جیسے:** ﴿لَأَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُوْرِهِمْ مِنَ اللهِ﴾، اِنَّ زَيْداً لَقَائِمٌ۔

النحو الوافی:۲/۴۷۷ ج ۲، مغنی اول: مفهوماً]۔ **فائدہ:** لامِ جارہ " فی، عن، علی، إلی، مع، بعد، من "اور قسم مع التعجب کے معانی میں بھی مستعمل ہوتا ہے، اور زائد بھی آتا ہے[مغنی اللبیب]

[۵] اسلامی تاریخ کی ابتدا شب سے ہوتی ہے، اس لیے "شب" فرمایا ہے۔**نوٹ:**- اگر ۱۵/ سے زیادہ تاریخ بتلانا ہوتو بَقِيْنَ کا استعمال ہوگا، جیسے: مثال مذکور میں ہے۔ اور اگر ۱۵/ سے کم بتلانا ہوتو " مَضَيْنَ " کا استعمال ہوگا، جیسے: كَتَبْتُهٗ لِسِتٍّ مَضَيْنَ مِنْ شَهْرِ شَعْبَانَ۔ ماہِ شعبان کی ۷/ تاریخ کو میں نے اس کو لکھا۔[وافی:۴۸۰ ج ۲، ۵۶۴ ج ۴]

[۱] کسی کام کی خوبی پر اظہارِ تعجب کے واسطے اہلِ عرب یہ جملہ بولتے ہیں، تیرا کام اور اس کی خوبی اور کمال درحقیقت اللہ ہی کے لیے جس نے تجھ پر احسان فرما کر تجھے قابل تعریف بنایا ہے۔[القاموس الوحید]

[۲] قرآن مجید میں ہے: ﴿فَالْتَقَطَهٗ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَناً﴾۔ "لام تعلیل" اور " لام عاقبت" میں فرق ہے: " لام تعلیل" کا مجرور حصول فعل یا وجودِ فعل کا سبب ہوتا ہے، جبکہ "لام عاقبت" کا مجرور حاصل شدہ فعل کا انجام اور نتیجہ ہوتا ہے۔[جامع الدروس العربیہ:۱۸۵ ج ۳]

[۳] دوسرا مصرع یہ ہے: فَكُلُّكُمْ يَصِيْرُ إِلَى الذَّهَابِ (تم پیدا کرو انجام کار مرنا ہے، اور تم عمارتیں تعمیر کرو انجام کار اُجڑنے والی ہیں، تم میں کا ہر ایک بھی فنا کی طرف جا رہا ہے۔ یہ بھی وارد ہے: له ملَكٌ ينادي كل يومٍ: لِدوْا لِلْمَوْتِ وَابْنُوْ لِلْخَرَابِ[رضی:۲۹۱ ج ۴]۔ [۴] اس کو لام تاکید بھی کہا جاتا ہے۔[مستفاد از المعجم المفصل فی الاعراب]

٢۔ لام زائدہ، جیسے: ﴿أَلَا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ......﴾۔

٣۔ جوابِ " لَوْ " و " لَوْلَا " و " قسم "، **جیسے:** ﴿لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا﴾، ﴿لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ﴾، ﴿تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا﴾۔

لَا: اس کی تین قسمیں ہیں: ١-لائے نافیہ ٢-لائے نہی ٣-لائے زائدہ۔

١۔ لائے نافیہ: کبھی نفی جنس کے واسطے آتا ہے، جیسے: ﴿لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾، **کبھی** " لَيْسَ " **کے مانند ہوتا ہے، جیسے:** لَا رَجُلٌ قَائِماً، **کبھی عاطفہ ہوتا ہے، جیسے:** جَاءَ زَيْدٌ لَا عَمْرٌو۔ [مغنی:٢٤١ج١]

٢۔ لائے نہی: مضارع کے پہلے آتا ہے اور جزم دیتا ہے، جیسے: لَا تَضْرِبْ۔

٣۔ لائے زائدہ: تاکید کے واسطے آتا ہے، جیسے: ﴿لِئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتٰبِ﴾۔

لَعَلَّ، لٰكِنَّ: [سبق:١٦ میں گذر چکا]

١۔ لٰكِنْ: بتخفیف نون [مخففہ من المثقلہ] **اس وقت کچھ عمل نہیں کرتا ہے،** [١] **جیسے:** ﴿وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظَّالِمِيْنَ﴾۔ [مغنی:٢٩٢]

٢۔ عاطفہ: حرف استدراک ہے، اور اس کے پہلے نفی یا نہی کا ہونا اور " و " کا نہ ہونا ضروری ہے، [٢] **جیسے:** مَا جَاءَنِيْ زَيْدٌ لٰكِنْ عَمْرٌو، لَا يَقُمْ زَيْدٌ لٰكِنْ عَمْرٌو۔ [مغنی:٢٩٢]

لَمْ: مضارع کو جزم دیتا ہے، جیسے: لَمْ يَضْرِبْ۔ [سبق:٥٦ میں گذر چکا]

لَمَّا: ١۔ مضارع کو جزم دیتا ہے، جیسے: لَمَّا يَضْرِبْ۔

٢۔ لَمَّا ظرفیہ بمعنی " حِيْنَ " و " إِذْ ": **اس وقت خاص ماضی پر آتا ہے، اور دو جملہ کا ہونا اس کے واسطے ضروری ہے** [٣]، **جیسے:** لَمَّا جَاءَ زَيْدٌ أَكْرَمْتُهٗ۔

---

[١] اکثر اس کے پہلے " واو " ہوتا ہے اور اس کے بعد جملہ، جو اعراب میں مستقل شمار ہوتا ہے، اور " لٰكِنْ " حرف ابتداء کہا جاتا ہے، یہی زیادہ قوی اور مشہور ہے۔ **س:** ﴿وَلٰكِنْ رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ میں " لكن " کے بعد جملہ نہیں ہے؟۔ **ج:** یہ اصل میں " وَلٰكِنْ كَانَ رَسُوْلَ اللّٰهِ " ہے۔ [وافی:٥٦٨، ٦١٧ ج٣، مغنی:٢٩٢ ج١]

[٢] اس کا معطوف اکثر و بیشتر مفرد ہوتا ہے۔ [وافی:٦١٦ ج٣]

[٣] کیوں کہ " لَمَّا " مضاف با مضاف الیہ ظرف واقع ہوتا ہے اور اس کا عامل دوسرے جملہ میں واقع فعل یا شبہ فعل ہوا کرتا ہے۔ [مغنی:٢٨٠ ج١، وافی:٢٩٦ ج٢]۔

۳۔ حرفِ استثناء[۱]، جیسے:﴿إِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ﴾۔

۞ لَنْ: مضارع کونصب دیتا ہے، جیسے: لَنْ يَضْرِبَ۔

ت]۔۔۔۔ ۞ لَوْ حرف شرط ہے[۲]، اس کی دو قسمیں ہیں: [وافی:۴۹۱،۵۰۲]

۱۔ امتناعیہ: یہ دو جملوں پر آتا ہے، اور بہ سبب نفی جملۂ اول کے نفی جملۂ ثانی پر دلالت کرتا ہے، جیسے:﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا اٰلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾۔

۲۔ غیرامتناعیہ: یہ شرط کے لیے آتا ہے، لیکن مضارع کو جزم نہیں دیتا، جیسے: وَلَوْ تَلْتَقِي أَصْدَاؤُنَا بَعْدَ مَوْتِنَا [۳]، ﴿لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ اُجَاجاً﴾۔

﴿فائدہ﴾: "لو" شرط کے علاوہ چند اور معنوں میں بھی مستعمل ہے، مثلاً: [وافی:۵۰۲ج۴]

۱۔ تمنی: جیسے:﴿لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ......﴾۔

۲۔ مصدریہ: بمنزلہ "أَنْ"، لیکن ناصب مضارع نہیں ہے، جیسے: مَا كَانَ ضَرَّكَ لَوْمَنَنْتَ؟ وَ رُبَمَا......۔[۴]

---

[۱] یہ اکثر نفی کے بعد جملہ اسمیہ میں آتا ہے، جیسے: مثال میں مذکور ہے، یا ایسی ماضی پر بھی آتا ہے جو معناً مضارع ہو، جیسے: اُنْشِدُكَ اللّٰهَ لَمّا فَعَلْتَ كَذَا، أی: مَاأَسْئَلُكَ إِلَّا أَنْ تَفْعَلَ كَذَا[وافی:۴۲۰ج۴، مغنی:۲۸۱ج۱]

[۲] "لَوْ" کی اصل وضع امتناع فی الماضی کے لیے ہے، اس کو "لَوْ" امتناعیہ کہا جاتا ہے، کبھی "إِنْ" شرطیہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اس کو "لَـوْ" غیرامتناعیہ کہا جاتا ہے[شرح ابن عقیل:۵۰۴ج۱، رضی:۴۸۶ج۴]۔ دونوں کے بعد فعل کا ہونا لازم ہے خواہ لفظا ہو یا تقدیرا[کافیہ]۔ اگر امتناعیہ ہوتو اس کے بعد فعل ماضی کا ہونا ضروری ہے، مضارع ہوتو بھی ماضی کے معنی میں ہوگا[شرح ابن عقیل:۵۰۵ج۱، وافی:۴۹۴ج۴]۔ اور اگر غیرامتناعیہ ہوتو اس کے بعد فعل مضارع کا ہونا ضروری ہے، فعل ماضی ہوتو بھی مستقبل کے میں معنی میں ہوگا۔[وافی:۴۹۶ج۴]

[۳] پورا شعر اس طرح ہے: وَلَوْ تَلْتَقِي أَصْدَاؤُنَا بعد مَوْتِنَا ۞ وَمِنْ دُوْنِ رَمْسَيْنَا مِنَ الْارضِ سَبْسَبُ، لَظَلَّ صَدٰى صَوْتِيْ–وانْ كُنْتُ رِمَّةً– ۞ لِصَوْتِ صَدٰى لَيْلٰى يَهُشُّ ويَطْرَبُ۔ وَمِنْ دُوْنِ رَمْسَيْنَا: خبر مقدم، مِنْ الْارضِ: حال مقدم ہے، سَبْسَب: ذوالحال (مبتدا مؤخر)، پورا جملہ أَصْدَاؤُنَا سے حال واقع ہے، وانْ كُنْتُ رِمَّةً: جملہ معترضہ ہے، لِصَوْت......: ظَلَّ کی خبر ہے۔[اشمونی:ق۱۱۱۰، اوضح المسالک:ق۵۱۹] اگر ہم دونوں کی آوازیں ہمارے مرنے کے بعد مل جائیں اس حال میں کہ ہماری قبروں کے درمیان وسیع بیابان حائل ہو تو بھی میری صدائے بازگشت-گرچہ میں بوسیدہ ہڈیاں ہو جاؤں-(فرطِ محبت میں) لیلیٰ کی صدائے بازگشت کی وجہ سے تازہ دم ہو جائے گی اور جھوم اٹھے گی۔

[۴] أَيْ: مَاكَانَ ضَرَّكَ مَنُّكَ؟۔ پورا شعر اس طرح ہے: مَاكَانَ ضَرَّكَ لَوْ مَنَنْتَ؟ وربما ۞ مَنَّ الْفَتٰى وَهُوَ

۳۔ عرض وتحضیض، جیسے:لَوْ تنزِلُ عِنْدَنا فَتُصِیْبَ خَیْراً۔

❁ لَوْلَا: [تمنی اورعرض وتحضیض میں جواب لومضارع منصوب اور "ف" کے ساتھ آتا ہے[القاموس الوحید]

۱۔ حرف شرط: دو جملوں پر آتا ہے[۱]، اور بہ سبب وجودِ اول کے انتفائے ثانی پر دلالت کرتا ہے، جیسے:لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ، ﴿لَوْلَا أَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ﴾۔

۲۔ عرض و تحضیض: یہ مضارع پر آتا ہے[۲]، جیسے: ﴿لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ﴾۔[وافی:۵۱۴ج۴]

۳۔ زجر و توبیخ: یہ ماضی پر آتا ہے، جیسے: ﴿لَوْلَا جَاءُوْا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ﴾!!۔[وافی:۵۱۴ج۴]

❁ لَوْمَا: بمعنی" لَوْلَا "کے ہے، جیسے: ﴿لَوْمَا تَأْتِيْنَا بِالْمَلَائِكَةِ﴾۔ [۳]

❁ لَيْتَ: [سبق:۱۶میں گذر چکا]

﴿حرف المیم﴾

❁ مَا: اس کی دو قسمیں ہیں: اسمیہ[۴] و حرفیہ۔[۵]

الْمَغِيْظُ الْمُحنَقُ (تیرا احسان کرنا تجھے کیا نقصان دے رہا تھا؟، بسا اوقات حوصلہ مند انسان سخت ناراض ہونے کے باوجود احسان کردیا کرتا ہے[اشمونی ق۱۰۸،مغنی]۔قرآن مجید میں ہے: ﴿يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ﴾، ﴿وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ﴾، آیتِ ثانی میں لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ :معطوفین وَدُّوْا کامفعول بہ واقع ہیں۔[اعراب القران وبیانہ، والاعراب المفصل فی کتاب اللہ المرتل]۔ وہ لوگ پہلے آپ کا ڈھیلا ہونا پھر اپنا ڈھیلا ہونا چاہتے ہیں۔

[۱]ان میں پہلا جملہ اسمیہ ہوتا ہے جس کی خبر اکثر محذوف ہوتی ہے۔ اگر خبر کون مطلق یعنی افعال عامہ میں سے ہو، (مثلا: حاصلٌ، ثابتٌ، کائنٌ، موجودٌ وغیرہ، جو وجودِ محض یعنی ہونے اور پائے جانے پر دلالت کرتے ہیں، کسی مصدری معنی کی قید نہیں ہوتی) تو اس کا حذف کرنا وجوبی ہے، جیسے: مثال مذکور میں ہے۔اور اگر خبر کون مقید ہو(مثلاً: نَامَ، قَعَدَ، يَكْتُبُ، يَقْرَءُ وغیرہ، جو کسی معنیٔ مصدری کی قید کے ساتھ وجود پر دلالت کرتے ہیں)اور حذف خبر پر قرینہ نہ پایا جائے تو خبر کا ذکر کرنا ضروری ہے، جیسے: لولا زيدٌ مُحْسِنٌ إِلَيَّ مَا أَتَيْتُكَ۔[شرح ابن عقیل:۱۴۵، وافی:۵۱۹،۲۷۶ج۴،۱]۔

[۲]خواہ لفظاً ہو، جیسے: مثال مذکور میں، یا معناً، جیسے: ﴿لَوْلَا أَخَّرْتَنِيْ إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيْبٍ﴾، أَيْ: لَوْلَا تُؤَخِّرُنِيْ ۔ تقدیراً، جیسے:لَوْلَا الشَّهَادَةَ تُؤَدِّيْها على وَجْهِها، أَيْ: لَوْلَا تُؤَدِّيْ الشَّهَادَةَ، تُؤَدِّيْها۔[وافی:۵۱۴ج۴، "أَلَّا" میں بھی گذر چکا ہے]۔ [۳]شرط کے لیے، جیسے:لوما الْهَوَاءُ لَمَاتَ الْأَحْيَاءُ[وافی:۵۱۳ج۴]۔ زجر و توبیخ کے لیے، جیسے:لوما دَرَسْتَ فِيْ الصِّغَرِ۔ تحضیض وعرض کی مثال کتاب میں مذکور ہے۔

[۴]یہ ترکیب کلام میں لَهَا مَحَلٌّ مِنَ الْإِعْرَابِ (یعنی کسی عامل کا معمول) ہوتا ہے۔[المعجم المفصل فی الاعراب]

۞**١۔ اسمیہ:** زیادہ تر تین معنوں میں آتا ہے:[١]

١۔ موصولہ: یہ صلہ کا محتاج ہوتا ہے، **جیسے:** ﴿مَاعِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللهِ بَاقٍ﴾۔

٢۔ نکرہ موصوفہ:[٢] یہ صفت کا محتاج ہوتا ہے، **جیسے:** رُبَّ مَـاتَكْرَهُ النُّفُوْسُ عَنِ الْأَمْرِ لَهُ فَرْجَةٌ كَحَلِّ الْعِقَالِ۔[٣]

٣۔ شرطیہ: یہ جزا کا محتاج ہوتا ہے، **جیسے:** ﴿وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ﴾۔

﴿**فائدہ**﴾: "ما" جب موصولہ ہوتا ہے تو **بمعنی** "الَّذِي" **غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے**

۞**٢۔ "ما" حرفیہ:** کی بھی تین صورتیں ہیں:

١۔ نافیہ، جیسے: ﴿مَا هٰذَا بَشَراً﴾، ﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ﴾

٢۔ کافہ[٤]، **جیسے:** ﴿أَنَّمَا إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَاحِدٌ﴾۔

٣۔ بمعنی "مَادَامَ"، **جیسے:** أَقُوْمُ مَا جَلَسَ الْأَمِيْرُ۔[٥]

---

[٥] یہ لامحل لها مِنَ الإِعْرَاب (یعنی کسی عامل کا معمول نہیں) ہوتا ہے۔[المعجم المفصل فی الاعراب]

[١] نمبر **٤۔** کبھی استفہامیہ ہوتا ہے، جیسے: ﴿مَا لَوْنُهَا ؟﴾، ﴿مَاغَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ؟﴾، **٥۔** کبھی نکرہ تامہ ہوتا ہے، جو نہ کسی کا محتاج ہوتا ہے، نہ جزم دیتا ہے: یہ اظہار تعجب کے لیے آتا ہے، جیسے: مَاأَحْسَنَ زَيْداً، **٦۔** کبھی "شَيْئاً" کے معنی میں تمیز ہوتا ہے، جیسے: ﴿نِعِمَّا هِيَ﴾، **٧۔** کبھی صفت واقع ہوتا ہے، اور ابہام پر دلالت کرتا ہے، جیسے: ﴿مَثَلاً مَّا (مبدل منہ) بَعُوْضَةً (بدل)﴾، ﴿قَلِيْلاً مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾۔[مستفاد: کافیہ: اسم موصول، رضی: ١٣٦ج ٣، وافی: ٣٥٤ج ١]

[٢] یہ غیر ذوی العقول، مثلاً: "شَيْئٌ" یا "أَمْرٌ" کے معنی میں ہوتا ہے اور نکرہ کا حکم رکھتا ہے[مغنی: ٩٢٦۔ وافی: ٣٥٢ج]

[٣] اس کا پہلا مصرع اس طرح ہے: لَا تَضِيْقَنَّ بِالْأُمُوْرِ فَقَدْ تُكْشَفُ غَمُّهَا بِغَيْرِ اِحْتِيَالٍ۔ رُبَّ: حرف جار زائد، مَا: نکرہ موصوفہ، تَكْرَهُ النُّفُوْسُ عَنِ الْأَمْرِ: صفت، موصوف مع صفت محلاً مرفوع مبتدا، لَهُ فَرْجَةٌ كَحَلِّ الْعِقَال: خبر۔[اشمونی رقم ٩٥] حوادثات سے تو ہرگز پریشان مت ہونا، کبھی اس کے (ابر ہائے) غم بغیر تدبیر کے چھٹ جاتے ہیں۔ بسا اوقات کوئی حادثہ جس کو نفس ناپسند کرتا ہے وہ عقال (وہ رسی جو اونٹ کے پاؤں پر باندھی جاتی ہے تاکہ کھڑا نہ ہو جائے) کھولنے کے مانند آسان ہوتا ہے۔

[٤] یہ زائدہ ہوتا ہے، (معنی میں اس کا کوئی دخل نہیں ہوتا)[وافی: ٦٣٦ج ١]، یہ کافہ عن عمل الرفع ہوتا ہے، جیسے: قَلَّمَا۔ کبھی کافہ عن عمل النصب والرفع، جیسے: إِنَّمَا۔ کبھی کافہ عن عمل الجر، جیسے: رُبَّمَا[مغنی: ٣٠٦]۔ نیز کبھی غیر کافہ عن العمل بھی ہوتا ہے، جیسے: أَيْنَمَا، حَيْثُمَا، إِذْمَا، وغیرہ؛ یہ سب زائدہ ہیں۔

[٥] یہ مصدریہ ہوتا ہے، جو ظرف واقع ہوتا ہے، جیسے: مثال مذکور میں، کبھی غیر ظرفیہ ہوتا ہے، جیسے: ﴿وَ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَارَحُبَتْ﴾، أَيْ: بِرُحْبِهَا۔ [مغنی: ٣٠٣ج ١]

۞ مَنْ: چار معنوں میں آتا ہے:

۱۔ شرطیہ: یہ جزا کا محتاج ہوتا ہے، جیسے: ﴿مَنْ يَعْمَلْ سُوْءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾۔

۲۔ استفہامیہ، جیسے: ﴿مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا؟﴾، ﴿فَمَنْ رَّبُّكُمَا؟﴾۔

۳۔ نکرہ موصوفہ: [۱] یہ صفت کا محتاج ہوتا ہے، جیسے: مَرَرْتُ بِمَنْ مُعْجَبٍ لَكَ [۲]

٤۔ موصولہ بمعنی "الَّذِيْ": جو ذوی العقول کے لیے مستعمل ہوتا ہے، یہ صلہ کا محتاج ہوتا ہے، جیسے: ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ﴾۔

۞ مُذْ و مُنْذُ: یہ دو طرح سے آتے ہیں: [مغنی: ۳۳۵ ج۱]

۱۔ حرفی: حروف جارہ میں سے ہیں، ان کا مابعد مجرور ہوتا ہے۔

۲۔ اسمی: ان کا مابعد مرفوع ہوتا ہے، یا جملہ۔ [سبق: ۴۲ ملاحظہ ہو]

۞ مِنْ (بالکسر): چند معنوں میں آتا ہے:

۱۔ ابتدائیہ [مجرور سے کام کی ابتدا ہو رہی ہے]، جیسے: سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ۔

۲۔ بعضیہ [مجرور کے بعض افراد سے حکم کا تعلق ہے]، جیسے: قَطَفْتُ مِنَ الْأَثْمَارِ۔

۳۔ بیانیہ [مجرور مبہم چیز کی وضاحت کرتا ہے]، جیسے: ﴿فَاجْتَنِبُوْا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ﴾۔

٤۔ سببیہ، جیسے: لَا أَسْتَطِيْعُ الْحَرْكَةَ مِنَ الضُّعْفِ۔

۵۔ بدل، جیسے: ﴿أَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ﴾۔

٦۔ فصل: جب دو متضاد چیزوں پر آئے، جیسے: ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ﴾ [۳]

۞ مَعَ: لازم الاضافت ہے، اور ظرف واقع ہوتا ہے، جیسے: ﴿وَاللهُ مَعَكُمْ﴾۔ [۴]

---

[۱] یہ ذوی العقول، مثلاً: " رَجُلٌ، شَخْصٌ، اِنْسَانٌ " کے معنی میں ہوتا ہے اور نکرہ کا حکم رکھتا ہے۔ [وافی: ۳۵۲]

[۲] میں ایسے شخص کے پاس سے گذرا جو آپ کو پیارا ہے۔

[۳] نمبر ۷۔ بمعنی "فِي"، جیسے: ﴿إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ﴾، ۸۔ زائدہ: نفی، نہی یا استفہام کے بعد، جیسے: ﴿ما لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ﴾ [مغنی:]۔

[۴] مغنی: ۳۳۳ ج۱ ملاحظہ ہو۔

﴿حرف النون﴾

❁نون: اس کا استعمال چار طرح سے ہے: ۱-تاکید ۲-تنوین ۳-جمع ۴-وقایہ۔

❁**۱۔ نون تاکید:** اس کی دو قسمیں ہیں: ۱-ثقیلہ ۲-خفیفہ، اور دونوں فعل کے ساتھ مختص ہیں، جیسے: ﴿لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْناً مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ﴾۔

❁**۲۔ نون تنوین:** جو ساکن ہو اور کلمہ کے آخری حرف پر حرکت کے بعد بغیر تاکید کے آئے، اس کی پانچ قسمیں ہیں: تمکن، تنکیر، عوض، مقابلہ، ترنم۔

۱۔ تنوین تمکن: جو اسم معرب کے آخر میں اس کے منصرف [۱] ہونے کے اظہار کے واسطے آئے، جیسے: زَيْدٌ وَ ضَارِبٌ۔

۲۔ تنوین تنکیر: جو بعض اسموں کے آخر میں ان کے مدلول کے معرفہ یا نکرہ کی تفریق کے واسطے آئے، اور یہ اسماءِ افعال میں سماعی ہے، جیسے: "صَـــهٍ" [تنوین کے ساتھ] یعنی "اُسْكُتْ سُكُوْتاً مَّا فِيْ وَقْتٍ مَّا" [۲]۔ بخلاف "صَهْ" [بلاتنوین] جس کے معنی ہیں: "اُسْكُتِ السُّكُوْتَ الْآنَ"۔

۳۔ تنوین عوض: جو "مضاف الیہ" محذوف کے عوض میں آئے [۳]، جیسے: ﴿فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ و ﴿يَوْمَئِذٍ﴾ [۴]۔

---

[۱] اسم منصرف کو "اسم متمکن امکن" اور اسم غیر منصرف کو "اسم متمکن غیر امکن" بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ منصرف ایسا اسم معرب ہے جس کو نہ مبنی کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے، نہ فعل کے ساتھ، اس پر تینوں اعراب آسکتے ہیں اس لیے وہ اسم متمکن امکن ہوا، اور غیر منصرف کو فعل کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے، اس پر کسرہ اور تنوین نہیں آسکتی، اس لیے وہ اسم متمکن غیر امکن ہوا۔ [وافی: ۳۷ ج ۱، شرح ابن عقیل: ۶۴۹، ۵۱]

[۲] "صَهْ" اسم فعل بمعنی "اُسْكُتْ" ہے۔ یہ بلاتنوین ہو تو معنیٰ خاص مراد ہوگا، مثلاً: آپ کی مرضی نہ ہوتے ہوئے آپ سے کوئی بات کر رہا ہے اس کو "صَهْ" کہنے کا مطلب ہوگا "اُسْكُتِ السُّكُوْتَ الْآنْ" یعنی ابھی اس بات سے خاموش رہیے، کسی دوسرے وقت یہ بات کرنا۔ اور تنوین کے ساتھ ہو تو عام معنی مراد ہوگا، اور مطلب ہوگا: "اُسْكُتْ سُكُوْتاً مَّا فی وقتٍ مَّا"، بالکل خاموشی اختیار کرلو، کسی دوسرے وقت یا کسی کے سامنے بھی یہ بات مت کرنا [وافی: ۳۵ ج ۱]۔ اسی طرح "فِرْعَوْنُ" (بغیر تنوین کے)، اس سے فردِ معہود شاہِ مصر مراد ہوگا۔ اور "لِكُلِّ فِرْعَوْنٍ مُوْسٰى" (تنوین کے ساتھ)، اس سے ہر وہ فرد مراد ہوگا جس میں وصفِ فرعونیت پایا جاتا ہو۔

٤۔ تنوین مقابلہ:[۱] جوجمع مؤنث سالم کے آخر میں آئے، جیسے: مُسْلِمَاتٌ۔

﴿فائدہ﴾: یہ چاروں قسمیں اسم سے مختص ہیں۔

٥۔ تنوین ترنم: جو اشعار میں تحسینِ صوت اور ترنم کے واسطے آئے، جیسے: أَقِلِّي اللَّوْمَ عاذِلُ! وَالْعِتَابَنْ ۞ وقُوْلِي: إِنْ أَصَبْتُ لَقَدْ أَصَابَنْ [۲]۔[اَلْعِتَابَنْ اصل میں "الْعِتَابَ"، اور أَصَابَنْ اصل میں "أَصَابَ" ہے، اور عَاذِلُ اصل میں "يَا عَاذِلَةُ!" تھا ،حرف ندا کو حذف کر کے منادی کو مرخم کیا ہے]۔

﴿فائدہ﴾: یہ تنوین حصول ترنم کی غرض سے ہر ایک قسم کے افعال واسماء بلکہ معرف باللام اور حروف پر بھی آجاتی ہے۔[ہدایۃ النحو]

۞ ۳۔ نون جمع مؤنث: یہ ضمیر فاعل ہے، جیسے: ذَهَبْنَ، يَذْهَبْنَ۔

۞ ٤۔ نون وقایہ: جو یائے متکلم کے پہلے آئے، جیسے: ضَرَبَنِي، يَحْزُنُنِي، إِنَّنِي۔

ت].... ۞ نَعَمْ: حرف جواب ہے، کلام سابق کی تقریر کے واسطے آتا ہے، لہٰذا خبر کے بعد تصدیق اور استفہام کے بعد جواب کے واسطے مستعمل ہوگا؛ خواہ کلام مثبت ہو یا منفی۔[۳]

[کافیہ، اجل میں بھی گذر چکا]

﴿حرف الواو﴾

---

[۳] حرف محذوف کے عوض میں بھی آتی ہے، جیسے: جَوَارٍ، غَوَاشٍ دونوں مثالوں میں حرف محذوف کا عوض ہے۔ [مغنی: ۳۴۱ج۲] اصل میں جَـوَارِيٌ، غَـوَاشِيٌ تھے، کتاب الصرف کے قاعدہ: ۱۸،۱۵ کے، یا علم الصیغہ کے قاعدہ: ۲۵ کے مطابق "جَوَارٍ، غَوَاشٍ ہوگیا۔

[۴] مضاف الیہ کبھی مفرد ہوتا ہے، جیسے: ﴿فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلىٰ بَعْضٍ﴾، أي: على بعضهم، کبھی ایک جملہ، کبھی متعدد جملے بھی ہوسکتے ہیں، جیسے: ﴿إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا، وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا، يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا﴾، أي: يَوْمَ إِذْ زُلْزِلَت الْأَرْض، وأَخْرَجَتْ الْأَرْضُ۔[وافی: ۳۸ج۱]

[۱] یہ تنوین عامۃً جمع مذکر سالم کے نون کے مقابلہ میں آتی ہے۔[وافی: ۴۲ج۱]

[۲] اے ملامت کرنے والی! تو مجھے لعن طعن مت کر، اور جب میں اپنے قول وفعل میں ٹھیک راہ پر ہوؤں تو، تو اس کا اعتراف کر (یعنی مجھ سے عقیدت اور حسن ظن رکھ)۔[اشمونی: ۴]

[۳] امر ونہی کے بعد "نَعَمْ" وعدہ پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا "أَكْرِمِ الضَّيْفَ/ لَا تَضْرِبْ زَيْداً" کے بعد "نَعَمْ" کا مطلب ہوگا: جی ہاں! میں اکرام کروں گا/ زید کو نہیں ماروں گا۔ اگر "نَعَمْ" صدر کلام میں ہو تو تاکید کے واسطے آتا ہے،

❁ واو :

۱۔ عاطفہ: یہ **مطلق جمع** کے لیے آتا ہے[۱]، **جیسے:** ﴿فَأَنْجَيْنَاهُ وَ أَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ﴾۔

۲۔ حالیہ:[۲] **جیسے:** جَاءَ زَيْدٌ وَالشَّمْسُ طَالِعَةٌ، ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ أَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾۔

۳۔ ناصبِ مفعول معہ[۳]، **جیسے:** جَاءَ الْبَرْدُ وَ الطَّيَالِسَةَ۔ **۴۔ قسمیہ: جیسے:** وَاللّٰهِ۔

۵۔ بمعنی " أَوْ " وقتِ تقسیم و تفصیل، جیسے: هِيَ اسْمٌ وَ فِعْلٌ وَ حَرْفٌ۔

۶۔ مستانفہ: جب کہ جملہ کا **تعلق منقطع** ہو،[۴] **جیسے:** ﴿مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَ يَذَرُهُمْ﴾، ﴿وَ اتَّقُوْا اللّٰهَ، وَ يُعَلِّمُكُمْ اللّٰهُ﴾۔[مغنی:۳۵۹،۳۸۲ج۲، معجم حروف المعانی: ج۳]

جیسے: نَعَمْ: إِنَّكَ تِلْمِيْذٌ نَشِيْطٌ۔[مغنی:۳۴۵ج۲، جامع الدروس العربیہ:۲۵۵ج۳، استمد ادامنہما]

[۱] **جمع** کا مطلب یہ ہے کہ معطوف، معطوف علیہ کے ساتھ حکم میں شریک ہے۔ اور **مطلق** کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان ترتیب اور مہلت کا لحاظ ضروری نہیں ہے، جیسے: وَصَلَ الْقِطَارُ وَ السَّيَارةُ، بخلاف "فاء" اور "ثُمَّ" کے: اول ترتیب بلا مہلت پر دلالت کرتا ہے، اور دوسرا ترتیب مع مہلت پر دلالت کرتا ہے۔ اگر عطف الجملہ علی الجملہ ہو تو حکم میں شرکت لازمی نہ ہوگی؛ البتہ اعراب کے اعتبار سے شرکت ہوسکتی ہے یا پھر معطوفین کا ایک موضوع و مقصود سے تعلق ہونے کے اعتبار سے شرکت ہوسکتی ہے۔[خلاصہ: معجم حروف المعانی: ج۳، وافی:۵۵۷ج۳]

[۲] اس کی علامت یہ ہے کہ " إِذْ " ظرفیہ کا اس کی جگہ آنا درست ہو۔[شرح ابن عقیل، مغنی:۳۶۰ج۲]

[۳] اس کے لیے ضروری ہے کہ: ۱۔ اس "واو" کے پہلے جملہ ہو جو فعل یا معنیٔ فعل پر مشتمل ہو۔ ۲۔ اس کے بعد اسم ہو، جملہ نہ ہو۔ ۳۔ وہ اسم منصوب ہو۔ ۴۔ "مع" کے معنی سے فساد نہ آتا ہو، جیسے: مثال مذکور میں، اور كَفَاكَ وَ زَيْداً دِرْهَمٌ میں، اور اِسْتَوَى الْمَاءُ وَ الْخَشَبَةَ میں چاروں چیزیں منطبق ہیں۔ " لا تتناولْ وَ تقرأَ " میں واو عاطفہ بمعنی "مع" ہے، کیوں کہ مابعد اسم نہیں ہے، " أقبلَ الْقطارُ وَ النَّاسُ مُنتظِرون " میں واو حالیہ ہے، کیوں کہ مابعد جملہ ہے، " اِشْتَرَكَ زَيْدٌ وَ مَحْمُوْدٌ " میں بھی واو عاطفہ ہے، کیوں کہ مابعد مرفوع ہے، اور " نَظَرْتُ عَلِيّاً وَ حَلِيْماً قَبْلَهٗ، شاهدتُ الليل و النهارَ " میں فساد لازم آتا ہے؛ اس لیے ان مثالوں میں "واو" کا مابعد مفعول معہ نہیں ہوگا[وافی:۳۰۶ج۲]۔ **نوٹ:** واو عاطفہ، واو عاطفہ بمعنی "مع"، واو حالیہ، اور واو مستانفہ سے معناً کیا فرق ہوجائے گا؟ اس کے لیے وافی:۳۸۳ج۴ ملاحظہ ہو۔

[۴] **جملہ مستانفہ:** جس سے کلام کی ابتدا ہو یا اثنائے کلام میں ایسا جملہ ہو جس کا ماقبل سے **تعلق منقطع** ہو، **جیسے:** ﴿...... فَقَالُوْا سَلٰماً. قَالَ سَلٰمٌ، قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ﴾، ﴿فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ، إِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعاً﴾، ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ. تَعَالىٰ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (یہاں استیناف بغیر "واو" کے ہے)، "واو اور ف" کے ذریعہ استیناف کی مثالیں، **جیسے:** ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ قَالُوْا إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ. وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ. وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ﴾، ﴿فَلَمَّا اٰتٰهُمَا صَالِحًا...... فَتَعَالىٰ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾، ﴿قُلْ أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ. فَإِنْ تَوَلَّوْا ......﴾، ﴿فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ......﴾۔[خلاصہ: جامع الدروس: ج۳، معجم حروف المعانی: ج۲، موسوعہ:۳۲۴، وافی:۳۹۰ج۴، مغنی:۳۸۲ج۲،

جملہ معترضہ: جو دو متلازم چیزوں: مبتدا-خبر، فعل-فاعل-مفعول، موصول-صلہ، شرط-جزا، ذوالحال-حال وغیرہ کے درمیان آجائے

اور سابق ولاحق سے **تعلق منقطع** ہو، **جیسے:** فلما وضعتها قالت ربي إني وضعتها أنثى - والله أعلم بما وضعت - وليس الذكر كالأنثى ﴿، ﴿فإن لم تفعلوا - ولن تفعلوا - فاتقوا النار﴾ - [حوالہ مذکورہ بالا]

۞ وا : ۱۔ حرفِ ندا: یہ ندبہ سے مختص ہے، جیسے: وَا زَیْدَاہْ!

۲۔ اسمِ فعل بمعنی " أَعْجَبُ "، جیسے: وَا ! بِأَبِيْ أَنْتِ وَ فُوْكِ الْأَشْنَبُ۔ [۱]

﴿حرف الهاء﴾

۞ هٗ: ۱۔ ضمیر غائب مقام جر و نصب میں، جیسے: ﴿قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ﴾۔

۲۔ ہائے سکتہ: جو بعض کلمات کے آخر میں وقف کے وقت اظہارِ حرکتِ آخر کے واسطے آئے [۲]، جیسے: ﴿مَاهِيَهْ﴾، ﴿سُلْطَانِيَهْ﴾، ﴿لَمْ يَتَسَنَّهْ﴾۔ [رضی: ۵۳۹ ج ۴]

۞ هَا : ۱۔ اسمِ فعل: بمعنی " خُذْ "، جیسے: هَا زَيْداً۔

۲۔ ضمیر مؤنث غائب مقام نصب و جر میں، جیسے: ﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰيهَا﴾۔

۳۔ حرفِ تنبیہ: جو اسم اشارہ پر آئے، جیسے: هٰذَا ، اور " أَيٌّ " کے بعد ندائے معرفہ میں، جیسے: يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ!۔

۞ هَلْ : ۱۔ حرفِ استفہام: کلامِ مثبت میں آتا ہے، جیسے: هَلْ تُسَافِرُ؟، ﴿هَلْ وَجَدْتُّمْ ما وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا﴾۔ [مغنی: ۳۵۰]

۲۔ بمعنی ہر آئینہ (یعنی: تحقیق)، جیسے: ﴿هَلْ أَتٰى عَلَى الْإِنْسَانِ ......﴾۔ [۳]

۞ ﴿یاء﴾ : ۱۔ ضمیر واحد مؤنث حاضر فاعلی ہے، جیسے: تَفْعَلِيْنَ ، اِفْعَلِيْ۔

۲۔ ضمیر واحد متکلم: مقام نصب و جر میں، جیسے: يَنْصُرُنِيْ رَبِّيْ۔

۞ يَا: حرفِ ندا ہے، اور لفظ " اللّٰه "، منادی مستغاث اور أَيُّهَا و أَيَّتُهَا کے لیے اسی کا استعمال خاص ہے۔

الاعراب المفصل لکتاب اللہ المرتل]۔

[۱] دوسرا مصرع یہ ہے: كَأَنَّمَا ذُرَّ عَلَيْهِ الزَّرْنَبُ ، وا: فعل بافاعل، بأبي: ظرف مستقر خبر مقدم، أنت و فوك الأشنب: مبتدا مؤخر، [كَأَنَّمَا ......: فوک سے حال واقع ہے [اشمونی: ق۹۴۱] مجھے تعجب ہے! میرے والد قربان جائیں تجھ پر اور تیرے چمکیلے دانتوں والے منہ پر جس پر لگتا ہے کہ خوشبو چھڑک دی گئی ہے۔

[۲] اس کا الحاق جوازی ہے، مگر کہیں وجوبی ہوتا ہے، مثلاً: " قِ " فعل امر پر وقف کرنا ہو تو " قِهْ " پڑھا جائے گا، اسی طرح " رَ " فعل امر پر وقف کرنا ہو تو " رَهْ "، اور " هِيَ " ضمیر متصل پر وقف کرنا ہو تو " هِيَهْ " پڑھا جائے گا۔ [جامع الدروس العربیہ: ۱۳۱ ج ۲، شرح ابن عقیل: ۳۰۵۷۳ ج ۲]۔

[۳] نمبر ۳۔ نافیہ: جبکہ بعد میں " إِلَّا " ہو، جیسے: ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ إِلَّا السَّاعَةَ﴾، ﴿هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾۔

مائۃ عامل (اردو منظوم)

نحو میں ہیں ایک سو عامل یہی فرما گئے	شیخ عبدالقاہر جرجانی پیر ہدیٰ
صرف دو ہیں معنوی ان میں سے، باقی لفظی ہیں۔	پھر ہوئے لفظی سماعی اور قیاسی، بے خطا
ایک اور نوّے سماعی ہیں، قیاسی سات جان۔	پھر سماعی کی ہیں تیرہ قسم بے چون و چرا

پہلی قسم

قسم پہلی حرف جر، جو سترہ ہیں، ان کو یاد رکھ۔	زیر دیتے ہیں ہمیشہ اسم کو ، اے فتا !
با و تا و کاف و لام و، واو و مُنْذُو مُذْ خَلا	رُبَّ،حَاشا،مِنْ،عَدا،فِيْ،عَنْ،عَلٰی،حتّٰی،إِلی

دوسری قسم

إِنَّ وأَنَّ ، كَأَنَّ ، لَيْتَ ، لٰكِنَّ ، لَعَل	اسم کے ناصب ہیں یہ ، رافع خبر کے، دائما

تیسری قسم

قسمِ ثالث مَا و لَا ہیں، جو ہیں ثانی کے خلاف	اسم کے رافع ہیں یہ ، ناصب خبر کے، سدا

چوتھی قسم

واوُ ، يَا و ھمزہ و إِلَّا ، أَيَا ، أَيْ ، هَيَا	اسم کے ناصب ہیں ساتوں حرف یہ، اے مقتدا!

پانچویں قسم

أَنْ ولَنْ پھر كَيْ، إِذَنْ ،ہیں یہ حروفِ ناصبہ،	کرتے ہیں منصوب مستقبل کو، بے روئے و ریا

چھٹی قسم

إِنْ ولَمْ ، لَمَّا و لَامِ امر و لَائے نہی بھی؛	فعل کو کرتا ہے جزم ان میں سے ہر ایک۔ بے دغا

ساتویں قسم

قسمِ ہفتم: فعل کے نو اسم جازم ہیں، سنو!	پانچ ان میں سے ہیں:مَنْ، مَهْمَا، مَتٰی، إِذْمَا ، و مَا
پھر چھٹا: أَيٌّ کو جانو، ساتواں ہے: حَيْثُمَا	آٹھواں: أَنّٰی کو سمجھو، اور نواں ہے:أَيْنَمَا

آٹھویں قسم

دیتے ہیں اسمِ منکر کو نصب یہ چار اسم،	جبکہ ہو تمیز وہ اسمِ منکر، برملا
پہلا ہے: لفظ عَشَر جب وہ أَحَد سے ملے۔	تسع تسعین تک یہی رہتا ہے حکم ان کا،سدا
ثانی: وہ كَمْ جو ہوا استفہام ہی کے واسطے۔	پھر كَأَيِّنْ تیسرا ہے،اور چوتھا ہے: كَذَا

نویں قسم

نو ہیں بس اسمائے افعال: ان میں رافع تین ہیں،	دو ہیں :هَيْهَات اور شَتَّان، تیسرا سَرْعَان ہوا
چھ ہیں ناصب:دُوْنَكَ، بَلْهَ، عَلَيْكَ ،حَيَّهَل	پھر رُوَيْدَ اور هَا کو یاد رکھ، اے باوفا!

دسویں قسم

فعلِ ناقص تیرہ: جو عامل ہیں مثلِ مَا و لَا	اسم کے رافع ہیں، اور ناصب خبر کے، دائما
کَانَ، صَارَ، أَصْبَحَ، أَمْسٰی و أَضْحٰی، ظَلَّ، بَات	مَابَرِحَ، مَادَامَ، مَاانْفَكَّ، لَيْسَ ہیں اور مَافَتِیٔ
ایسے ہی مَازَال، پھر افعال نکلیں ان سے جو،	ہے وہی ان کا عمل؛ جو اصل تیرہ کا لکھا۔

گیارہویں قسم

جو ہیں افعالِ مقارب مثل ناقص ان کو جان،	چار ہیں وہ: أَوْشَكَ، كَادَ، كَرَبَ، دیگر عَسٰی
دیتے رفع اسم کو ہیں، اور خبر کو نصب۔	ہے یہی ان کا عمل، تو یاد کر اس کو، سدا

بارہویں قسم

سات ہیں افعالِ یقین وشک، تو کر اس میں نہ شک،	کرتے ہیں منصوب دو اسموں کو، بے روئے وریا
ہیں عَلِمْتُ اور رَأَيْتُ اور وَجَدْتُ اور زَعَمْت	پھر حَسِبْتُ اور خِلْتُ اور ظَنَنْتُ، بے خطا
تین پہلے ہیں یقیں کے واسطے، تو کر یقین،	اور تین آخر کے ہیں شک کے لیے، بیشک دلا!
درمیاں شک اور یقیں کے ہے جو فعل مشترک	ہے وہ زَعَمْتُ درمیاں چھ کے جو اوپر لکھا۔
نام ہے ساتوں کا افعال قلوب، اے دلربا!	کہتا ہوں جو دل سے میں، اس میں تو اپنا دل لگا۔

تیرہویں قسم

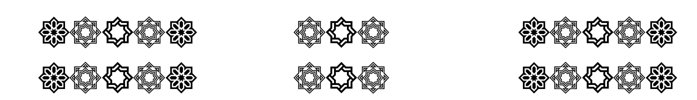
چار فعلِ مدح وذم ہیں؛ رافعِ اسمائے جنس،	اور وہ ہیں: بِئْسَ، سَاءَ، اور نِعْمَ، حَبّذَا
بِئْسَ، سَاءَ ہیں برائے ذم، بچو ان سے مدام،	تا کہ دنیا اور عقبٰی میں تمہارا ہو بھلا
ہیں برائے مدح: نِعْمَ، حَبَّذَا، اے جانِ من!	پس کرو تم فعل قابل مدح کے صبح ومَسَا۔

قیاسی عامل

اسم فاعل اور مصدر ہیں قیاسی، اے عزیز!	اسم مفعول ومضاف وفعل ہیں پھر مطلقا
اور صفت کا صیغہ مثلِ اسم فاعل، اس کو جان۔	ہفتم اسم تام ہے، ناصب ہے جو تمیز کا

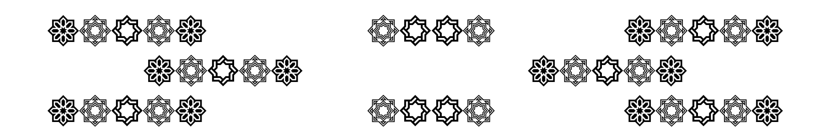
معنوی عامل

دو ہیں عامل: معنوی ان کو بھی سنتے جایئے،	ایک: مضارع میں ہے، اور ہے مبتدا میں دوسرا۔
عاملِ ناصب و جازم نہ ہونا لفظ میں	رفع کرتا ہے مضارع کو ہمیشہ، اے فتا!
خالی ہونا مبتدا کا عاملِ لفظی سے بھی	کرتا ہے مرفوع دائم مبتدا کو، مشفقا!



اہم مصادر ومراجع

نمبر	کتاب	مصنف	ناشر
١	شرح ابن عقیل (حاشیہ حلاوی)	ابوعبداللہ ابن عقیلؒ (م ٧٦٩ھ)	دار إحیاء التراث، بیروت
٢	رضی شرح الکافیہ (امیل بدیع)	محمد بن الحسن الرضیؒ (م ٦٨٦ھ)	دار الکتب العلمیہ، بیروت
٣	أوضح المسالک (محی الدین عبدالحمید)	إبن ہشام انصاریؒ (م ٧٦١ھ)	المکتبۃ العصریہ، بیروت
٤	شرح شذور الذہب	إبن ہشام انصاریؒ (م ٧٦١ھ)	بیروت
٥	مغنی اللبیب	إبن ہشام انصاریؒ (م ٧٦١ھ)	دار إحیاء التراث العربی، بیروت
٦	الاشباہ والنظائر	جلال الدین سیوطیؒ (م ٩١١ھ)	دار الکتاب العربی، بیروت
٧	غایۃ التحقیق شرح کافیہ	صفی الدین بن نصیر الدمیؒ	لاہور
٨	النحو الوافی	الاستاذ عباس حسن	قاھرہ، مصر
٩	جامع الدروس العربیہ	الشیخ مصطفیٰ الغلاپینی	المکتبۃ العصریہ، بیروت
١٠	النحو القرانی	الدکتور جمیل احمد ظفر	مکۃ المکرّمہ
١١	المعجم المفصل فی التذکیر والتانیث	الدکتور امیل بدیع یعقوب	دار الکتب العلمیہ، بیروت
١٢	المعجم المفصل فی الاعراب	الاستاذ طاہر یوسف الخطیب	دار الکتب العلمیہ، بیروت
١٣	القواعد الاساسیہ للغۃ العربیہ	سید احمد الہاشمی (م ١٣٦٢ھ)	دار الکتب العلمیہ، بیروت
١٤	التسہیل السامی علی شرح جامی	قاری صدیق صاحب باندویؒ	مکتبۃ البلاغ، دیوبند
١٥	رسالۂ لامیہ (فصول اکبری)	علی اکبر الہ آبادی	مکتبہ مجتبائی، دہلی
١٦	روایۃ النحو شرح ہدایۃ النحو	مولانا عبدالرب میرٹھیؒ (١٣٦٠ھ)	مکتبہ محمودیہ اندرکوٹ، میرٹھ
١٧	حبیبیہ شرح کافیہ	مولانا عبدالرب میرٹھیؒ (١٣٤٨ھ)	مکتبہ محمودیہ اندرکوٹ، میرٹھ
١٨	ہادیہ شرح کافیہ	حضرت مفتی سعید صاحب پالنپوری	مکتبہ حجاز، دیوبند
١٩	کشف الظلام فی تحقیق الالف واللام۔ از-- مفتی محمد ارشاد قاسمی		مکتبہ نعمانیہ، دیوبند
٢٠	موسوعۃ النحو والصرف والاعراب	الدکتور امیل بدیع یعقوب	دار العلم للملایین، بیروت
٢١	معجم حروف المعانی فی القرآن	محمد حسن الشریف	مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت



❁ طریقۂ تعلیم ❁

عربی زبان سیکھنے کی دو حیثیتیں ہیں: (۱) دنیاوی ضرورت؛ تاکہ اہل عرب کے ساتھ معاملات ومعاشرت میں گفتگو اور افہام وتفہیم آسان ہو جائے، اس کے لیے نحو وصرف (grammar) کی کتابیں پڑھنے کی حاجت نہیں ہے، عربی کتابیں (readr books) پڑھنے اور اس کے مطابق لکھنے بولنے سے یا ماحول میں آپسی گفتگو (conversation) سے سیکھ سکتے ہیں، (۲) دینی ضرورت؛ تاکہ قرآن وحدیث کو صحیح سمجھ سکے، اس کے لیے فنِ نحو وصرف کا سیکھنا لازم اور ضروری ہے، کیوں کہ اس کے ساتھ معانی ومفہوم کا گہرا ربط وتعلق پایا جاتا ہے، اس کو پڑھے سمجھے بغیر قرآن و حدیث کا سمجھنا باعثِ گمراہی ہوگا، اسلامی جامعات میں عربی زبان کو بہ حیثیتِ دوم پڑھایا جاتا ہے۔

عربی نحو وصرف سیکھنے میں تین باتیں پیشِ نظر ہونی چاہیے: حفظِ مضامین، فہمِ مضامینِ اور عبارت میں اس کا اجرا، مناسب ہے کہ زبانی کروائے جانے والے اسباق کو دو مرحلوں میں تقسیم کردیا جائے: (۱) **متعلقاتِ مقاصد**: یعنی ابتدائی چیزیں مثلاً مفرد ومرکب مع اقسام، معرب ومبنی مع اقسام، منصرف وغیر منصرف، معرفہ ونکرہ، تذکیر وتانیث، واحد، تثنیہ وجمع وغیرہ۔ (۲) **مقاصد**: یعنی عوامل، اسمائے مشبہ بالفعل اور ان کے معمولاتِ مرفوعہ، منصوبہ، مجرورہ، مجزومہ اور توابع وغیرہ۔

مرحلۂ اول: پہلے مرحلہ کو حتی الامکان جلد زبانی کروادیا جائے، اس میں بہ نسبت فہمائش کے قوت حفظ پر زور زیادہ دیا جائے تاکہ طلبہ کی توجہ فہم وحفظ میں بٹ نہ جائے اور ذہن زبانی کرنے میں یکسو ہو جائے، اور آج کا دیا ہوا سبق سننے کے ساتھ پچھلے تین- چار اسباق بطور سبق پارہ سننے کا بھی اہتمام کیا جائے، مقدار بڑھ جائے تو سبق پارے کو تین- چار گروپ بنا کر ایک ایک گروپ کا اجتماعی طور پر سنا جائے، اس میں وقت کم خرچ ہوگا، مرحلۂ اول کی تکمیل پر تمرینات میں دی ہوئیں امثلہ کے کلمات میں یاد کردہ اسباق کے اجرا پر یعنی مقسم بہ اور ان کے اقسام کی شناخت کروانے پر خصوصی توجہ دی جائے جس میں امورِ ذیل کا خیال رکھا کائے: (**امرِ اول**) طلبہ مثال کے ترجمہ کے بعد مفید وغیر مفید کی مع تعیین اقسام مثلاً اسمیہ وفعلیہ اور اضافی وتوصیفی، اشاری وموصولی وغیرہ کی شناخت کرنے پر قادر ہوسکیں۔ (**امرِ دوم**) مثالوں کے کلمات میں اسم، فعل وحرف کی مع علامت تعیین کرسکیں اور معرب ومبنی کے اقسام نیز اصنافِ اعراب سمجھنے پر قادر ہو جائے، بطور نمونہ تین مثالوں کا اجرا لکھا جاتا ہے:

❁ ١- بسم الله الرحمن الرحيم:

۞ ۱ – بسم الله الرحمن الرحیم:

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان اور بہت مہربان ہے۔ یہ مرکب مفید جملہ فعلیہ ہے کیوں کہ " أشرع "فعل یہاں محذوف ہے۔

ب: حرف جرمبنی ہے۔

اسم: اسم ہے کیوں کہ مجرور ہے،اور مضاف بھی ہے،معرب ہے: مفرد منصرف صحیح ہے، مجرور ہے لفظاً کسرہ کے ساتھ۔

الله: اسم ہے کیوں کہ الف لام ہے،اور مجرور بھی ہے،معرب ہے: مفرد منصرف صحیح ہے، مجرور ہے لفظاً کسرہ کے ساتھ۔

الرحمن: اسم ہے کیوں کہ الف لام ہے،اور مجرور بھی ہے،معرب ہے: غیر منصرف ہے، مگر الف لام کی وجہ سے منصرف ہے، مجرور ہے لفظاً کسرہ کے ساتھ۔

الرحیم: اسم ہے کیوں کہ الف لام ہے،اور مجرور بھی ہے،معرب ہے: مفرد منصرف صحیح ہے، مجرور ہے لفظاً کسرہ کے ساتھ۔

۞ ۲ – الحمد لله رب العالمین:

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہاں کا پروردگار ہے، مرکب مفید جملہ اسمیہ ہے کیوں کے پہلا کلمہ اسم ہے۔

الحمد: اسم ہے کیوں کہ الف لام ہے،معرب ہے: مفرد منصرف صحیح ہے، مرفوع ہے لفظاً ضمہ کے ساتھ۔

ل: حرف جر مبنی ہے۔

الله: اسم ہے کیوں کہ الف لام ہے،اور مجرور بھی ہے،معرب ہے: مفرد منصرف صحیح ہے، مجرور ہے لفظاً کسرہ کے ساتھ۔

رب: اسم ہے کیوں مضاف ہے، اور مجرور بھی ہے،معرب ہے: مفرد منصرف صحیح ہے، مجرور ہے لفظاً کسرہ کے ساتھ۔

العالمین: اسم ہے کیوں کہ الف لام ہے،اور جمع بھی ہے،معرب ہے، جمع مذکر سالم ہے، مجرور ہے یا ماقبل مکسور کے ساتھ۔

۞ ۳ – ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ :

وہ کتاب جس میں کوئی شک نہیں ہے، مرکب مفید جملہ اسمیہ ہے کیوں کہ پہلا کلمہ اسم ہے۔

ذٰلِكَ: اسم ہے کیوں کہ مسند الیہ واقع ہے، مبنی ہے، اسم اشارہ ہے۔

الکتابُ: اسم ہے کیوں کہ الف لام ہے، معرب ہے: مفرد منصرف صحیح ہے، مرفوع ہے لفظاً ضمہ کے ساتھ۔

لَا: " لَا " نفی جنس حرف ہے، مبنی ہے۔

رَیْبَ: اسم ہے کیوں کہ مسند الیہ واقع ہے، معرب ہے، مفرد منصرف صحیح ہے، منصوب ہے لفظاً فتحہ کے ساتھ، (یہاں " لَا " نفی جنس کا اسم مبنی بر فتح واقع ہے)۔

فِيْ: حرف جار مبنی ہے۔

هٖ: اسم ہے، مبنی ہے، مضمرات میں سے ضمیر مجرور متصل ہے۔

اجرا پر گرفت کیسے پیدا ہوگی؟۔

درجہ میں تین، چار یا پانچ گروپ بنالیے جائیں، ہر گروپ میں ایک دو سمجھدار طلبہ بھی ہوں جو اپنے ساتھی کو غلطی پر لقمہ دے سکے، ابتداء میں ہر گروپ کے واسطے دو یا تین مثالیں متعین کر کے رات کو ان کے اجرا کے تکرار کرنے کا طلبہ کو پابند بنایا جائے: اس طرح کہ ہر گروپ میں ہر طالب علم کو متعین کردہ مثال کے ایک-ایک کلمہ کا اجرا بولنے کا مکلّف بنایا جائے **اور استاذ صاحب بھی کلاس میں یکے بعد دیگرے ہر طالبِ علم سے ایک دو کلمہ کا اجرا سنے اور دوسرے طلبہ اسے سنتے رہیں، اس طرح طلبہ کو روانی سے اجرا بولنے پر ان شاء اللہ قدرت حاصل ہوگی۔**

تنبیہ: (۱) تدریج کا خیال رکھنا تعلیم میں از حد ضروری ہے، لہٰذا پہلے مرحلہ میں ترکیبِ نحوی پر زور نہ ڈالا جائے، البتہ مبتدا و خبر اور فعل و فاعل کی شناخت آسان ہو تو مسند و مسند الیہ کی نشان کی جائے تو مضائقہ نہیں، جار و مجرور اور دیگر اجزائے ترکیبیہ کو اس مرحلے میں چھوڑ دیا جائے ورنہ قبل از وقت طلبہ پر بوجھ پڑے گا، لیکن اسمائے معربہ اور افعالِ معربہ پر رفع، نصب، جر اور جزم اصناف اعراب کی کونسی صنف سے آیا ہے؟ اس کا اجرا ہونا ضروری ہے، اس پر خصوصی توجہ دی جائے۔

(۲) مرحلۂ اول کا آموختہ موقوف نہ کر دیا جایا، بلکہ ایک ایک گروپ بلا کر آموختہ کو اجتماعاً سن لیا جائے، اس طرح سے اجرا سننے کے واسطے وقت نکل آئے گا، اور دس پندرہ دن تک مرحلۂ اول کا آموختہ بھی ہو جائے گا اور بالاستقلال اجرا بھی ہوتا رہے گا۔

مرحلۂ دوم:

دوسرے مرحلہ کو زبانی کروانے میں مناسب ہوگا کہ سبق پڑھاتے وقت فہمائش ہو اور اس کو بھی مرحلۂ اول کے مانند سنا جائے۔

نوٹ:- مرحلۂ دوم کے اسباق کے ساتھ مرحلۂ اول کے اجرا سے بالکلیہ صرف نظر نہ ہونا چاہیے، بلکہ ہفتہ میں ایک دن اجرا کی تجدید بھی ہوتی رہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ: ہر گروپ کو علیحدہ علیحدہ متعین کر کے دو مثالیں سپرد کی جائیں اور سننے کے واسطے ایک دن متعین کر لیا جائے، تاکہ اس کی رات کو طلبہ بذریعہ تکرار اجرا یاد کرنے کا اہتمام کریں، اس طرح ہر گروپ کے امثلہ کا اجرا تمام طلبہ کے سامنے آئے گا۔ اس اجرا کے دوران مقدارِ مقروؤہ میں سے مصطلحات کی تعریفات وقواعد کے بھی وقتاً فوقتاً سوالات کیئے جائیں، اس سے طلبہ میں فہم کتاب کا سلیقہ پیدا ہوگا۔

دوسرے مرحلہ کی تکمیل کے بعد حفظِ کتاب کا دور اپنی صواب دید پر انفراداً یا اجتماعاً سنا جائے اور تمرینات وامثلہ میں اجرا کا سلسلہ بھی جاری رہے، بہتر ہوگا کہ دونوں کے واسطے گھنٹے کے اوقات یا ہفتہ کے ایام کو تقسیم کر لیا جائے، اور اجرا میں مرحلۂ اول کے اجرا کے ساتھ ترکیبِ نحوی کو بھی ملا دیا جائے، بطور نمونہ مثالیں ملاحظہ کر لیں:

۱- بسم الله الرحمن الرحيم:

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ یہ مرکب مفید جملہ فعلیہ ہے کیوں کہ " أشرع "فعل محذوف ہے۔

ب: حرف جر مبنی ہے، مابعد کو جر دیتا ہے۔

اسم: اسم ہے کیوں کہ مجرور ہے، اور مضاف بھی ہے، معرب ہے: مفرد منصرف صحیح ہے، مجرور ہے لفظاً کسرہ کے ساتھ ''ب'' حرف جر کی وجہ سے، مضاف ہے۔

الله: اسم ہے کیوں کہ الف لام ہے، اور مجرور بھی ہے، معرب ہے: مفرد منصرف صحیح ہے، مجرور ہے لفظاً کسرہ کے ساتھ، مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے، موصوف ہے۔

الرحمن: اسم ہے کیوں کہ الف لام ہے، اور مجرور بھی ہے، معرب ہے: غیر منصرف ہے، مگر الف لام کی وجہ سے منصرف ہے، مجرور ہے لفظاً کسرہ کے ساتھ، موصوفِ مجرور کی صفت ہونے کی وجہ سے، صفت اول۔

الرحیم: اسم ہے کیوں کہ الف لام ہے، اور مجرور بھی ہے، معرب ہے: مفرد منصرف صحیح ہے، مجرور ہے لفظاً کسرہ کے ساتھ، موصوفِ مجرور کی صفت ہونے کی وجہ سے، صفت ثانی،

موصوف اپنی دونوں صفتوں سے مل کر مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر ''ب'' حرف جر کا مجرور، حرف جر اپنے مجرور سے مل کر متعلق ہوا ''اشرع'' فعل محذوف کا، اس میں ضمیر متکلم فاعل، فعل اپنے فاعل اور متلق سے مل کر جملہ فعلیہ۔

۲— الحمد لله رب العالمين:

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہاں کا پروردگار ہے، مرکب مفید جملہ اسمیہ ہے کیوں کے پہلا کلمہ اسم ہے۔

الحمد: اسم ہے کیوں کہ الف لام ہے، معرب ہے: مفرد منصرف صحیح ہے، مرفوع ہے لفظاً ضمہ کے ساتھ مبتدا ہونے کی وجہ سے۔

ل: حرف جر مبنی ہے، مابعد کو جر دیتا ہے۔

الله: اسم ہے کیوں کہ الف لام ہے، اور مجرور بھی ہے، معرب ہے: مفرد منصرف صحیح ہے، مجرور ہے لفظاً کسرہ کے ساتھ ''لام'' حرف جر کی وجہ سے، موصوف ہے۔

رب: اسم ہے کیوں مضاف ہے، اور مجرور بھی ہے، معرب ہے: مفرد منصرف صحیح ہے، مجرور ہے لفظاً کسرہ کے ساتھ موصوف مجرور کی صفت ہونے کی وجہ سے، مضاف ہے۔

العالمين: اسم ہے کیوں کہ الف لام ہے، اور جمع بھی ہے، معرب ہے، جمع مذکر سالم ہے، مجرور ہے یا ماقبل مکسور کے ساتھ مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر صفت؛ موصوف اپنی صفت سے مل کے مجرور، جار اپنے مجرور سے مل کے متعلق ہوا ''ثابتٌ'' شبہ فعل محذوف کا، اس میں ضمیر راجع بطرف مبتدا اس کا فاعل، شبہ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

۳— ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ:

وہ کتاب جس میں کوئی شک نہیں ہے، مرکب مفید جملہ اسمیہ ہے کیوں کہ اول کلمہ اسم ہے۔

ذٰلِكَ: اسمِ مبنی اسم اشارہ ہے، محلاً مرفوع ہے مبتدا ہونے کی وجہ سے؛ اسم اشارہ،

الکتابُ: اسمِ معرب مفرد منصرف صحیح ہے، لفظاً مرفوع ہے ضمہ کے ساتھ اسم اشارہ مرفوع کا مشار الیہ ہونے کی وجہ سے؛ اسم اشارہ مشار الیہ سے مل کر مبتدا،

لَا: ''لَا'' نفی جنس حرف ہے مبنی ہے، اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیتا ہے،

رَيْبَ: اسم ہے کیوں کہ مسند الیہ واقع ہے، معرب ہے، مفرد منصرف صحیح ہے، یہاں ''لَا'' نفی

جنس کا اسم نکرہ مفرد ہونے کی وجہ سے فتح پر مبنی ہے۔

فِيْ: حرف جار مبنی ہے، مابعد کو جر دیتا ہے۔

ہٗ: اسمِ ضمیر مجرور متصل، مبنی ہے، " فِيْ " کی وجہ سے محلاً مجرور؛ جار اپنے مجرور سے مل کر ظرف مستقر متعلق ہوا " کَائِنٌ " شبہ فعل کا، اس میں ضمیر مرفوع متصل اس کا فاعل، شبہ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر لفظاً مرفوع؛ " لَا " نفی جنس کی خبر، " لَا " نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر محلاً مرفوع مبتدا کی خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

ایک مثال مزید ملاحظہ فرمالیں: ۞ ٤ - **مَنْ وَجَدَ خَيْراً فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ:**

جو شخص بھلائی پائے چاہیے کہ وہ اللہ کی تعریف بیان کرے، مرکب مفید شرط و جزا ہے۔

مَنْ: اسم ہے مسند الیہ ہے، اسم موصول مبنی ہے، شرط کے معنی کو متضمن ہے، محلاً مرفوع ہے مبتدا ہونے کی وجہ سے۔

وَجَدَ: فعل ماضی مبنی ہے، اس میں ضمیر راجع بسوئے "مَنْ": اس کا فاعل۔

خَيْراً: اسم ہے کیوں کہ تنوین ہے، معرب مفرد منصرف صحیح ہے، منصوب ہے فتحہ کے ساتھ مفعول بہ ہے؛ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر صلہ، اسم موصول صلہ سے مل کر مبتدا قائم مقام شرط۔

ف: جزائیہ حرفِ غیر عامل مبنی ہے۔

لِيَحْمَدْ: لام: لام امر حرف جازم مبنی ہے، يَحْمَدْ: فعل امر غائب، مضارع معرب کی چار قسموں میں سے مفرد صحیح ہے، مجزوم ہے لام امر کی وجہ سے، فعل بافاعل۔

اللّٰهَ: اسم ہے کیوں کہ الف لام ہے، معرب مفرد منصرف صحیح ہے، منصوب ہے فتحہ کے ساتھ مفعول بہ ہے؛ فعل بافاعل اپنے مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر قائم مقام جزاء، شرط اپنی جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نوٹ: زبانی کردہ تمام امور کو حاوی ہوا ایسا طویل اجرا کروانے کی ضرورت نہیں ہے، اس سے نفسیاتی طور پر طلبہ بوجھ محسوس کریں گے اور اصل مقصود فوت ہو جائے گا، لہٰذا مذکور اجرا پر اکتفا کرنا چاہیے، البتہ اس دوران کبھی کبھی انفراداً یا اجتماعاً مصطلحات کی تعریفات، قواعد، مقسم بہ اور اقسام دریافت کیے جا سکتے ہیں۔

فہمِ کتاب کی صلاحیت کیسے پیدا ہوگی؟:

یہ ملحوظ رہے کہ عربی اول میں فہم کتاب کا ہرگز یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ طلبہ زبانی کردہ عبارت

کو ہدایۃ النحو اور کافیہ کی طرح سمجھائیں!، بلکہ طلبہ کو یاد کردہ اسباق میں سے مختلف تعبیرات سے سوالات کیے جائیں اور طلبہ زبانی کردہ عبارات میں سوال کے مطابق حذف وترمیم کر کے صحیح جوابات دے سکیں۔

اس کے واسطے زبانی کردہ اسباق میں سے طلبہ سے انفراداً یا اجتماعاً سوالات کرنا نہایت ضروری ہے، یہ استاذ صاحب کی محنت کا کام ہے، کیوں کہ عام طور عصری تعلیم کی کتابوں کے مانند ہمارے درسِ نظامی کی کتابوں میں سوالات نہیں ہوتے یا بہت ہی کم ہوتے ہیں، اس کے واسطے آسان نحو، آسان صرف (مرتب کردہ حضرت مفتی سعید صاحب پالنپوریؒ) سے رہنمائی مل سکتی ہے۔

طلبہ سے متعدد سوالات کرنے پر اگر وہ جواب نہ دے سکیں تو معہود عبارت یا سبق کا حوالہ دیا جائے، اگر طالبِ علم بعینہ رٹی ہوئی عبارت سے جواب دیتا ہے حذف وترمیم کر کے جواب دینے کا طریقہ سمجھایا جائے، اس طرح طلبہ سوالات کے مطابق صحیح صحیح جوابات بتلانے پر قادر ہو جائیں تو کہا جائے گا کہ ان میں حفظِ کتاب کے ساتھ فہم بھی پایا جاتا ہے۔

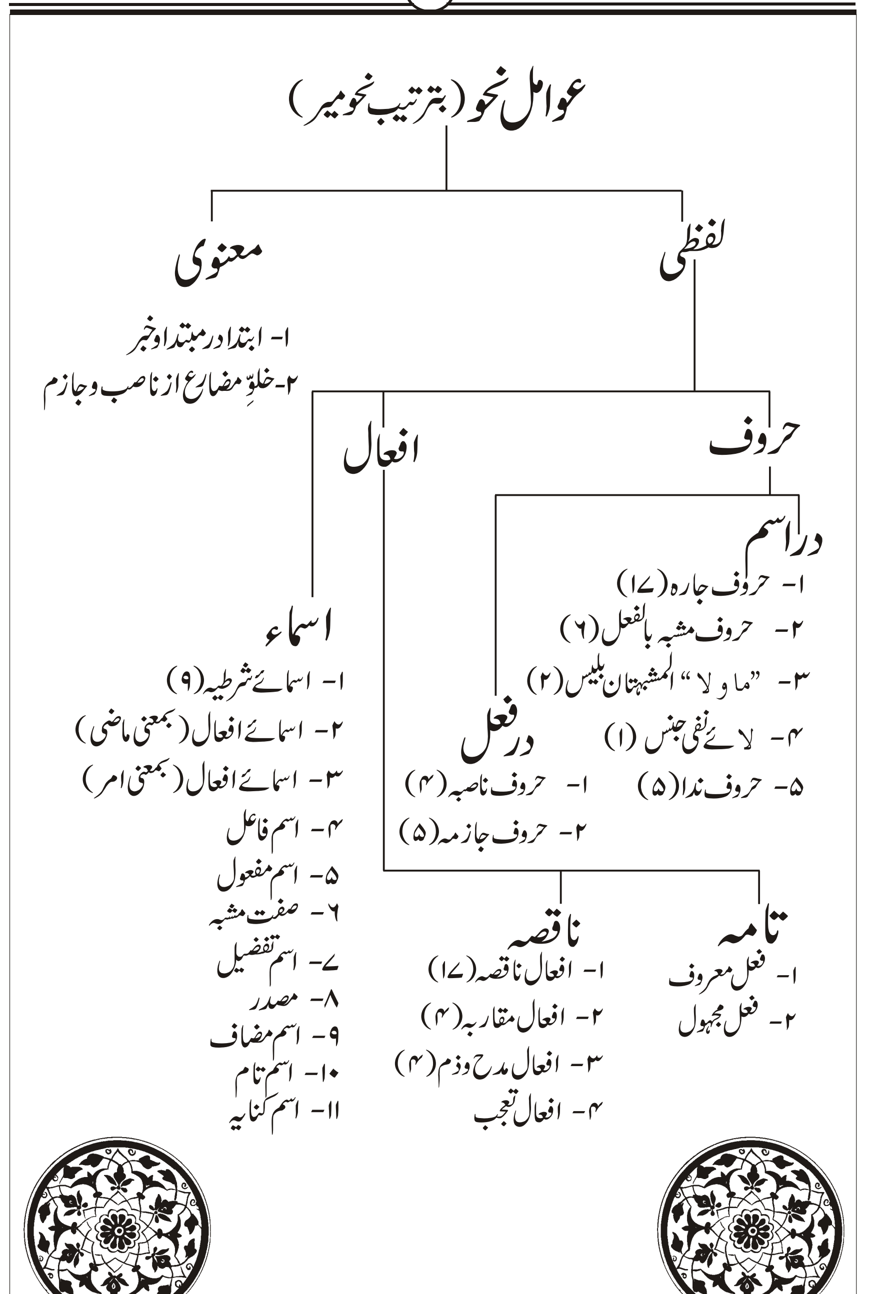
۞ شرح مأۃ عامل یا مفید الطالبین میں تین امور کی محنت ہے: ۱- روانی اور صحت اعراب کے ساتھ عبارت پڑھنا، ۲- ترجمہ کرنا، ۳- ابتدا کے چند صفحات میں مذکورشدہ طریقے پر اجرا کے ساتھ ترکیب کروانا، بعد میں صرف ترکیب کروانا۔

(۱) چند دنوں تک (حسب ضرورت) صرف عبارت سنی جائے، اس مرحلے میں مقدار زیادہ رکھی جاسکتی ہے۔ (۲) اس کے بعد ہفتہ، عشرہ تک دو کام کی محنت کروانا ہے: شروع کتاب سے تھوڑی تھوڑی عبارت کا ترجمہ اور آگے فقط عبارت کا سننا۔ (۳) اب کتاب سے مناسبت پیدا ہو چکی ہوگی لہٰذا شروع کتاب سے اجرا مع ترکیب بتلانے کا آغاز کیا جائے اور تینوں چیزیں ایک ساتھ سنی جائے۔

۞ مفتاح القرآن حصہ دوم وسوم بھی نحو وصرف کو عربی عبارات میں شناخت کروانے اور مستحضر کروانے کے لیے بہت مفید اور معاون ہیں، اس میں آیات کا تحت اللفظ ترجمہ بھی بتلانا ضروری ہوگا اور سننے کے وقت اعراب اور وجوہِ اعراب یعنی اقسامِ مرفوعات، منصوبات، مجرورات، مجزومات اور توابع نیز عوامل بھی دریافت کرنے ضروری ہوں گے۔

اللھمَّ انْفَعْنا بما عَلّمْتَناعَلِّمْنا ما یَنْفَعُنا، و فَقّھْنا فی الدین۔آمین

۞۞۞ اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ ۞۞۞



عوامل نحو (بترتیب نحو میر)
لفظی
معنوی
۱- ابتدا در مبتدا و خبر
۲- خلوِّ مضارع از ناصب و جازم
حروف
افعال
اسماء
در اسم
۱- حروف جارہ (۱۷)
۲- حروف مشبہ بالفعل (٦)
۳- "ما و لا" المشبہتان بلیس (۲)
۴- لائے نفی جنس (۱)
۵- حروف ندا (۵)
در فعل
۱- حروف ناصبہ (۴)
۲- حروف جازمہ (۵)
۱- اسمائے شرطیہ (۹)
۲- اسمائے افعال (بمعنی ماضی)
۳- اسمائے افعال (بمعنی امر)
۴- اسم فاعل
۵- اسم مفعول
٦- صفت مشبہ
۷- اسم تفضیل
۸- مصدر
۹- اسم مضاف
۱۰- اسم تام
۱۱- اسم کنایہ
تامہ
۱- فعل معروف
۲- فعل مجہول
ناقصہ
۱- افعال ناقصہ (۱۷)
۲- افعال مقاربہ (۴)
۳- افعال مدح وذم (۴)
۴- افعال تعجب

لفظ

موضوع

مفرد (کلمہ)

فعل

حرف

عاملہ

۱- حروف جارہ (۱۷)
۲- حروف مشبہ بالفعل (۶)
۳- "ما و لا" المشبہتان بلیس (۲)
۴- لائے نفی جنس (۱)
۵- حروف ندا (۵)
۱- حروف ناصبہ در فعل (۴)
۲- حروف جازمہ در فعل (۵)

غیر عاملہ

۱- عاطفہ
۲- تنبیہ
۳- ایجاب
۴- زیادت
۵- تفسیر
۶- مصدر
۷- تحضیض
۸- توقع
۹- استفہام
۱۰- ردع

اسم

مرکب

غیر مفید

۱- اضافی
۲- توصیفی
۳- بنائی
۴- صوتی
۵- منع صرف
۶- اشاری
۷- موصولی
۸- عددی

مفید (جملہ)

خبریہ

۱- اسمیہ
۲- فعلیہ

انشائیہ

۱- امر
۲- نہی
۳- استفہام
۴- تمنی
۵- ترجی
۶- عقود
۷- ندا
۸- عرض
۹- قسم
۱۰- تعجب
☆ دعاء

مہمل

قلم - بلم
پانی - وانی
کاپی - باپی

تقسیم اول (باعتبار معرب و مبنی)

مبنی

۱- ماضی
۲- امر حاضر
۳- جمع مؤنث
۴- نون تاکید

معرب (مضارع)

۱- مفرد صحیح
۲- مفرد معتل واوی، یائی
۳- مفرد معتل الفی
۴- صحیح یا معتل با ضمائر بارزہ

تقسیم ثانی (باعتبار زمانہ)

۱- ماضی
۲- مضارع
۳- امر
۴- نہی

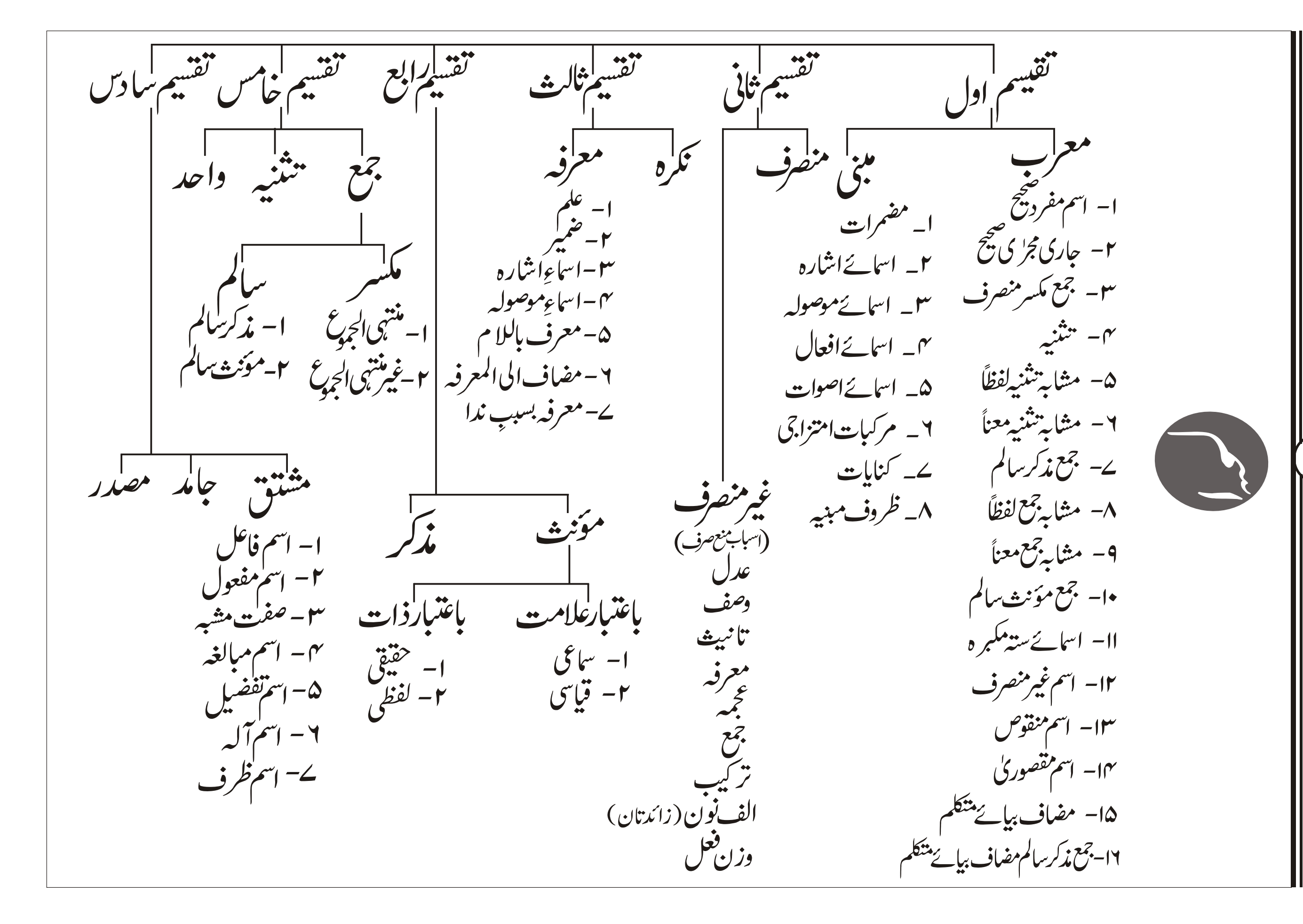
تقسیم ثالث (باعتبار معنی)

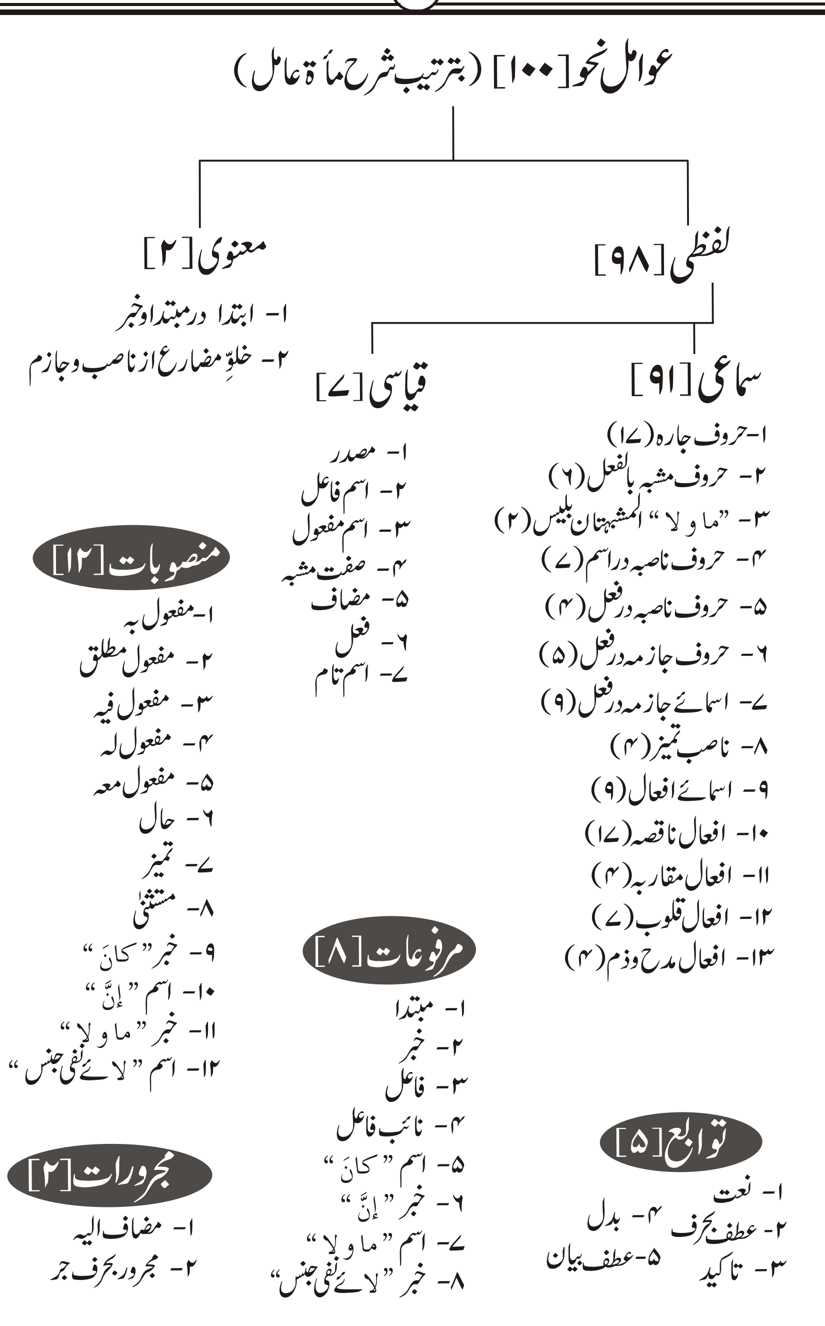
تامہ

۱- لازم
۲- متعدی
۳- معروف
۴- مجہول
۵- متعدی بیک مفعول
۶- متعدی بدو مفعول (باب أَعْطَيْتُ)
۷- متعدی بدو مفعول (باب عَلِمْتُ)
۸- متعدی بسہ مفعول

ناقصہ

۱- افعال ناقصہ
۲- افعال مقاربہ
۳- افعال مدح و ذم
۴- افعال تعجب


اسم
تقسیم اول
معرب
۱- اسم مفرد صحیح
۲- جاری مجرٰی صحیح
۳- جمع مکسر منصرف
۴- تثنیہ
۵- مشابہ تثنیہ لفظاً
۶- مشابہ تثنیہ معناً
۷- جمع مذکر سالم
۸- مشابہ جمع لفظاً
۹- مشابہ جمع معناً
۱۰- جمع مؤنث سالم
۱۱- اسمائے ستہ مکبرہ
۱۲- اسم غیر منصرف
۱۳- اسم منقوص
۱۴- اسم مقصوریٰ
۱۵- مضاف بیائے متکلم
۱۶- جمع مذکر سالم مضاف بیائے متکلم
مبنی
۱۔ مضمرات
۲۔ اسمائے اشارہ
۳۔ اسمائے موصولہ
۴۔ اسمائے افعال
۵۔ اسمائے اصوات
۶۔ مرکبات امتزاجی
۷۔ کنایات
۸۔ ظروف مبنیہ
تقسیم ثانی
منصرف
غیر منصرف
(اسباب منع صرف)
عدل
وصف
تانیث
معرفہ
عجمہ
جمع
ترکیب
الف نون (زائدتان)
وزن فعل
تقسیم ثالث
نکرہ
معرفہ
۱- علم
۲- ضمیر
۳- اسماءِ اشارہ
۴- اسماءِ موصولہ
۵- معرف باللام
۶- مضاف الی المعرفہ
۷- معرفہ بسببِ ندا
تقسیم رابع
مؤنث
مذکر
باعتبار علامت
۱- سماعی
۲- قیاسی
باعتبار ذات
۱- حقیقی
۲- لفظی
تقسیم خامس
جمع
تثنیہ
واحد
مکسر
۱- منتہی الجموع
۲- غیر منتہی الجموع
سالم
۱- مذکر سالم
۲- مؤنث سالم
تقسیم سادس
مشتق
جامد
مصدر
۱- اسم فاعل
۲- اسم مفعول
۳- صفت مشبہ
۴- اسم مبالغہ
۵- اسم تفضیل
۶- اسم آلہ
۷- اسم ظرف


عوامل نحو [١٠٠] (بترتیب شرح مأۃ عامل)
لفظی [٩٨]
معنوی [٢]
١- ابتدا درمبتداوخبر
٢- خلوِ مضارع از ناصب وجازم
سماعی [٩١]
قیاسی [٧]
١-حروف جارہ (١٧)
٢- حروف مشبہ بالفعل (٦)
٣- "ما و لا" المشبہتان بلیس (٢)
٤- حروف ناصبہ دراسم (٧)
٥- حروف ناصبہ درفعل (٤)
٦- حروف جازمہ درفعل (٥)
٧- اسمائے جازمہ درفعل (٩)
٨- ناصب تمیز (٤)
٩- اسمائے افعال (٩)
١٠- افعال ناقصہ (١٧)
١١- افعال مقاربہ (٤)
١٢- افعال قلوب (٧)
١٣- افعال مدح وذم (٤)
١- مصدر
٢- اسم فاعل
٣- اسم مفعول
٤- صفت مشبہ
٥- مضاف
٦- فعل
٧- اسم تام
منصوبات [١٢]
١-مفعول بہ
٢- مفعول مطلق
٣- مفعول فیہ
٤- مفعول لہ
٥- مفعول معہ
٦- حال
٧- تمیز
٨- مستثنیٰ
٩- خبر "كانَ"
١٠- اسم "إنَّ"
١١- خبر "ما و لا"
١٢- اسم "لائے نفی جنس"
مرفوعات [٨]
١- مبتدا
٢- خبر
٣- فاعل
٤- نائب فاعل
٥- اسم "كانَ"
٦- خبر "إنَّ"
٧- اسم "ما و لا"
٨- خبر "لائے نفی جنس"
مجرورات [٢]
١- مضاف الیہ
٢- مجرور بحرف جر
توابع [٥]
١- نعت
٢- عطف بحرف
٣- تاکید
٤- بدل
٥-عطف بیان

تدوین وماخذِ نحو: جب اسلام کی جزیرۂ عرب کے باہر مقبولیت ہونے لگی اور اس کا دائرہ کار وسیع ہو کر ملک عجم: ایران، روم تک پہنچا تو عربوں اور عجمیوں کے شادی بیاہ، معاملات ومعاشرت وغیرہ میں اختلاط کی وجہ سے عربی زبان متأثر ہوئی، اور غیر عرب اپنی نادانی کی وجہ سے بلکہ خود اہل عرب بھی مرفوع کو مجرور اور منصوب کو مرفوع پڑھنے کا اور دیگر فاحش غلطیوں کا ارتکاب کرنے لگے، مزید برآں قرآن کریم میں بھی اعرابی غلطیاں کیے جانے کے واقعات امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گوش گزار ہونے لگے؛ تو آپ رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ اس کی طرف توجہ مرکوز فرمائی، اور چند اصول ضبط فرمائے اور ابو الاسود دؤیلی کو دے کر فرمایا: أُنْحُ هٰذَا النَّحْوَ (اس کی طرف توجہ کیجیے)۔[القواعد الأساسیہ للغة العربیہ]

چناں چہ ابو الاسود دؤیلی نے قرآن کریم، احادیث رسول اور فصیح وبلیغ ادبا وشعرا کے کلام کی روشنی میں بہت سارے قواعد نحو کا اضافہ کیا۔ رفتہ رفتہ دوسری، تیسری صدی میں بصریین وکوفیین نام کے دو مکتب فکر وجود میں آئے۔ اور امام سیبویہ (عمرو بن عثمان)، امام اخفش (سعید بن مسعدہ)، ابو اسحٰق زجاج اور ابو بکر سراج وغیرہ کا علمائے بصریین میں اور امام کسائی (علی بن حمزہ)، امام فرّا (یحیٰ بن زیاد) اور ابو العباس وغیرہ کا علمائے کوفیین میں شمار ہونے لگا۔[درایۃ النحو]

اس کے بعد چھٹی صدی ہجری میں علامہ زمخشری صاحب مفصل نے اور ساتویں صدی ہجری میں ابن مالک صاحب الفیہ، ابن حاجب صاحب کافیہ اور شارح کافیہ علامہ رضی نے اور آٹھویں صدی ہجری میں صاحب مغنی اللبیب ابن ہشام اور صاحب شرح ابن عقیل نے مذہب بصریین کی ترجیح وترویج کی۔

❁ مشورہ ❁

ناچیز کے علم میں نحو کے اردو رسائل میں کتاب النحو جیسا حجم میں کم مگر جامع اور ہدایۃ النحو وکافیہ کی ترتیب پر کوئی رسالہ نہیں ہے، چوں کہ عربی اول اہم اور بنیادی درجہ ہونے کی وجہ سے اس کتاب کی تدریس سے فن کے معتد بہ مسائل طلبہ کی نظروں میں آجائیں گے، کم از کم گوش گذار تو ہو ہی جائیں گے جو بعد میں ضرور مفید ثابت ہوسکیں گے بنابریں قوتِ حفظ کے بوجھ کو کچھ ہلکا کرنے کے واسطے بعض فقروں کے شروع میں علامت: " ××× " لگائی گئی ہے، نیز درمیان فقروں میں بھی کچھ عبارتیں کھڑی قوس: " [...] " کے درمیان لے لی گئیں ہیں، ناچیز کی رائی ہے کہ ہر ایک طالب علم کو ان فقروں، عبارتوں اور آخر کتاب میں حروف کے بیان (نحو کی معجم صغیر) کو بھی زبانی کرنے کا مکلّف نہ بنانا چاہیے، اس سے کتاب کی طوالت و ثقالت کا بوجھ ہلکا ہوجائے گا، تاہم ان چیزوں کو بعد شَشْماہی سمجھا کر پڑھایا جائے اور ان میں واقع تمام امثلہ میں اجرا و ترکیب وتمرین پر زور دیا جائے۔

محمد اشرف تاجپوری عفی عنہ

تأثرات

آپ نے محنت سے کتاب کی اصلاح کی ہے اور بے توجہ ناشرین کی غلطیوں کو دور کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے، میں نے متعلقہ ذمہ داروں سے کہہ دیا ہے کہ اپنی درسگاہوں میں اسی نسخہ کو عام کیا جائے تاکہ دوسرے ادارے والے بھی قبول کریں، اللہ پاک آپ کی مخلصانہ کاوش کو قبول فرمائے اور مزید کاوشوں کا موقع دے (آمین)۔ مفکر ملت حضرت مولانا محمد ولی صاحب رحمانی دامت برکاتہم العالیہ [سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی، مونگیر، بہار]

مدارس کے نصاب کی مشہور کتاب (کتاب النحو) جس کو عربی قواعد کے نصاب میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے، اسلوب بیان و زبان کو عصری تقاضے کے مطابق کرنے کا دشوار کام سہل انداز سے مولانا نے انجام دیا ہے، یہ اس لائق ہے کہ مدارس اس کو قبول کریں، بقول حضرت مولانا سید رابع حسنی ندوی مدظلہ "کام اچھا کیا ہے"۔ [تعمیر حیات، ۲۵ / اکتوبر ۲۰۰۹ء]















IDARATUSSIDDEEQ
DABHEL, DIST. NAVSARI GUJARAT, INDIA
CELL. +919913319190, 9904886188